شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم بزبانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف

ابو حمزہ عبدالخالق صدیقی

تخریج و اضافہ

حافظ حامد محمود الخضری حافظ محمد الیاس دانش

تحت اشراف

شیخ الحدیث عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ



انصار السنہ پبلیکیشنز لاہور

فہرست عنوانات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ الصَّلَاۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ، وَ بَعْدُ!

﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ۝۸ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۫ؕ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ۝۹ وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۠۝۱۰﴾ (الحشر : 8 تا 10)

زیرِ نظر کتاب ''شانِ صحابہ بزبان مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو زیور طباعت سے آراستہ ہوکر آپ کے ہاتھوں میں پہنچی ہے۔ کتاب میں موجود مواد کا علم کتاب کے عنوان سے عیاں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعلق سے چند منہجی باتیں سمجھنا بہت ضروری ہیں۔ پہلا مسئلہ صحابی کی تعریف ہے۔ صحابی کی سب سے جامع تعریف حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے۔ صحابی وہ شخص ہے: ((لَقِيَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مُؤْمِنًا بِهٖ وَمَاتَ عَلَى الْإِسْلَامِ)) ''جو رسول اللہ ﷺ سے ایمان لانے کی حالت میں ملا ہو۔ اس کا انتقال بھی اسلام پر ہوا ہو۔ آخر دم تک اسلام پر قائم رہا ہو۔ تعریف میں صحابیت کے ثبوت کے لیے چار شرائط ہیں۔ پہلی شرط لقاء ہے کہ صحابی کی ملاقات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے

ثابت ہو۔ وہ ملاقات خواہ چھوٹی ہو یا بڑی ہو۔ خواہ پوری زندگی کا ساتھ ہو جیسے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا چند لمحات کا دیدار ہو، جیسے وہ شخص جو نجد کی سرزمین سے آیا تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک سوال کیا: ((أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ)) یا رسول اللہ! ''وہ کون سا عمل ہے جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہوسکتا ہوں۔'' اس کا کہنا یہ تھا: ((أَتَيْتُ مِنْ أَهْلِي وَمَالِي وَ عَشِيرَتِي)) ''میں یہ سوال پوچھنے کے لیے اپنے اہل وعیال، اپنی تجارتیں، اپنی قوم برادری سب کچھ چھوڑ کر آ رہا ہوں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکان اسلام کی تعلیم دی۔ اس نے بات کو سمجھا اور واپس جانے کے لیے مڑا تاکہ اپنی قوم کو جا کر دعوت دے۔ اتفاق سے اس کی اونٹنی کا پاؤں ایک بِل میں داخل ہوا، تو ازن بگڑ گیا اور وہ شخص گردن کے بل نیچے گرا، وہیں شہید ہو گیا۔ یہ اس کی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مختصر صحبت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے قریب منگوایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اُٹھا کر لائے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا چہرۂ مبارک اس کے قریب کیا، پھر پیچھے ہٹا لیا۔ فرمایا کہ ((إِنِّي رَأَيْتُ مَلَكَيْنِ يَدُسَّانِ فِي فِيهِ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ)) ''میں نے اللہ تعالیٰ کے دو فرشتے دیکھے، وہ اس کے منہ میں جنت کے پھل ڈال رہے تھے۔'' ((فَعَلِمْتُ أَنَّهُ مَاتَ جَائِعًا)) ''اس سے مجھے یہ اندازہ ہوا، یہ شخص بھوکا اور پیاسا سفر کر رہا تھا۔'' کھانے اور پینے کی کوئی ہوش نہیں تھی۔ ایک ہی ہدف تھا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تک جلدی پہنچ جاؤں، اپنا سوال پیش کروں اور جواب حاصل کر کے عمل شروع کر دوں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو دفن کر رہے ہیں اور ساتھ فرما رہے ہیں کہ ((عَمِلَ قَلِيلًا وَّأُجِرَ كَثِيرًا)) ''اسے عمل کرنے کا موقع نہیں ملا لیکن اجر وثواب بے تحاشہ پا گیا ہے۔''[1] تو اس کی جو صحبت ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بڑی مختصر ہے۔ چونکہ بحالت

[1] مسند أحمد : 359/4.

ایمان یہ دیدار حاصل ہو گیا، یہ بھی صحابی رضی اللہ عنہ ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ یہ لقا بحالت ایمان ہو۔ چنانچہ کافر اور یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے تھے، ایمان نہیں لائے، وہ صحابی نہیں ہو سکتے۔ منافقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے تھے، ایمان نہیں لائے۔ کیوں کہ ایمان وہ معتبر اور مسلّم ہے جو ظاہراً و باطناً ہو۔ منافقین کا اسلام ظاہراً تھا، حقیقتاً اور باطناً نہیں تھا۔ اللہ پاک کا فرمان ہے:

﴿وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَیٰطِیْنِهِمْ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝﴾ (البقرة : 14)

”منافقین جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لا چکے ہیں اور جب اپنے شیاطین کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں۔“

ہم تو اوپر اوپر سے اسلام کا اظہار کرتے ہیں۔ تو منافق صحابی نہیں ہو سکتا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ ایسے لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے جو ایمان دار تو تھے لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نہیں لائے تھے۔ ان کا ایمان اپنے نبی علیہ السلام پر تھا جیسے بحیرا راہب۔ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا ہوا تھا۔ عیسائی تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نہیں لا سکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حمایت کا ذکر کیا۔ مدد کا ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کا ذکر کیا۔ ایمان نہیں لایا، اس لیے بحیرا راہب صحابی قرار نہیں پا سکتا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ اسی ایمان پر اس کی وفات ہو۔ کچھ لوگ ایمان لائے تھے لیکن مرتد ہو گئے۔ جیسے عبید اللہ بن جحش ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا سابقہ شوہر ہے۔ اسلام لایا اور حبشہ کے مہاجرین کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی، لیکن حبشہ جا کر نصرانی ہو گیا۔ مرتد ہو گیا۔ یہ صحابی قرار نہیں پائے گا۔ صحابی کی تعریف جس میں چار چیزیں جمع ہوں۔ ایک

بحالت ایمان نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیدار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان اور اس ایمان پر وہ تاحیات قائم رہا ہو۔ یقیناً جس شخص میں یہ چار چیزیں آجائیں، وہ صحابی ہے۔ اور وہ بڑی فضیلت کا حامل اور بڑے اونچے مقام کا مستحق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي)) میرے کسی صحابی (رضی اللہ عنہ) کو گالیاں نہ دینا۔ ان پر طعنہ زنی یا تنقید نہ کرنا۔ ((فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَ لَا نَصِيفَهُ)) [1] اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم لوگ اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو، میرا ایک صحابی (رضی اللہ عنہ) صرف ایک پاؤ کھجوریں خرچ کر دے تو اللہ تعالیٰ ایک پاؤ کھجوریں خرچ کرنے پر جو اجر اور ثواب میرے صحابی (رضی اللہ عنہ) کو دے گا، اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنے پر تمھیں نہیں دے گا۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیدار کا جو شرف حاصل تھا، اس بنا پر ان کا درجہ، ان کا مقام بڑا اونچا ہے۔ ورنہ عمل سب کر رہے ہیں، نماز ہم بھی پڑھ رہے ہیں۔ روزے ہم بھی رکھ رہے ہیں۔ حج ہم بھی کرتے ہیں۔ عمل وہی ہیں۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک درجہ ممتاز حاصل ہے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لقا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شرف ہے۔ صحیح بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: ((يَغْزُو فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ)) ''ایک وقت آئے گا کہ لوگوں کا ایک گروہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد و قتال کر دے گا۔'' اور اس گروہ سے پوچھا جائے گا: ((هَلْ فِيكُمْ مَّنْ صَحِبَ رَسُولَ اللّٰهِ؟)) ''کیا تم میں کوئی شخص ایسا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہو۔'' کہا جائے گا: ہاں! اس لشکر

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 3673، صحيح مسلم، حديث: 2541.

میں ایسے لوگ موجود ہیں جنھیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کا شرف حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس لشکر کو فتح دے دے گا۔ اس لشکر کی فتح کی وجہ ایسے لوگوں کا موجود ہونا ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی رضی اللہ عنہ تھے۔ فرمایا کہ ((ثُـمَّ یَغْزُو فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ)) پھر ایک اور گروہ قتال اور جہاد کرے گا۔ وہاں بھی پوچھا جائے گا: ((هَـلْ فِیْكُمْ مَّنْ رَّأٰی مَـنْ صَحِبَ رَسُولَ اللّٰهِ؟)) ''کیا تم میں ایسا شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہو؟'' کہا جائے گا: ہاں! ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تو نہیں دیکھا، لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس لشکر کو بھی فتح دے دے گا۔ کس چیز کی برکت سے؟ کہ اس جماعت میں ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا دیدار کیا ہے۔ فرمایا کہ ((ثُـمَّ یَـغْزُو فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ)) پھر لوگوں کی ایک اور جماعت اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گی۔ وہاں بھی پوچھا جائے گا: ((هَـلْ فِیـكُمْ مَّنْ رَأٰی مَـنْ صَـحِبَ مَنْ صَحِبَ رَسُولَ اللّٰهِ؟)) ''کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے اس شخص کو دیکھا ہو جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہو؟'' یعنی تبع تابعی۔ کہا جائے گا: ہاں ایسے افراد موجود ہیں۔ ان کی بھی اللہ تعالیٰ مدد کرے گا اور ان کو فتح عطا فرما دے گا۔ [1] ان کی فتح ایسے لوگوں کی موجودگی کی برکت سے ہوگی جنھوں نے کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا دیدار کیا۔ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان، ان کا مقام اور رفعتِ درجہ ہے کہ اس کی موجودگی فتح کا، اللہ تعالیٰ کی رضا کا، اس کی رحمت کا اور اس کی مدد کا باعث ہے۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((اَلـنُّـجُـومُ أَمَـنَةٌ

[1] صحیح البخاري، حدیث: 2897، صحیح مسلم، حدیث: 2532.

لِّلسَّمَاءِ)) آسمان کے ستارے آسمان کی امان ہیں۔آسمان کے محافظ ہیں۔تارے اللہ تعالیٰ کے فوجی ہیں۔ ایک دور تھا کہ یہ جن آسمانوں کی طرف جاتے اور فرشتوں کی باتیں سن کر آسمانوں کے فیصلے اچکنے کی کوشش کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے جب محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا فیصلہ فرمالیا، اس نے طے کر لیا کہ اب آسمانوں کی خبریں زمین پر پہنچیں گی صرف ایک ہی شخصیت کے ذریعے سے اور وہ شخصیت محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے۔ باقی سارے راستے بند کر دیے۔ستاروں کو اللہ تعالیٰ نے یہ تاثیر دے دی کہ اب اگر کوئی جن آئے تو آگ کا شعلہ بن کر ان کو جلا دیں، چنانچہ یہ ستارے اللہ تعالیٰ کی خبروں کے محافظ بن گئے۔فرمایا کہ ستارے آسمانوں کی امان ہیں۔((وَأَنَــــا أَمَــنَةٌ لِّأَصْـحَـابِي)) ''اور میں، یعنی محمد رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے امان ہوں۔'' کتنا پیارا تعلق ہے! فرمایا کہ ((وَأَصْـحَابِي أَمَنَةٌ لِّأُمَّتِي)) ''اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم میری اُمت کے لیے امان ہیں۔''((فَــإِذَا ذَهَــبَ أَصْحَـابِي)) اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم چلے جائیں گے، اور یہ زمین صحابہ رضی اللہ عنہم کے وجود سے خالی ہو جائے گی۔((أَتَـى أُمَّتِـي مَايُوعَدُونَ))''میری اُمت کو وہ سارے فتنے، فسادات لاحق ہوں گے جن کا اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہے۔''[1] لیکن جب تک صحابہ رضی اللہ عنہم زندہ ہیں، میری اُمت کو فتنے لاحق نہیں ہوں گے۔ یہ کون سے فتنے مراد ہیں؟ یہ بدعات، خرافات، شرک اور مختلف قسم کے انتشار کے فتنے، جہمیہ، کرامیہ، رافضہ، مرجئہ، قدریہ، جبریہ، معتزلہ گمراہ فرقے پیدا ہوں گے۔ عجیب وغریب ان کے عقائد۔فرمایا کہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا وجود اُمت کے لیے امان ہے، اُمت کے لیے برکت ہے۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم چلے جائیں گے، وہ فتنے میری اُمت کو لاحق ہوں گے جن کا اللہ تعالیٰ نے

[1] صحيح مسلم، حديث: 2531.

وعدہ کیا ہے لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کے جانے کے بعد۔

یہ تمام حدیثیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت او ران کے رفعتِ درجہ کی اساس ہیں، بہت بڑی نشانی ہے کہ یہ جماعت کتنی مقدس اور کتنی محترم جماعت ہے۔ان کے قلوب بالکل صاف ستھرے اور نظیف ہیں۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے :((إِنَّ اللّٰہَ نَظَرَ إِلٰی قُلُوبِ الْعِبَادِفَوَجَدَ قَلْبَ مُحَمَّدٍ مِّنْ خَیْرِ قُلُوبِ الْعِبَادِ فَاصْطَفَاہُ لِرِسَالَتِہِ ، ثُمَّ نَظَرَ إِلٰی قُلُوبِ الْعِبَادِ فَوَجَدَ قُلُوبَ أَصْحَابِہِ مِنْ خَیْرِ قُلُوبِ الْعِبَادِ فَاصْطَفَاھُمْ لِصُحْبَةِ نَبِیِّہِ)) [1] ''جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا فیصلہ فرمایا تو پہلے پوری کائنات میں موجود لوگوں کے دلوں کو دیکھا۔ان کے دلوں میں جھانکا کہ کس کا دل میری نبوت کے قابل ہے؟ کس کا دل صاف ستھرا، نظیف، مخلص اور مصفّٰی ہے۔سب کے دلوں کو دیکھا۔تو اللہ تعالیٰ نے کیا پایا؟ پوری کائنات میں سب سے پاکیزہ اور مصفّٰی دل اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخصیت کو اپنی رسالت کے لیے چن لیا۔ پھر اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل تمام لوگوں کے دلوں سے مصفّٰی ہیں، صاف ستھرے ہیں، پاکیزہ ہیں، نظیف ہیں، طاہر ہیں، مطہر ہیں اور بالکل مخلص ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لیے چن لیا، اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے لیے اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کے لیے۔''

قارئین! اب تک دو باتیں سمجھ آئی ہیں :① صحابی کی تعریف ② صحابی کا مقام اور صحابی کی فضیلت۔

---

[1] مسند أحمد : 379/1 .

تیسری منہجی بات یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جرح کرنا، ان پر تنقید کرنا یا ان میں سے کسی ایک کو سب وشتم کا نشانہ بنانا، گالی گلوچ کرنا، اس کو علماء نے کفر قرار دیا ہے۔ ابوزرعہ الرازی بڑی چوٹی کے محدث ہیں، فرمایا کرتے تھے: ((إِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ يَنْتَقِصُ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَاعْلَمْ أَنَّهُ زِنْدِيقٌ)) ''جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو گالی دے رہا ہے، ان پر تنقید کر رہا ہے، ان کی تنقیص شان کر رہا ہے، ان کی شان میں کمی پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ تو جان لو کہ وہ شخص زندیق ہے۔'' اس میں کفر ہے، وہ زنادقہ میں سے ہے۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ فرمایا: پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کی صحبت کا شرف اور ان کا وہ مقام جو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا قرآن اور حدیث میں، اس کا انکار ہے۔ قرآن وحدیث کا انکار کفر ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ بات دین پر حملہ ہے۔ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تنقیص شان نہیں بلکہ دین کی تنقیص شان ہے۔ کیوں؟ فرماتے ہیں کہ ہم یہ بات جانتے ہیں کہ ((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ حَقٌّ)) ''کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ حق ہیں۔'' ((وَأَنَّ الْقُرْآنَ حَقٌّ)) ''اور قرآن بھی حق ہے۔'' اور پیغمبر ﷺ کی سنتوں اور قرآن پاک کو ہماری طرف منتقل کرنے والا کون ہے؟ یہ قرآن وحدیث ہمیں اس طرح نہیں ملا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے گھروں میں اُتار دیا ہو یا پہنچا دیا ہو۔ بلکہ قرآن و حدیث کو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ سے لینے والے پیغمبر ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس دین کو سب سے پہلے لینے والے اور آگے پہنچانے والے ہیں۔ تو اگر یہ پہلی جماعت ہی مجروح قرار دی جائے تو یہ جرح اس جماعت پر نہیں بلکہ دین پر ہے۔ کیوں کہ خبر لانے والے کو دیکھا جاتا ہے کہ خبر لانے والا کون ہے؟ اگر وہ ضعیف

اور کمزور ہے، تو اس کی خبر بھی کمزور اور ضعیف ہے۔ لہٰذا اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس لعن طعن کا محل ہیں، نشانہ ہیں تو پھر انھوں نے جو قرآن و حدیث ہم تک پہنچایا اس پر بھی یہ شبہ وارد ہو رہا ہے، اس کی بھی تنقیص لازم آ رہی ہے۔ یہ حملہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر نہیں بلکہ یہ حملہ دین پر ہے۔ یہ قرآن پر ہے، یہ حدیث پر ہے کیوں کہ قرآن و حدیث کے ناقلین تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ ((وَالْجَرْحُ بِهِمْ أَوْلٰی)) ثابت یہ ہوا کہ جو لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم پر جرح کرتے ہیں، وہ خود جرح کے مستحق ہیں۔ ان کا یہ وار صحابہ رضی اللہ عنہم پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین پر ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے دین پر وار کرے گا وہ مجرم ہے، وہ عاصی ہے، وہ باغی ہے اور وہ خود جرح کا مستحق ہے۔ [1] صحابہ رضی اللہ عنہم کی تنقیصِ شان کرنے والا درحقیقت مجرم ہے جو اس دین پر حملے کر رہا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث کی روشنی میں تعظیم کے اور محبت کے مستحق ہیں۔ ان کی تعظیم اور ان سے محبت یہ دین کی تعظیم اور محبت ہے۔ ان کا احترام دین کا احترام ہے۔ ان کی محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔

امام اہل السنۃ احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: ((مَنْ سَبَّ أَصْحَابَ رَسُولِ اللّٰهِ هُوَ مُبْتَدِعٌ رَافِضِيٌّ)) ''جو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو گالی دے، ان پر جرح کرے، وہ بدعتی اور رافضی ہے۔'' فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہمارا چار طرح کا تعلق ہونا چاہیے۔ ((حُبُّهُمْ سُنَّةٌ)): ان سے محبت کرنا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ((اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِي أَصْحَابِي لَاتَتَّخِذُوهُمْ غَرْضًا بَعْدِي فَمَنْ أَحَبَّهُمْ، فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي

[1] اعتقاد أهل السنة في الصحابة، ص: 29.

أَبْغَضَهُمْ)) [1] میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہنا۔ اور میرے بعد میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) پر تنقید نہ کرنا، انھیں سب وشتم نہ کرنا۔ جو ان سے محبت کرے گا۔ اس نے صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے اس لیے محبت کی کہ اسے مجھ سے محبت ہے۔ جو شخص ان سے بغض رکھے گا۔ اس نے صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے اس لیے بغض رکھا کہ اسے مجھ سے بغض ہے۔ اور جو شخص مجھ سے بغض رکھے گا، اس نے اللہ تعالیٰ سے بغض رکھا۔ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کا بغض میرا بغض ہے اور میرا بغض اللہ تعالیٰ کا بغض ہے۔ صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے عداوت، میری عداوت ہے اور میری عداوت اللہ تعالیٰ کی عداوت ہے۔ بات کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے۔ یہ جماعت محبت کے قابل ہے۔ اس جماعت سے محبت اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔ اس جماعت کا بغض اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا بغض ہے ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا بغض اللہ تعالیٰ کا بغض ہے۔ اور فعلاً اس قوم میں یہ سارے بغض موجود ہیں۔ ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ جبریل امین علیہ السلام درحقیقت وحی لے کر آئے تھے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس، ان سے غلطی ہوگئی اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئے۔ یہ بغض ہے یا نہیں؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بغض دلوں میں چھپا ہوا ہے۔ اور پھر یہ بغض جبریل علیہ السلام کے ساتھ بھی ہے۔ اور بھیجنے والے پروردگار کے ساتھ بھی ہے۔ سب پر تنقید لازم آرہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس کا انتخاب کیا جس کے پاس تمیز ہی نہیں تھی کہ وحی کس کے پاس لے کر جانی ہے۔ وحی بھی غلط اور وحی کا محل بھی غلط۔ بھیجنے والا بھی غلط اور لانے والا بھی غلط۔ یہ بغض کی ایک لمبی داستان ہے۔ صحیح بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: ((آيَةُ الْإِيمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ وَآيَةُ

[1] جامع الترمذي، حديث: 3862.

الـنِّـفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ)) ''انصار صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی محبت ایمان کی نشانی ہے اور انصاری صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کا بغض نفاق کی نشانی ہے۔''[1] اور دوسری چیز: ((وَالـدُّعَـاءُ لَهُمْ قُـرْبَةٌ)) ''اور صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے لیے دعا مانگنا اللہ تعالیٰ کی قربت ہے۔'' تو اللہ رب العزت ایسے لوگوں سے محبت کرے گا جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔ ان کا نام آ جائے تو رضی اللہ عنہم کہتے ہیں۔ یا اللہ! ان سے راضی ہو جا۔ اور تیسری چیز کیا ہے؟ ((وَالْإِقْتِـدَاءُ بِهِمْ وَسِيلَةٌ)) ''ان کی اقتدا جنت کے حصول دنیا اور آخرت کی کامیابی کا وسیلہ ہے۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم کے تعلق سے سب سے اہم نکتہ اور سب سے اہم منہجی بات یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی اقتدا کی جائے۔ اس پر قرآن شاہد عدل ہے۔ سورۂ بقرہ میں منافقین کے ذکر میں فرمایا کہ:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ﴾ (البقرة: 13)

''جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسے لوگ ایمان لائے۔''

اور سورۃ البقرۃ میں دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣٧﴾﴾ (البقرة: 137)

''پھر اگر وہ اس جیسی چیز پر ایمان لائیں جس پر تم ایمان لائے ہو تو یقیناً وہ ہدایت پا گئے اور اگر پھر جائیں تو وہ محض ایک مخالفت میں (پڑے ہوئے) ہیں، پس عنقریب اللہ تجھے ان سے کافی ہو جائے گا اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

[1] صحيح البخاري، حديث: 17، صحيح مسلم، حديث: 74.

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا ایمان مثالی ایمان تھا۔ اگر ان کے ایمان میں کوئی جھول ہوتا، کوئی قباحت ہوتی، کسی بھی دور میں ان کے ایمان میں کوئی اضطراب ہوتا تو وہ قرآن جو قیامت تک منبر و محراب پر پڑھا جائے گا، اس قرآن میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایمان کو مثالی ایمان کیوں قرار دیا؟ ہمارا یہ فرض منصبی ہے کہ ایمان لائیں اور ہمارے ایمان کی کیفیت، ہمارے ایمان کا طریقہ، ہمارے ایمان کی صفت بالکل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی ہو، ان کا ایمان اُمت کے لیے مثال، نمونہ اور آئیڈیل ہے۔ اور یہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی سیرت کا سب سے بڑا منہج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جا بجا اس بات کو ذکر کیا۔

﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝١١٥ ﴾

(النساء : 115)

''کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کریں گے، ہدایت کے واضح ہونے کے بعد، اور وہ مومنین کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے کی اتباع کریں۔ جس راہ پر وہ چلیں اس راہ کو ہم ان کے لیے دراز کر دیں گے، ڈھیل دے دیں گے، رسی چھوڑ دیں گے ان کو اُٹھا کر جہنم میں ڈال دیں گے۔'' اس آیت کریمہ میں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایمان کو، ان کے طریقے کو، ان کے منہج کو مثال بنا کر پیش کیا۔ اور ایک مقام ملاحظہ ہو۔ اللہ پاک نے فرمایا:

﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾ (التوبۃ : 100)

اس آیت کریمہ میں دو گروہوں کا ذکر کیا۔ ایک مہاجرین کا، دوسرا انصار کا۔

جنھوں نے مکہ چھوڑا اور مدینے آئے اور جنھوں نے مدینے میں مہاجرین کا استقبال کیا۔ اپنے گھروں کے دروازے کھول دیے اور ایثار کی عظیم مثالیں قائم کردیں۔ یہ دو گروہ ہیں۔ یہ دونوں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے گروہ ہیں۔ اور تیسری جماعت؟ ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ﴾ ان لوگوں کی ہے جو ان کے نقش قدم کے پیروکار بنیں۔ ان کی اتباع کریں، ان کے منہج کو اپنائیں، ان جیسا ایمان لائیں، ان جیسا عمل کریں، ان جیسا عقیدہ ہو، ان جیسا منہج ہو، ان جیسے اخلاق ہوں، ان جیسا کردار ہو، ان جیسی معیشت ہو، ان جیسی تجارت ہو۔ ان کا حکم کیا ہے؟ ﴿رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ ''اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔'' اللہ تعالیٰ ان سے راضی کیوں ہے؟ انھوں نے عظیم قربانیاں دیں۔ انصار کا منہج، مہاجرین کا اور ان کا اتباع کرنے والوں کا منہج عظیم الشان ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ سے راضی کیسے ہوں گے؟ کہ جب یہ اللہ تعالیٰ کے پاس جائیں گے اللہ تعالیٰ ان کو اتنا دے گا، اتنا نوازے گا کہ یہ خوش ہو جائیں گے۔ دنیا کے دُکھ بھول جائیں گے۔ دنیا کے سپنے بھول جائیں گے۔ یہ طعنے، سب وشتم اور یہ خون ریزیاں سب بھول جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے انعامات پر خوش اور راضی ہو جائیں گے۔ تو اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی رضا صرف تین جماعتوں کے بیچ میں منحصر ہے۔ ایک انصار کی جماعت، دوسری مہاجرین کی اور تیسری ان کی جو ان کے نقش قدم کے پیروکار ہیں۔

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان، ان کا عقیدہ اور منہج، ان کی سیاست اور خلق، ان کی معیشت اور معاشرت یہ سب کے سب مثال ہیں پوری اُمت کے لیے۔ لہٰذا اُمت کا کوئی فرد امریکہ میں ہو، افریقہ میں ہو، ایشیا میں ہو، عربی ہو، عجمی ہو، مشرق میں ہو، مغرب میں ہو، شمال میں ہو، جنوب میں ہو، اگر وہ صحابہ

رضی اللہ عنہم اجمعین کے منہج کا پیروکار ہے تو اللہ تعالیٰ کی رضا کا مستحق ہے اور اگر وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے منہج کا پیروکار نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی لعنتوں کا مستحق ہے۔ یہ آیت کریمہ اس اہم نکتے کی نشان دہی کر رہی ہے۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (البقرة : 5)

''یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے بڑی ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں۔''

میری لسٹ میں ہدایت یافتہ وہ ہے جس کا ایمان صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان جیسا ہو۔ تو اس اہم منہجی نکتے کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ ان تمام آیتوں کی تفسیر اور تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے۔ یہ حدیث اگر آج ہم پلے باندھ لیں تو سارے اختلافات ختم ہو سکتے ہیں۔ منہج حق واضح ہوتا ہے۔ جنت کا پروگرام سمٹ کر ہمارے سامنے آ سکتا ہے۔ بلکہ جنت ہمارے سامنے کھڑی ہے۔ اگر یہ حدیث ہم سمجھ لیں جو حدیثِ فِرَق کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت میں فرقوں کے وجود کی نشان دہی کی۔ اس میں فرمایا کہ یہودیوں کے اکہتر فرقے تھے۔ عیسائیوں کے بہتر فرقے تھے اور میری اُمت کے تہتر فرقے ہوں گے۔ ((كُلُّهُمْ فِي النَّارِ)) ''سارے جہنمی ہیں۔'' ((إِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً)) ''سوائے ایک کے۔'' تہتر میں سے بہتر جہنمی ہیں صرف ایک جنتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: ((مَنْ هِيَ يَارَسُولَ اللّٰهِ!)) ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون ہیں؟'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَا أَنَا عَلَيْهِ وَ أَصْحَابِي)) [1] ''کہ وہ لوگ ہیں جو اس چیز پر قائم ہوں جس پر

[1] جامع الترمذي، حديث: 2640 و 2641، وسنن أبی داود، حديث: 4596.

آج میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین قائم ہیں۔'' میں سمجھتا ہوں کہ یہ حدیث قاطع النزاع ہے۔ اگر پوری کائنات کے سامنے یہ ایک ہی حدیث ہوتی اور اس کو اخلاص سے لوگ سمجھ لیتے تو یہ ایک ہی حدیث تمام فرقوں کی نفی کر دیتی ہے اور منہج حق واضح کر دیتی ہے۔ حق وہ ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے پاس تھا۔ حق وہ ہے جس پر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین قائم تھے۔ اب آپ حنفی ہیں، شافعی ہیں، مالکی ہیں، حنبلی ہیں، یہ سارے ائمہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں تھے؟ نہیں، یہ بعد کی پیداوار ہیں۔ پھر ہم انھیں کیوں پکڑے بیٹھے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طائفہ منصورہ، جنت کی جماعت، ناجی گروہ، ناجی فرقہ وہ ہے جو اس چیز پر قائم ہو جائے جس پر آج میں ہوں اور میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) ہیں۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت وکردار ہمارے سامنے ایک کھلی کتاب کی مانند ہے۔ اس میں کوئی جھول نہیں۔ قرآن وحدیث واضح ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا منہج بھی واضح ہے۔ ان کا منہج قرآن وحدیث کے مطابق ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اصحابِ فِرَق آج صرف اس ایک حدیث پر غور کر لیں جو قرآن کی ان ساری آیتوں کی تفسیر ہے، سارے اختلافات، نزاعات، فرقے، سب ختم ہو جائیں گے اور جنت کا پروگرام نکھر کر ہمارے سامنے آجائے گا۔ منہج حق کیا ہے؟ طائفہ منصورہ کون ہے؟ کامیاب گروہ کون ہے؟ کامیاب جماعت کون ہے؟ فرمایا کہ وہ لوگ ہیں جو اس چیز پر قائم ہوں جس پر آج میں اور میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) ہیں۔ وہ چاہے مشرق کا باسی ہو، مغرب کا ہو، شمال کا ہو، جنوب کا ہو، عربی ہو، عجمی ہو، گورا ہو، کالا ہو، آجر ہو، اجیر ہو، حر ہو، عبد ہو، کوئی بھی ہو، اس چیز کو تھام لے جس کو آج میں نے اور میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) نے تھاما ہوا ہے، وہ کامیاب ہے۔ اب صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں کون سے فرقے تھے؟ کون سی درگاہیں تھیں؟ کون سی خرافات تھیں؟ کون سی بدعات

تھیں؟ یہ ماتم اور یہ سینہ کوبی اور یہ ساری بدعات وخرافات اس دور میں تھیں؟ تو یہ ایک حدیث قاطع النزاع ہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم کی رفعت، بلندیِ درجہ کہ ان کے ایمان کو مثالی ایمان قرار دیا۔اور رہتی دنیا تک ایک فارمولا، ایک کلیہ چھوڑ دیا گیا۔ جو اس چیز پر قائم ہے جس پر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین قائم تھے، وہ جنتی گروہ ہے باقی سارے جہنمی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا خوف کرو اور اس حدیث کو سامنے رکھو۔ اس حدیث کی روشنی میں اپنے عقیدے کا، کردار کا، منہج کا تعین کرو کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا کردار کیا تھا؟ ان کا عقیدہ کیا تھا؟ روش کیا تھی؟ ان کی سیرت کا ملخص اور نچوڑ کیا ہے؟ اسے سامنے رکھو۔ یہ کامیابی کا بڑا اقرب اور قوی ترین راستہ ہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی سیرتوں میں یہ سب سے اہم منہج نکتہ ہے، یعنی بالکل ویسے بن جائیں جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ اس لیے بعض سلف صالحین کے بارے میں کئی محدثین کا قول ہے کہ جب ہم ان کو دیکھتے ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیا۔کون لوگ ہیں یہ؟ یہ وہ لوگ ہیں جو منہج اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھتے ہیں اور ویسا بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی پوری زندگی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار رہے۔ جو ان پر جرح کرتا ہے، ان پر تنقید کرتا ہے وہ خود جرح کا مستحق ہے۔ ان روافض کے واصل جہنم ہونے کے لیے ایک ہی حدیث کافی ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سفر میں تھے۔ اذان ہوگئی اور جماعت قائم ہونے والی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوچا کہ اگر ہم وضو میں دیر لگائیں گے تو تکبیر تحریمہ ہم سے چھوٹ جائے گی۔ انھوں نے جلدی جلدی وضو کیا تاکہ تکبیر تحریمہ، تکبیر اولیٰ ہم سے چھوٹ نہ جائے۔ جلدی وضو کرکے پہنچ گئے۔ ان کا وضو مکمل تھا۔ لیکن بعض ایڑیوں میں کچھ خشک نشان نظر آرہا تھا۔ حدیث میں ہے خشکی کی چمک دکھائی دی۔ ایک کی، دوسرے کی، تیسرے کی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ)) ❶ ''جن کی ایڑیوں میں خشکی ہے ان کے لیے جہنم کی ویل ہے۔'' ویل جہنم کا طبقہ۔جس کا معنی یہ کہ ہمیں وضو بڑے احتیاط سے کرنا چاہیے کہ کوئی حصہ خشک نہ رہ جائے۔چاہے وہ ایک ناخن کے برابر ہی خشک نہ ہو۔اب ان صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے تو سہواً یہ خشکی رہ گئی۔انھوں نے جا کر ہاتھ گیلے کر کے اس خشکی کو ختم کر دیا اور ایڑیاں گیلی کر لیں۔وضو مکمل ہو گیا۔ لیکن یہ رافضی قوم جان بوجھ کے پاؤں نہیں دھوتی۔ان کا تو عقیدہ یہ ہے کہ پاؤں پر مسح کریں۔جب مسح کرو گے تو سارا پاؤں خشک رہ جائے گا۔ایڑیاں غلطی سے خشک رہنے والوں کے لیے وعید تھی کہ ان کے لیے جہنم کی ویل ہے اور جن کا پوری زندگی وضو مسح پر قائم ہو، انھوں نے کبھی پاؤں نہ دھویا، ان کے لیے پھر کیسی ویل ہوگی اور کیسی وعید ہوگی؟

نبی کریم ﷺ کا ایک اور فرمان ہے جو اسی فرمان سے مربوط ہے:((إِنَّ أُمَّتِي يَأْتُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُّحَجَّلِينَ مِنْ أَثَرِ الْوُضُوءِ)) ❷ ''میری اُمت قیامت کے دن آئے گی۔ان کو یہ شرف حاصل ہوگا کہ ان کے وضو کے اعضاء چمک رہے ہوں گے۔'' وضو میں پاؤں کو دھونا فرض ہے قرآن کہتا ہے۔اب جنھوں نے ساری زندگی پاؤں پر مسح کیا ہو، ان کے اعضاء کیا چمکیں گے؟ وہ تو اس خوشخبری سے محروم ہیں۔ان کے عقیدے کو چھوڑ دو، منہج کو چھوڑ دو، اس قوم کے واصل جہنم ہونے کے لیے یہ ایک ہی حدیث کافی ہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر تنقید کرنے والا اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر جرح کرنے والا درحقیقت دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کی وعیدوں کا مستحق ہے۔اس

---

❶ سنن أبي داود، حديث: 97، سنن ابن ماجه، حديث: 450.

❷ صحيح مسلم، حديث: 246، صحيح البخاري، حديث: 136.

لیے جس سینے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا بغض ہے وہ سینے قیامت تک پٹتے ہی رہیں گے۔ پیٹنے والے دوسرے نہیں خود اپنے ہاتھ ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے پیٹتے رہیں گے، ان کا قصور کیا ہے؟ قصور یہ ہے کہ ان سینوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا بغض ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عداوت ہے۔

ہاں صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی میں کچھ مشاجرات، کچھ تنازعات تھے۔ آپس میں جنگیں اور لڑائیاں ہوئیں، تنازعات کھڑے ہوئے، اس بارے میں اُمت کا موقف کیا ہونا چاہیے؟ منہج کیا کہتا ہے؟ ((اَلسُّكُوتُ فِيمَا تَشَاجَرَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ)) اس میں خاموشی اختیار کریں۔ اس میں الجھے دار بحثیں کرنے کی بجائے خاموشی اختیار کریں۔ ﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ﴾ (البقرۃ: 141) ''یہ گروہ گزر چکا۔ انھوں نے جو عمل کیے وہ ان کے لیے۔'' ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو بُرا نہیں کہہ سکتے۔ ان کے اختلافات کی ایک بنیاد تھی اور وہ ان کا اپنا اجتہاد تھا۔ ایک موقف درست سمجھا اس پر ڈٹ گئے، پھر اس موقف کی خاطر لڑائی اور قتال بھی ہوا۔ یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا۔ اس اجتہاد کے تعلق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَ إِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ)) [1] ''کوئی اجتہاد کرنے والا اجتہاد کرے اور درست کر جائے اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر وہ اجتہاد کرنے میں غلطی کر جائے اس کے لیے ایک اجر ہے۔'' تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو تنازعات اور بعض خصومات ہوئے وہ ان کے اجتہادی مسائل تھے۔ اس میں غلطی بھی ہو سکتی ہے اور درستی بھی ہو سکتی ہے۔ جو اجتہاد درست کر گئے ان کے لیے دو اجر ہیں اور جو اجتہاد غلط کر گئے ان کے لیے ایک اجر ہے۔ اور

[1] صحیح البخاری، حدیث: 7352 و صحیح مسلم، حدیث: 1716.

بدعت کوئی نہیں کیوں کہ سارے معاملات ان کے اجتہاد پر قائم ہیں۔ان تنازعات کے بارے میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مابین قائم ہوئے، اُمت کا یہ موقف ہونا چاہیے۔ قرآن حکیم نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی تین قسمیں بیان کیں۔اور تینوں قسموں کے بارے میں حکم لگایا۔اب صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین تین قسم کے ہیں۔فرمایا کہ:

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ﴾ (الحشر : 8)

کہ فقراء مہاجرین، ہجرت کرنے والے، اللہ تعالیٰ اس بات کا اعتراف کر رہا ہے کہ انھوں نے دین اور ایمان کی خاطر اپنے گھر بار اور اپنے مال چھوڑ دیے بلکہ بعض نے اپنے خونی رشتے توڑ دیے۔ بیوی مسلمان ہے شوہر مسلمان نہیں ہے، بیوی شوہر کو چھوڑ کر آ گئی۔ بھائی مسلمان ہے دوسرا کافر ہے، بھائی بھائی کو چھوڑ کر آ گیا۔ بیٹا باپ کو چھوڑ کر آ گیا، باپ بیٹے کو چھوڑ کر آ گیا۔اسلام کی خاطر اپنے رشتے توڑ دیے۔اپنے مال چھوڑ دیے۔ اپنے گھر بار چھوڑ دیے۔قوم برادری چھوڑ دی، اللہ تعالیٰ اعتراف کر رہا ہے۔فرمایا کہ ﴿ وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ﴾ ''پھر وہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار ہیں۔دین اور اللہ تعالیٰ کی وحی کے مددگار تھے۔'' قرآن وحدیث کے مددگار تھے اور ان کی شان بیان کی۔

﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴾ (الحشر : 8)

''یہ لوگ سچے ہیں۔ان کی صداقت کا اللہ تعالیٰ نے اقرار کیا۔''

ان کی صداقت کا اعتراف کیا کہ یہ لوگ سچے ہیں۔ یہ گواہی قیامت تک کے لیے محفوظ ہے۔ یہ ہیں مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ۔

دوسرے لوگ کون ہیں؟ انصار۔﴿ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾

(الحشر : 9) دوسری جماعت وہ ہے ان مہاجرین کے مدینہ آنے سے پہلے ایمان اور دار،یعنی مدینہ میں جگہ پکڑ چکے تھے۔ ایمان قبول کر چکے تھے اور مدینہ میں جگہ پکڑ چکے تھے۔ مدینہ اپنا وطن بنا چکے تھے۔ اس گھر کی سکونت اختیار کرنا اپنے لیے عزت اور افتخار کا باعث بنا چکے تھے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ کے لیے کوشش کر رہے تھے کہ ہجرت کر کے مدینے آ جائیں۔ ان کے آنے سے پہلے ایمان کو اپنے دلوں میں جگہ دے چکے تھے۔ یہ قرآن کہتا ہے۔ اور یہ آنے والوں سے محبت کرتے تھے۔ ان مہاجرین پر انھوں نے ایثار کیا اور پوری زندگی انھیں اپنے اوپر ترجیح دی۔ ان کو کھلایا، پلایا، تجارتوں میں شریک کیا حتیٰ کہ اگر کسی کی دو بیویاں ہیں تو اپنے مہاجر بھائی کی خاطر ایک بیوی کو طلاق دینے پر تیار ہو گیا کہ اس سے نکاح کر لے۔ ایثار کی عجیب مثالیں۔ پوری زندگی قربانیاں دیں۔ خالی صفحہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر علیہ السلام کو دے دیا۔ آپ مدینے آ جائیں۔ شرطیں جو چاہیں تحریر کریں۔ لیکن آپ مدینے آ جائیں۔ پھر پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ کا دفاع کیا۔ اللہ کے پیغمبر ﷺ کی حفاظت کی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جانیں قربان کر دیں۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سب سے زیادہ قربانیاں انصار صحابہ رضی اللہ عنہم نے پیش کیں۔ جنگ اُحد میں ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے، اکثر انصاری تھے ایک دو کے علاوہ۔ اور پھر بئر معونہ کے موقع پر ستر قراء صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے، وہ سب انصاری تھے۔ جنگ یمامہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں ستر صحابی رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ سب کے سب انصاری تھے۔ اپنے اوپر ترجیح دی۔ مہاجرین سے محبت کی۔ ان کی مدد کی، ان کو کھلایا اور پلایا۔ یہ انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت کا اعجاز ہے۔ اور پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ سے جب بھی طلب کیا دین طلب کیا۔ دنیا کبھی طلب نہیں کی۔ صرف

ایک موقع آیا۔ انصار کی ایک جماعت دنیا کی طلب کے لیے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ کے پاس گئی۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے چہروں کو دیکھا، ان کے چہروں پر حاجت پڑھ لی کہ یہ آج کچھ مانگنے آئے ہیں۔ بڑا خوش ہوئے فرمایا کہ جو سوال کرو گے پورا ہوگا۔ جو حاجت پیش کرو گے عطا ہوگی۔ جب انصار نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے اتنی بڑی گارنٹی سنی تو دنیا کا موضوع بھول گئے۔ وہ موضوع کیا تھا کہ اللہ کے نبی ﷺ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مدینے شہر سے پانی کے چشمے جاری کر دے، پانی دور ہے، پانی لانے میں ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ مدینے شہر سے پانی کے چشمے جاری ہوجائیں تاکہ ہمارے باغ قریب سے سیراب ہوجائیں۔ یہ سوال کرنے آئے تھے۔ لیکن نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان سے اتنی بڑی گارنٹی سنی تو دنیا کا یہ معاملہ بھول گئے اور کیا سوال کیا؟ یا رسول اللہ ﷺ! ہماری ایک ہی حاجت ہے، ایک ہی طلب ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ دعا کردیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف کر دے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے دعا کر دی:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَلِأَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ وَأَبْنَاءِ أَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ))

''یا اللہ! انصار کو معاف کر دے، انصار کے بیٹوں کو معاف کر دے، انصار کے پوتوں کو معاف کر دے۔''

انصار نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے غلاموں کے لیے بھی دعا کر دیں۔ فرمایا کہ

((وَلِمَوَالِي الْأَنْصَارِ)) ❶

''یا اللہ! انصار کے غلاموں کو بھی معاف کر دے۔''

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

---

❶ صحيح مسلم، حديث: 2506.

((آيَةُ الْإِيمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ)) [1]

''انصار کی محبت ایمان کی نشانی ہے۔''

اسی لیے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی گھڑی آ گئی، انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم مسجد میں جمع ہو گئے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر آنے والوں سے پوچھتے کہ پیغمبر علیہ السلام کا کیا حال ہے؟ اور انصار صحابہ رضی اللہ عنہم مسجد میں جمع ہو کر رو رہے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع دی گئی کہ انصار صحابہ رضی اللہ عنہم سے مسجد بھری ہوئی ہے۔ اور سب کے سب پریشانی میں رو رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی نقاہت تھی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرما کر صحابہ کو حکم دیا کہ مجھے سہارا دے کر مسجد میں پہنچا دو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک دفعہ پوچھا: آج کیا دن ہے؟ لوگوں نے کہا: جمعرات۔ رو پڑے، کہا: کیوں روتے ہو؟ کہا کہ ((وَمَا يَوْمُ الْخَمِيسِ؟)) تمھیں کیا معلوم جمعرات کیا ہے؟ ((اِشْتَدَّ بِرَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَجَعُهُ)) ''آج کے دن اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض سخت ہو گیا۔'' وہ آخری بار جب ہم نے اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر چڑھتے ہوئے دیکھا۔ سرخ پٹی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر لپٹی ہوئی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر آ کر بیٹھ گئے۔ آ کر چند جملے ارشاد فرمائے، خطبہ دیا، فرمایا کہ ((أُوصِيكُمْ بِالْأَنْصَارِ فَإِنَّهُمْ كَرِشِي وَعَيْبَتِي)) ''میں تمھیں وصیت کرنے آیا ہوں کہ انصار کا خیال رکھنا، اچھے سلوک سے پیش آنا۔'' یہ دنیا میں میرے بڑے باوفا اور راز دار ساتھی تھے۔ میرے دل کے ساتھی تھے۔ بڑے باوفا ساتھی تھے۔ ((قَدْ قَضَوُا الَّذِي عَلَيْهِمْ وَ بَقِيَ الَّذِي لَهُمْ)) [2] جو ان کے فرائض تھے انھوں نے خوب ادا کر دیے، ان کے حقوق

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 17.

[2] صحيح البخاري، حديث: 3799.

باقی رہ گئے ہیں، وہ تم ادا کرو۔ ان کی حق تلفی نہ کرنا، اپنے فرائض سارے ادا کر دیے، اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کر دی، صحابہ رضی اللہ عنہم پر ایثار کر دیا، پوری زندگی قربانیاں دیتے گئے، فرائض ادا ہو گئے، حقوق تم ادا کرنا۔ یہ انصار کی جماعت بڑی رازدان جماعت ہے، یہ میرے دل کی ساتھی ہے۔ اسی لیے ایک موقع پر جب ایک انصاری نے سبقت لسانی میں اور تیزی میں آکر کہہ دیا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حنین کا مال غنیمت اپنی قوم کو دے دیا، ہمیں چھوڑ دیا۔ ہماری تلواروں میں آگے تک حنین کے کفار کا خون لگا ہوا ہے۔ جہاد ہم نے کیا، ان کو قتل ہم نے کیا اور مال غنیمت ہم نے اکٹھا کیا، مال غنیمت اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو دے دیا۔ مکہ کے نومسلموں کو دے دیا۔ یہ ایک نوجوان کی زبان سے بڑا پریشان کن جملہ نکلا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بڑا افسوس ہوا۔ ایک قبے میں انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کرلیا۔ اور جمع کر کے فرمایا کہ یہ تم نے کیا بات کہہ دی؟ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے نہیں کہی۔ یہ ایک نوجوان کی بات ہے۔ یہ پورے انصار کی بات نہیں ہے۔ یہ اس کی ذاتی بات ہے جو سبقتِ زبان میں ادا ہوگئی۔ اور وہ پشیمان ہے، نادم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَلَـمْ أَجِدْ كُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُـمُ الـلّٰـهُ بِي)) میرے سوال کا جواب دو کہ جب میں تمھارے پاس آیا، کیا تم گمراہ نہیں تھے؟ تمھیں اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے ہدایت دی۔ ((وَكُـنْتُـمْ عَـالَةً فَـأَغْنَاكُمُ اللّٰهُ بِي)) تم فقیر تھے، تمھیں اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے غنی اور مال دار کر دیا۔ جنگیں ہوئیں، فتوحات ہوئیں، غنیمت کے مال آئے، تقسیم ہوئے اور تم مالا مال ہو گئے۔ انصار افسوس بھی کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ کہہ رہے ہیں: ((اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمَـنُّ)) ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے احسانات ہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، تم ایک بات کہہ سکتے ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو ہمارے پاس آئے

تھے دھتکارے ہوئے، آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ کو نکال دیا، ہم نے آپ ﷺ کو جگہ دی، ہم نے آپ ﷺ کی عزت کی، ہم نے آپ ﷺ کو کھلایا اور پلایا۔ تم یہ کہہ سکتے ہو، لیکن اے انصار! میں تم سے ایک بات کہنے والا ہوں جو تم سے چھپائے رکھی۔ بات یہ ہے کہ ((أَلَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاةِ وَالْبَعِيرِ وَتَذْهَبُونَ بِالنَّبِيِّ ﷺ إِلَى رِحَالِكُمْ)) ''تمھیں یہ بات خوش نہ کرے گی کہ یہ لوگ اپنے گھروں میں جائیں، بکریاں لے کر، اونٹ لے کر، گائے لے کر، چاندی اور سونا لے کر اور تم لوگ اپنے گھروں میں جاؤ اللہ کے پیغمبر ﷺ کو لے کر؟'' ((لَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَّشِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الْأَنْصَارِ وَشِعْبَهَا)) ''اگر لوگ ایک راہ پر چلیں اور انصار دوسری راہ پر چلیں تو میں سب کو چھوڑ کر انصار کے پیچھے جاؤں گا اور انصار کی راہ پر چلوں گا۔'' فرمایا کہ ((اَلْأَنْصَارُ شِعَارٌ وَّالنَّاسُ دِثَارٌ)) ''باقی لوگ میرے اوپر کے کپڑے کی مانند ہیں اور انصار میرے لیے اندر کے کپڑے کی مانند ہیں جو بدن کے ساتھ چپٹا ہو۔''[1] یہ انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایمان ہے۔ یہ ان کا عقیدہ، ان کا منہج، ان کا ایثار ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے تمام جماعتوں کی تعریف کی۔ مہاجرین بھی آگئے۔ انصار بھی آگئے اور کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم وہ تھے جو بعد میں آئے۔ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ (الحشر: 10) جو لوگ بعد میں آئے، وہ کیا کہتے ہیں: اے اللہ! ہمارے ان بھائیوں کو معاف کر دے جو ہم سے ایمان میں سبقت لے گئے، یعنی ایمان دار یہ بھی ہیں لیکن وہ لوگ ایمان میں سبقت لے گئے۔ ان کو بھی معاف کر دے۔ تو یہ تینوں جماعتیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی۔ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم یا انصار یا مہاجرین ہیں یا

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 4330، صحيح مسلم، حديث: 1061.

بعد میں آنے والے۔ اللہ تعالیٰ نے تینوں کا ذکر کیا۔ ایمان کے ساتھ ذکر کیا۔ ان کے لیے گواہیاں دیں صداقت کی اور کامیابی کی۔ جو ان پر تبرا کرے گا۔ سب وشتم کرے گا درحقیقت وہ خود جرح کے قابل ہے۔

یہ کچھ منہجی نکتے تھے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرتوں کے بارے میں مَیں نے عرض کردیے اور سب سے بڑی بات یہ واضح ہوتی ہے کہ آج بحمد اللہ منہج حق اور مسلک حق جماعت اہل حدیث کے پاس ہے کیوں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے منہج کے پیروکار صرف اہل حدیث ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہ کسی امام کی پیروی کی، نہ کسی کی تقلید کی۔ نہ کوئی درگاہ تھی، نہ کوئی خانقاہ۔ ایک اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت تھی جن کی اطاعت کرتے تھے۔ ایک ہاتھ میں قرآن اور ایک ہاتھ میں اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث۔ بحمد اللہ اس منہج کے ہم پیروکار ہیں، اس منہج کے ہم حاملین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کا تسلسل آج جماعت اہل حدیث ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو قائم ودوائم رکھے۔ اس دعوت کو قائم و دائم تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں منہج صافی، عقیدۂ صافیہ اور جنت کا راستہ اپنانے کی توفیق عطا فرما دے۔ وہ ذاتی غلطیاں جو ہم میں پائی جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے رجوع کرنے اور توبہ تائب ہونے کی توفیق عطا فرما دے۔

اللہ عزوجل اپنے خاص لطف و کرم سے اس کتاب کو اپنی بارگاہ عالی میں شرفِ قبولیت سے نوازے اور مادیت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کے لیے مثل روشندان کے بنادے کہ جس سے ان نجومِ ہدایت کی ضیاء پاشیاں بے دینی اور راہِ گم کردہ اُمت مسلمہ کی ظلمتوں کو نورِ ایمان اور جلائے اذہان کا توشہ فراہم کرے۔ اور بطور خاص اللہ تعالیٰ ادارہ انصار السنہ پبلی کیشنز کے ذمہ داران خصوصاً بھائی ابوحمزہ عبدالخالق صدیقی حفظہ اللہ کو جزائے خیر دے جنھوں نے اپنی خاص توجہ ومحنت سے اس کتاب کو قارئین تک پہنچانے

کی کوشش کی۔ جو حضرات اس کتاب سے استفادہ کریں راقم اثیم، مصنّفین اور ادارہ انصار السنہ پبلی کیشنز کے جملہ معاونین کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔

أَقُولُ قَوْلِی هٰذَا، وَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِی وَلَكُمْ، وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ.

عبداللہ ناصر رحمانی

سرپرست: ادارہ انصار السنہ پبلیکیشنز لاہور

1-2-2021م

مقدمہ

إنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا ، وَمِنْ سَيِّاٰتِ أعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلاَ هَادِىَ لَهٗ ، وَ أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ .

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۰۲ ﴾ (آل عمران : 102)

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝۱ ﴾ (النساء : 1)

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝۷۰ۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝۷۱ ﴾ (الاحزاب : 70، 71)

أَمَّا بَعْدُ : فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ ، وَخَيْرَ الْهَدْىِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) ، وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ، وَّكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ، أَلضَّلَالَةُ فِي النَّارِ .

یہ کتاب جو چھپ کر ہدیۂ قارئین ہوئی ہے ''شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم بزبانِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ''

کے نام سے موسوم ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ نفوسِ قدسیہ ہیں کہ جنہوں نے حالت اسلام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت و دیدار سے اپنی پیاس بجھائی اور خوب سیر ہوئے۔ اس بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ بشارت دی کہ:

((لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَآنِيْ .)) ❶

''آتش جہنم اس مسلمان کو نہیں چھو سکتی جس نے مجھے دیکھا ہو۔''

اس حدیث پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین قطعی جنتی ہیں۔ دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ایسے بلند درجہ پر ہیں کہ ان کو ایک مجلس میں واضح الفاظ میں جنتی کہا گیا ہے:

((أَبُو بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ ، وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ ، وَعُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ ، وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ ، وَطَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ ، وَسَعْدٌ فِي الْجَنَّةِ ، وَسَعِيْدٌ فِي الْجَنَّةِ ، وَأَبُو عُبَيْدَةُ بْنَ الْجَرَّاحِفِي الْجَنَّةِ .)) ❷

''ابو بکر جنتی ہے، عمر جنتی ہے، عثمان جنتی ہے، علی جنتی ہے، طلحہ جنتی ہے، عبدالرحمٰن بن عوف جنتی ہے، سعد جنتی ہے، سعید جنتی ہے اور ابو عبیدہ بن الجراح جنتی ہے۔''

یقیناً ایک مسلمان کو اگر چند لمحات کی صحبت نبوی بھی نصیب ہو جائے تو یہ اتنا بڑا شرف ہے کہ جو قطعی جنتی ہونے کی ضمانت ہے۔ آیئے ذرا قرآنِ حکیم پر بھی ایک نظر

---

❶ سنن ترمذی ، ابواب المناقب، رقم: 3858، مشکاۃ ، رقم: 6013، کنز العمال، رقم: 32480.

❷ صحیح سنن ترمذی ، ابواب المناقب، رقم: 3747 ، المشکاۃ ، رقم: 6110، 6111، تخریج الطحاویة للألبانی ، رقم: 728.

ڈالیں کہ وہ اس بارے میں کیا فیصلہ دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ﴾

(الحجرات:7)

’’اورتم جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول موجود ہیں، اگر وہ بہت سے اُمور میں تمہاری بات مان لیں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ، لیکن اللہ نے تمہارے لیے ایمان کو محبوب بنا دیا ہے، اور تمہارے دلوں میں اس کی زینت وخوبی بٹھا دی ہے، اور تمہارے لیے کفر اور نافرمانی اور گناہ کو قابل صد نفرت بنا دیا ہے، یہی لوگ راہِ راست پر گامزن ہیں۔‘‘

اس آیت کریمہ کے مخاطب لوگ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں، جیسا کہ ابتدائی الفاظ سے صاف واضح ہے، اور وہ الفاظ ہیں: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ ’’اورتم جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول موجود ہیں۔‘‘

تمام سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا کہ:

1. تم پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا کہ تمہارے دلوں میں ایمان کو راسخ کر دیا ہے۔
2. اور اس میں کفر باللہ، کذب بیانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی نفرت بٹھا دی ہے، جس کی برکت سے تم بہت سی مشقتوں سے نجات پا جاتے ہو۔
3. درحقیقت یہی لوگ راہِ حق پر چلنے والے، اور اس پر شدت کے ساتھ قائم رہنے والے ہیں۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس کے دل میں، ایمان کی محبت اور کفر باللہ، کذب بیانی اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی نفرت خود اللہ تعالیٰ بٹھا دے، کیا اس کے اندر کسی کفر اور ارتداد یا نفاق کا کوئی شائبہ پیدا ہونا ممکن ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں!

رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہم نشینی ایسی معمولی بات نہیں جسے آسانی سے نظر انداز کر دیا جائے۔ تاثیر ہم نشینی کا بخوبی اندازہ سیّدنا ابوفراس ربیعہ بن کعب الاسلمی رضی اللہ عنہ کی طلب گاری سے لگایا جا سکتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ''میں رات رسول اللہ ﷺ کے لیے وضو کا پانی رکھا کرتا، اور راتوں کو بیدار رہتا، کہیں آپ کو کوئی کام نہ پڑ جائے، آپ کا انتظار کرتا رہتا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اُٹھے، وضو کیا اور مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ((سَلْ)) ''یعنی مجھ سے آج کے دن جو مانگنا چاہتے ہو مانگ لو۔''

سیّدنا ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ انتہائی غریب آدمی تھے، وہ جانتے تھے کہ آج جو مانگوں گا مل جائے گا۔ زمین کا سوال کرتے، مل جاتی۔ یاد رہے کہ وہ زمینیں جو رسول ہاشمی ﷺ نے لوگوں کو الاٹ کی تھیں، اتنی زیادہ تھیں کہ ساری زندگی لوگ آباد کرتے رہے لیکن وہ مکمل آباد نہ ہو سکیں، جاگیر طلب کرتے، عطا ہو جاتی، اونٹ مانگتے عنایت ہو جاتے، لیکن انہیں علم تھا کہ اس مال و دولت کی اللہ کے ہاں قدر و قیمت کیا ہے؟ لہٰذا موقع غنیمت جان کر عرض کیا:

((أَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ.))

''کہ میں تو جنت میں آپ کا ساتھ چاہتا ہوں۔''

اللہ کے نبی ﷺ نے تعجب سے سیّدنا ربیعہ رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ فرمائی، اور ان سے فرمایا: ((أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ؟)) ''اس کے علاوہ کچھ اور نہیں مانگتا؟''

سیّدنا ابوفراس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ((هُـوَ ذَاكَ يَـا رَسُوْلَ اللّٰهِ!)) ''اے اللہ کے رسول! میری پہلی اور آخری خواہش یہی ہے، اور کسی چیز کی طلب ہی نہیں ہے۔''

غریب ترین ہوتے ہوئے بھی اگر کچھ مانگا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنت میں ہم نشینی مانگی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوفراس! اگر جنت میں میرا ساتھ چاہتے ہو تو ایک کام کرنا ہوگا:

((فَأَعِنِّيْ عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ .)) [1]

''زیادہ سے زیادہ اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو کر اپنے آپ کو اس قابل بنا کر کہ مجھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جنت میں بھی رفاقت مل جائے۔''

اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا ہے کہ وہ ہمیں بھی جنت میں اپنا دیدار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور ہم نشینی نصیب فرمائے۔ آمین

یہاں ایک لطیف نقطہ ہے، جس کی طرف توجہ چلی گئی، پس اس کا بیان کرنا ضروری ہے، بلکہ انتہائی ضروری ہے کہ اس کے بغیر بیان کیے طبیعت بے قرار رہے گی، اور چین و سکون نہیں آ سکتا، بلکہ اس کو بیان کیے بغیر ایمانی حلاوت محسوس نہیں ہو سکتی ہے، وہ یہ کہ لوگ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفاقت اور ہم نشینی کے طلب گار ہیں، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود اپنے آخر الزمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ (الكهف :28)

''اے نبی! اپنے آپ کو ہمیشہ ان (صحابہ) کے ساتھ رکھیے، جو صبح و شام

[1] صحيح مسلم ، كتاب الصلاة ، رقم: 1094 .

اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں، اس کی رضا جوئی کے خواست گار رہتے ہیں۔"

حضرات! رسول مکرم ﷺ کی ہم نشینی اور رفاقت کوئی ایسی معمولی بات نہیں جسے آسانی سے نظر انداز کر دیا جائے۔ شیخ سعدی نے تاثیر رفاقت و معیت اور صحبت و ہم نشینی کو بڑے خوب انداز میں بیان کیا ہے:

گل خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دست محبوب بہ دستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دل آویز تو مستم
بگفتا من گل نا چیز بودم
ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہم نشیں درمن اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

"ایک دن ایک خوشبودار مٹی ایک دوست کے ہاتھ سے میرے ہاتھ میں آئی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو مشک ہے یا عنبر، میں تیری دل آویز خوشبو سے مست ہوا جاتا ہوں۔ مٹی نے کہا میں تھی تو نا چیز مٹی، لیکن ایک عرصے تک پھولوں کے ساتھ رہ کر بس گئی ہوں۔ اس ہم نشینی اور رفاقت نے مجھ پر یہ اثر کر دیا ورنہ میں تو وہی معمولی مٹی ہوں جو ہوں۔"

سوچنے کی بات ہے کہ مٹی کو خوشبو دار پھول کی صحبت نصیب ہو تو وہ خود بھی خوشبودار ہو جاتی ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان، اشرف المخلوقات دولت ایمان

سے سرشار ہو صحبت رسول کریم ﷺ میں رہے اور پھر کوئی اثر قبول نہ کرے؟

رسول اللہ ﷺ کی نظر کیمیا اثر محض پارس نہ تھی کہ جسے چھو دے وہ سونا بن جائے، بلکہ وہ ایسا پارس ہے کہ جو اس سے چھو گیا وہ خود پارس بن گیا۔ لہٰذا جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا وہ جنتی ہو گیا۔ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب جنتی ہیں۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کے بارے میں ذرا برابر بھی شک ہو تو سارا اسلام ہی مشتبہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لیے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت و نبوت کے یہی اوّلین گواہ ہیں۔

الغرض ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کیا کہنے کہ جن کو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر کیمیا اور فیض رفاقت وصحبت نے پارس بنا دیا تھا، اور جن کے متعلق خود اللہ رب العزت گواہی دیتا ہے کہ ایمانی محبت سے ان کے دل معمور تھے، اور جن کے دل ہر کفر و فسق اور معصیت سے متنفر تھے۔

ان کی عظمت اور پاک بازی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے جو ہر روز جمالِ رسول ﷺ سے اپنی آنکھوں کو رشک فردوس بناتے رہے، اور پھر ان کی مرتبت کا کیا ٹھکانہ ہے جو آغازِ نبوت سے لے کر اپنی یا خود رسول اللہ ﷺ کی آخری سانس تک ساتھ رہے۔ فیض ہم نشینی سے سرشار ہوتے رہے۔ ایک ایک حکم بجالاتے رہے۔ کبھی سر بکف ہوئے تو کبھی زر بکف۔ کبھی وطن کو ترک کیا تو کبھی املاک و خاندان سے رخ موڑا۔ کبھی ان کے لیے ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ (آل عمران: 110) کی سند نازل ہوئی تو کبھی پروانہ ایمان و رضوان سے ونوازے گئے۔ کوئی مہاجر تھا تو کوئی انصار۔

﴿ وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ

بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ ﴾ (التوبة : 100)

''اور مہاجرین اور انصار میں سے (قبول اسلام میں) سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنھوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے، اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنت کے مشتاق ہوں گے اس سے کہیں زیادہ جنت خود ان کی مشتاق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

((اِنَّ الْـجَـنَّةَ تَشْتَـاقُ إِلـىٰ أَرْبَـعَةٍ ، عَلِيٍّ و عَمَّارٍ وَسَلْمَانَ وَالْمِقْدَادِ .)) ❶

''یقیناً جنت چار اشخاص، چار لوگوں کی بڑی شدت سے مشتاق ہے: علی، عمار، سلمان فارسی اور مقدار رضی اللہ عنہم اجمعین کی۔''

خاتم الانبیاء والرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن تمام انبیاء سے زیادہ کامیاب رہا، یہی وجہ ہے کہ کم و بیش سوا لاکھ اہل ایمان و اسلام نفوسِ قدسیہ نے حجۃ الوداع کے موقع پر حاضری دی۔ ہم نے ان عظیم المرتبت ہستیوں کی سیرتِ طیبہ کو قلم بند کرنے کی سعی کی ہے۔ اور اس میں خلفاء راشدین، عشرہ مبشرہ، چند دیگر صحابہ، اہل بیت عظام، امہات المؤمنین،

❶ معجم كبير طبراني : 264/6، حلية الأولياء: 142/1، مجمع الزوائد: 117/9، 307، جامع المسانيد والسنن لابن كثير: 70/2.

بنات الرسول، صحابیات طیبات اور اصحابِ صفّہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا تذکرہ کیا ہے۔ دکھوں کا مداوا کرنے کے لیے اور اپنے گلشن حیات کو معطر کرنے کے لیے ان برگزیدہ ہستیوں کی زندگی کا مطالعہ کریں، اور اپنی زندگیوں کو ان کی سیرت کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔ اللہ کرے کہ یہ کتاب لوگوں کے راہِ راست پر چلنے کا ذریعہ وسبب بن جائے اور ہماری بھی دنیا وآخرت سنور کر رہ جائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ .

محدث العصر، فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ کی سر پرستی ہمارے لیے بڑی سعادت کی بات ہے۔ اس گئے گزرے دور میں شیخ کا منہج اور طریق، منہج سلف کے عین مطابق ہے۔

پس ہم نے ان کی سر پرستی میں کام کرنے کا عہد کر رکھا ہے۔ اور یہ ان کی شفقت ہے کہ انہوں نے ہماری درخواست کو قبول کر رکھا ہے۔ كَثَّرَ اللّٰهُ أَمْثَالَهُ فِي الْعُلَمَاءِ الْمُسْلِمِيْن .

اللہ تعالیٰ جناب محمد شاہد انصاری حفظہ اللہ کی دنیا و آخرت بہتر فرمائے کہ ان کا تعاون ہمہ وقت ہمارے ساتھ ہے۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى .

اللہ تعالیٰ بھلا کرے انکل ابو مومن منصور احمد حفظہ اللہ کا جو ادارہ انصار السنہ کی تالیفات کی طباعت و اشاعت کا بیڑا اُٹھائے ہوئے ہیں، کتاب کی انتہائی خوبصورت کمپوزنگ جناب ابوحفص محمد حسن خان کے حصے میں آئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی دنیا و آخرت بہتر فرمائے۔

اُمید ہے کہ یہ کتاب معاشرہ میں رہنے والے خواتین وحضرات کی تعلیم و تربیت کے لیے مفید ثابت ہوگی، اور دعا ہے کہ اللہ رب العالمین اپنی بارگاہ میں اس ادنیٰ سی

کاوش کو قبول فرمائے اور اپنے خاص فضل و کرم سے اس میدان میں مزید سعی کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى .

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمْ .

وکتبہ

ابوحمزہ عبدالخالق صدیقی

حافظ حامد محمود الخضری

18-2-2021م

باب 1

قرآن حکیم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت

صحابی کی تعریف:

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((مَنْ صَحِبَ النَّبِیَّ ﷺ اَوْ رَآہُ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ فَھُوَ مِنْ اَصْحَابِہٖ))❶

''جس مسلمان نے نبی ﷺ کی صحبت حاصل کی یا اسے آپ ﷺ کا دیدار نصیب ہوا وہ آپ ﷺ کا صحابی ہے۔''

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ امام احمد حنبل رحمہ اللہ کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

((من صحب النبی ﷺ سنةً او شهرًا او يومًا او ساعةً او راه مؤمنًا بهٖ فهو من اصحابه له من الصحبة على قدرما صحبه وهذا قول جماهير العلماء من الفقهاء واهل الكلام و غيرهم.))❷

''جس شخص کو بھی حالت ایمان میں نبی کریم ﷺ کی صحبت حاصل ہوئی

❶ صحيح البخاری، كتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب فضائل اصحاب النبی ﷺ، معلقاً.

❷ منهاج السنة لابن تيمية: 243/4.

خواہ وہ صحبت ایک سال ہو یا ایک مہینہ یا ایک دن یا ایک گھڑی، وہ اپنی اس صحبت کے لحاظ سے آپ ﷺ کا صحابی ہے۔ جمہور علماء، فقہاء اور متکلمین وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔''

حافظ ابن صلاح الشہرزوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ان كل مسلم رأى رسول اللّٰه ﷺ فهو من الصحابة .)) ❶

''جس مسلمان نے بھی رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والصحابى : من رأى رسول اللّٰه ﷺ فى حال اسلام الرائى وان لم تطل صحبتهٗ له وان لم يروعنه شيئا ، هذا قول جمهور العلماء خلفًا وسلفًا .)) ❷

''صحابی وہ ہے جس نے حالت اسلام میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو۔ اگرچہ اسے آپ ﷺ کی لمبی صحبت نہ بھی حاصل ہوئی ہو اور نہ ہی اس نے آپ ﷺ سے کسی چیز کو بیان کیا ہو۔ جمہور علماء خلف اور سلف کا یہی قول ہے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابی کی سب سے زیادہ صحیح تعریف جو میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے:

---

❶ معرفة انواع علوم الحديث ، ص : 394 .

❷ اختصار علوم الحديث بشرح الباعث الحثيث : 2/491-492 .

((ان الصحابی : من لقی النبی ﷺ مؤمنا به ، ومات علی الاسلام ، فیدخل فیمن لقیه من طالت مجالستهٗ له او قصرت ، ومن روی عنه اولم یرو ، ومن غزامعه اولم یغز ، ومن رآه رؤیة ولو لم یجالسه ومن لم یره لعارض کالعمٰی .))❶

''صحابی وہ ہے جس نے نبی کریم ﷺ پر ایمان لاتے ہوئے آپ ﷺ سے ملاقات کی ہو اور اسلام پر ہی اس کی وفات ہوئی ہو۔ اس تعریف میں وہ شخص بھی داخل ہے جس نے آپ ﷺ سے ملاقات کی اور صحبت اگرچہ کم ملی ہو یا زیادہ۔ اور وہ شخص جس نے آپ ﷺ سے کچھ بیان کیا یا نہ کیا اور وہ جس نے آپ ﷺ کے ساتھ غزوہ کیا یا نہ کیا (صرف بحالت اسلام آپ ﷺ کا دیدار ہی کیا) اور جس نے آپ ﷺ کوصرف ایک بار ہی دیکھا ہوا گرچہ اسے آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھنے کا شرف نہ بھی ملا ہو۔ اسی طرح صحابی کی تعریف میں وہ شخص بھی آتا ہے جو کسی عارضے کی وجہ سے آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکا ہو جیسے نابینا ہونا۔''

حضرت ائمہ کرام کی مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جسے بحالت اسلام رسول اللہ ﷺ سے شرفِ ملاقات حاصل ہوا اور پھر اسی اسلام ہی کی حالت میں اس کی وفات ہوئی ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حقیقی مومن ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گروہ وہ مقدس گروہ ہے، جو اپنی تمام اَوصافِ حمیدہ میں

❶ مقدمة الاصابة فی تمییز الصحابة ، الفصل الاول فی تعریف الصحابی : 7/1 .

امتیازی حیثیت رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کو کائنات کا سب سے افضل ترین گروہ قرار دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جس بھی وصف کو دیکھیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ کوئی دوسرا ان کا مقابل نہیں ہے۔ چنانچہ ان کا ایمان ویقین، تقویٰ و ورع، ایثار و ہمدردی، زہد و قناعت یہ سب بے مثال تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی گواہی اور تصدیق اپنے کلام مقدس میں اتاردی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ نِعْمَةً ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ (الحجرات: 7، 8)

''اور جان رکھو کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول ہیں اگر وہ اکثر کاموں میں تمہارا کہا مانیں تو تم ایذا میں پڑ جاؤ۔ لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت دی ہے، اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا ہے، اور تمہارے سامنے ناپسند کر دیا ہے، کفر اور گناہ کو، اور نافرمانی کو، اور یہی لوگ راہِ ہدایت پانے والے ہیں اللہ کے فضل اور نعمت سے۔ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور خوب حکمت والا ہے۔''

عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ ان آیات کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

''یعنی وہ لوگ، جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان مزین کر دیا، اور اسے اُن کا محبوب بنا دیا، اور اُن کو کفر، گناہ اور معصیت سے بیزار کر دیا، وہی لوگ راہِ ہدایت پر ہیں'' یعنی جن کے علوم واعمال درست ہو گئے اور وہ دین قویم اور صراط مستقیم پر کاربند ہو گئے۔'' (تفسیر السعدی تحت الآیۃ)

غور فرمائیں! اللہ عظیم و برتر نے بتایا کہ ہم نے ان کے دلوں کو ایمان سے مزیّن کر کے ان پر اپنا فضلِ عظیم فرمایا ہے۔ یہ فضل عظیم اس وجہ سے تھا کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گروہ حقیقی اور سچے مومن تھے، کیونکہ ایمان رب تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رکھا تھا۔

جس چیز کا ارادہ اللہ مہربان فرمالے وہ کام ہو کے رہا کرتا ہے، رب تعالیٰ نے ان کے لیے ایمان کو پسند فرمایا، اور اس سے ان کے دلوں کو مزین کیا ہے، تو یقیناً وہ پکے اور سچے مومن ہیں، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ (الحشر:8، 9)

”محتاج مہاجروں کے لیے جو خاص طور پر نکالے گئے اپنے گھروں سے اور محروم کیے گئے اپنے مالوں سے، اور اللہ کا فضل اور رضا چاہتے ہیں، اور وہ مدد کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی، اور یہی لوگ سچے ہیں۔ اور جن لوگوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ) اور ایمان میں ان سے پہلے قرار پکڑا، اور وہ ان سے محبت کرتے ہیں جنھوں نے ان کی طرف ہجرت کی۔ اور جو انہیں دیا گیا ہے اسے اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اور وہ اختیار کرتے ہیں اپنی جانوں پر خواہ انہیں تنگی ہو، جنھوں نے اپنی ذات کو بخل

سے بچایا تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

مذکورہ بالا آیت کریمہ زور زور سے پکار رہی ہے کہ صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم سچے مومن تھے، ان کے ایمان کا مقصد بس اللہ تعالیٰ کی رضا تھا، اب ان لوگوں کو اپنے نظریہ اور عقیدہ پر ماتم کرنا چاہیے اور اس نظریہ سے بچ جانا چاہیے کہ جو کہتے ہیں کہ صحابہ دنیا کے لیے مومن ہوئے تھے، اگر ان کی یہ بات مان لی جائے تو یقیناً قرآن کو جھٹلانا پڑے گا۔ جو کہ ممکن نہیں، لہٰذا ان کا جھوٹا ہونا حق ہے، جبکہ قرآن کا سچا ہونا حق۔ اور صحابہ کا پکا اور سچا مومن ہونا حق ہے۔ جیسا کہ قرآن نے واضح کیا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝﴾

(الانفال: 74)

''اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے انہیں پناہ دی اور اُن کی مدد کی، وہی لوگ حقیقی مومن ہیں، اُن کے لیے اللہ کی مغفرت اور باعزت روزی ہے۔''

ڈاکٹر محمد لقمان سلفی اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

''قسم اول کے مسلمانوں کا دوبارہ ذکر ہو رہا ہے، تاکہ اللہ کے نزدیک ان کا جو مقام و مرتبہ ہے بیان کیا جائے اور اللہ کی طرف سے اُنہیں جو اجر عظیم ملے گا اس کی انہیں خوشخبری دی جائے۔ مہاجرین و انصار کی اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے علاوہ قرآن کریم کی کئی آیتوں میں تعریف کی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا بڑا مقام ہے۔'' [1]

[1] تیسیر الرحمن، 544/1.

معلوم ہوا کہ یہ آیت بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان پر قطعی نص ہے۔

اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتا ہے:

قارئین محترم! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پکے سچے مومن ہیں، جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ان کے ایمان کی گواہی دی اور یہ کہ انہوں نے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا۔ دین کی آبیاری کرنے کے لیے ہر قسم کی قربانی دی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے خاص محبت کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴾ (التوبہ : 108)

''آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہونا، بے شک وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے زیادہ لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں، اور اس میں ایسے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ وہ پاک رہیں، اور اللہ محبوب رکھتا ہے پاک رہنے والوں کو۔''

عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

''ایسے لوگ ہیں جو اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ وہ پاک رہیں، یعنی گناہوں سے اور میل کچیل، نجاستوں اور ناپاکی سے پاک صاف رہنا پسند کرتے ہیں، اور یہ بات معلوم ہے کہ جو کوئی کسی چیز کو پسند کرتا ہے، وہ اس کے حصول کی سعی اور جدوجہد کرتا ہے، اس لیے یہ لابدّ ہے کہ اہل قبا گناہ، میل کچیل اور حدث سے پاک رہنے کے بہت حریص تھے، اس لیے وہ ان لوگوں میں سے تھے، جنہوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی، جو نماز

قائم کرنے والے، رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جہاد کی حفاظت کرنے والے، اقامت دین کی کوشش کرنے والے اور اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت سے بچنے والے تھے اور اللہ پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''
(تفسیر سعدی)

غور فرمایئے ! اس آیت مبارکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ کی محبت کی ضمانت فراہم کردی گئی ہے۔ جو کہ ان کے پکے اور سچے مومن ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ اللہ منافقوں اور صحابہ کو گالی دینے والوں سے قطعاً محبت نہیں کرتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اُن پر غضبناک ہوتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بخش دیا گیا ہے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان اور تقویٰ ، ایثار، ہمدردی کا صلہ ان کو دیتے ہوئے مالک و مہربان نے ان کی لغزشوں کو بھی معاف فرمادیا ہے، اور ان کے لیے اپنی رضامندی اور خوشنودی کو واجب کردیا جو کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾ (التوبة : 100)

''اور سب سے پہلے ایمان اور اسلام میں سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار میں سے، اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوگئے اور اس میں ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے،

یہ بڑی کامیابی ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ ۙ وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ ﴾ (التوبہ: 117، 118)

''البتہ توجہ فرمائی اللہ نے نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر وہ جنہوں نے تنگی کی گھڑی میں اس کی پیروی کی، اس کے بعد قریب تھا کہ ان میں سے ایک فریق کے دل پھر جاتے پھر اس نے ان پر توجہ کی۔ بے شک وہ ان پر انتہائی شفیق نہایت مہربان ہے۔ اور ان تینوں پر جن کا معاملہ پیچھے رکھا گیا تھا، یہاں تک کہ ان پر تنگ ہوگئی زمین اپنی کشادگی کے باوجود اور ان پر ان کی جانیں تنگ ہوگئیں، اپنی جانوں سے تنگ آ گئے اور انہوں نے جان لیا کہ کوئی جائے پناہ نہیں، مگر اللہ کی طرف، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف توجہ فرمائی تا کہ وہ توبہ کریں، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان ہے۔''

غور فرمائیں کہ انصار و مہاجرین کو خوشخبری سنا دی گئی ہے، بخشش اور رضا مندی کی جو کہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی کامیابی نہیں ہے۔ یہ کامیابی انصار و مہاجرین کا مقدر بنا دی گئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اجر عظیم ہے:

اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے، دنیا کی زندگی تو نرم وگرم حالات میں گزر ہی جائے گی۔لیکن آخرت کی زندگی گزرنے والی نہیں، بلکہ مستقل رہنے والی ہے۔اب جو اس زندگی میں کامیاب ہوگیا، یقیناً وہ کامیاب ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گروہ وہ مبارک گروہ ہے کہ جو دنیا اور آخرت دونوں اعتبار سے کامیاب ہیں، اور جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے انعامات اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ۖ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴾ (الفتح : 10)

''بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے، پس جو شخص بدعہدی کرے گا، تو اس بدعہدی کا برا انجام اسی کو ملے گا، اور جو شخص اس عہد پر قائم رہے گا جو اس نے اللہ سے کیا تھا تو اللہ اسے اس کا اجر عظیم عطا فرمائے گا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کامیاب لوگ ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اجر عظیم، ان کو دنیا اور آخرت کی کامیابی، اللہ کی رضا مندی کی جو ضمانت فراہم کی گئی ہے، یہ اتنا بڑا انعام انہوں نے پھولوں کی سیج پر بیٹھ کر حاصل نہیں کیا، بلکہ اس کے لیے بے پناہ قربانیاں دی ہیں۔اپنی جان و مال واولاد اور اپنے وطن سے بھی ہاتھ دھوئے ہیں، ان قربانیوں کے صلہ میں ان کو کامیاب قرار دیا گیا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ؗ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾

(التوبہ: 88، 89)

''لیکن رسول اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ایمان لائے، انہوں نے اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے جہاد کیا، اور انہی لوگوں کے لیے بھلائی ہے۔ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں، ان کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔''

غور فرمائیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد سے گھبرانے والے نہ تھے، بلکہ اس کے لیے دل و جان سے قربانیاں دینے کے لیے ہمہ تن تیار رہتے تھے۔ لیکن اس کے برعکس منافقین نے ہمیشہ پس و پیش سے کام لیا اور جہاد اور تکلیف دہ کاموں سے اپنے آپ کو بچاتے رہے۔ جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے رب سے ملاقات کے شوق میں جہاد کی آرزو اپنے سینوں میں لیے ہر وقت اس کے لیے تیار رہتے تھے۔ اور ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتے تھے کہ جس کی وجہ سے اللہ کے ساتھ ملاقات ہو جائے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ؗ وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا ۝ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝﴾ (الاحزاب: 22، 23)

''اور جب مومنوں نے لشکر کو دیکھا تو وہ کہنے لگے، یہ جس کا ہمیں اللہ اور

اس کے رسول نے وعدہ دیا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا، اور اس صورتحال نے ان میں زیادہ کیا ہے ایمان اور جذبہ فرمانبرداری کو، مومنوں میں کچھ ایسے آدمی ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا اسے سچ کر دکھایا، اور کچھ ان میں سے انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔''

غور فرمائیں کہ اللہ سے کیے ہوئے معاہدے کو پورا کرتے ہوئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر رہے ہیں، اور کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس انتظار میں ہیں کہ اللہ سے کیے ہوئے معاہدے پر عمل درآمد کا وقت کب آئے، اور وہ اس پر اپنی جان و مال قربان کر کے پورا اتر کر دکھائیں، یہ سوچ اور فکر ان کے ایمان میں مزید اضافہ کرتی ہے، اور جب ایمان زیادہ اور پختہ ہو جائے تو کامیابی یقینی ہوتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۟ ﴾

(الاعراف: 157)

''وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں ہمارے رسول کی، نبی امی کی، جسے وہ لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے پاس تورات میں اور انجیل میں، وہ انہیں حکم دیتے ہیں بھلائی کا اور انہیں روکتے ہیں برائی سے، ان کے لیے حلال کرتے ہیں

پاکیزہ چیز اور ان پر حرام کرتے ہیں ناپاک چیز، اور اتارتے ہیں ان کے سروں سے بوجھ طوق جو ان پر تھے، پس جو لوگ اس پر ایمان لائے، اور انہوں نے اس کی حمایت کی، اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اتارا گیا، وہی فلاح پانے والے ہیں۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دین کی وجہ سے ہی تکالیف دی گئیں:

بد بخت لوگ کہتے ہیں کہ صحابہ دنیا کے لیے مسلمان ہوئے تھے، تکلیفوں کو برداشت کرنے کا مطمع نظر صرف اور صرف دنیا کی چودھراہٹ تھی، اس کے سوا کچھ نہ تھا، قرآن حکیم ایسے لوگوں کے گندے ذہن کی نفی کر رہا ہے، اور یہ خبر دے رہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے مسلمان ہوئے تھے اور ان کو اسی وجہ سے تکالیف دی گئیں ورنہ تو ان کے کردار پر کوئی اعتراض کرنے والا نہ تھا، اعتراض تو بس ان کے دین پر تھا، اس کی وجہ سے ان کو تکالیف دی جاتیں تھیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ﴾ (الحج : 39)

''جن مسلمانوں سے کافر جنگ کر رہے ہیں انہیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہیں، بے شک ان کی مدد پر اللہ تعالیٰ خوب قادر ہے۔''

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

''مکہ میں جب مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے جا رہے تھے تو اس وقت بعض جرأت مند صحابہ نے ان کافروں سے جنگ کرنے کی اجازت طلب کی تھی، مگر اس وقت اللہ نے انہیں ایسی اجازت نہیں دی، بلکہ صبر و

استقامت سے ظلم کو برداشت کرنے کی ہی تلقین کی جاتی رہی، اور یہ وہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو مدافعانہ جنگ کی اجازت دی گئی اور اس اجازت کی وجہ صاف الفاظ میں بتا دی گئی کہ یہ اجازت انہیں اس لیے دی جارہی ہے کہ ان پر مسلسل ظلم ڈھائے جاتے رہے ہیں۔'' [1]

﴿ اِلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ﴾ (الحج : 40)

''یہ وہ ہیں جو بلاوجہ اپنے گھروں سے نکالے گئے صرف اس قول پر کہ ہمارا پروردگار فقط اللہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو یہ عبادت خانے اور گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں بھی ویران کردی جاتیں، جہاں اللہ کا نام بہ کثرت لیا جاتا ہے۔ جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ قوتوں والا بڑے غلبے والا ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (النحل : 41)

''جن لوگوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد اللہ کی راہ میں ترکِ وطن کیا ہے، ہم انہیں بہتر سے بہتر ٹھکانا دنیا میں عطا فرمائیں گے، اور آخرت کا

[1] تیسیر القرآن 165/3.

ثواب تو بہت ہی بڑا ہے۔ کاش کہ لوگ اس سے واقف ہوتے۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ ﴾ (النحل : 42)

''وہ جنہوں نے دامنِ صبر نہ چھوڑا، اور اپنے پالنے والے پر ہی بھروسہ کرتے رہے۔''

ان دونوں آیات نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو محض اللہ کے دین کی وجہ سے تکلیفیں دی گئیں ہیں، ان کا اپنا کوئی جرم نہ تھا، جب ان کو اللہ کے دین کی وجہ سے تکلیفیں دی گئیں ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرکے ان کی مشکلات ختم کردے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مدد کی اور ان کی مشکلات کو ختم کردیا، اور ان کا ساتھ دے رہا تھا، دنیا کا کوئی مقصد پیشِ نظر کارفرما نہ تھا جو کوئی بھی ایسی بات کرتا ہے وہ غلط سوچ اور نظریہ کا حامل ہے کہ جس کو اس سے توبہ کرنی چاہیے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں محبت کرنے والے تھے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وصف جمیل یہ بھی تھا کہ وہ آپس میں انتہائی محبت کرنے والے تھے۔ جس کی تفصیل ہم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس کی محبت کے ضمن میں بیان کردی ہے۔ یہ آیات بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس میں محبت پر دلالت کرتی ہیں جو کہ خاص اللہ کے فضل کی وجہ سے تھا۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران : 103)

''اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے، تو اس نے تمہیں بچالیا، اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم راہ پاؤ۔''

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ (الانفال: 62، 63)

''اللہ وہی تو ہے کہ جس نے تجھ کو اپنی مدد اور مومنوں کے ساتھ مضبوط کیا، اور ان (صحابہ) کے درمیان محبت پیدا کردی، اگر آپ ساری کائنات کو بھی ان پر خرچ کردیتے تو ان کے دلوں میں محبت پیدا نہیں کرسکتے تھے، لیکن اللہ نے (اپنے خاص فضل و رحمت سے) ان کے درمیان محبت پیدا کردی، بلاشبہ وہ غالب وحکمت والا ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کافروں کے لیے سخت تھے:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے آپس میں محبت کرنے والے تھے ویسے ہی اللہ کے دین کے دشمنوں سے نفرت کرنے والے تھے، جبکہ وہ دین اسلام کو نقصان پہنچا رہے ہوں پھر

ان کے دلوں میں کافروں کے لیے کوئی نرمی نہ تھی، چاہے کافر کوئی بھی ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ (المجادلہ : 22)

''اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے، وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ قبیلے کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں، یہی لوگ ہیں کہ جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا ہے۔ اور جن کی تائید اپنی روح سے کی ہے اور جنہیں ان جنتوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے، اور اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے خوش ہیں، یہ اللہ کا لشکر ہے، آ گاہ رہو، بے شک اللہ کے گروہ والے ہی کامیاب ہوں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۖ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ

يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٢٩﴾ (الفتح : 29)

''محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمدل ہیں تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی کی جستجو میں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، ان کی یہی صفت تو تورات میں ہے ان کی صفت انجیل میں ہے مثل اس کھیتی کے جس نے اپنا پٹھا نکالا، پھر اُسے مضبوط کیا، اور وہ موٹا ہوگیا، پھر اپنی جڑ پر سیدھا کھڑا ہوگیا، اور کسانوں کو خوش کرنے لگا، تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے، ان ایمان والوں اور شائستہ اعمال والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔''

عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

''اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسول ﷺ اور ان کے صحابہ، جو مہاجرین و انصار میں سے ہیں ان کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے کہ وہ کامل ترین صفات اور جلیل ترین اموال کے حامل ہیں، اور وہ کفار کے ساتھ بہت سخت ہیں فتح ونصرت میں جدوجہد اور اس بارے میں پوری کوشش کرنے والے ہیں، وہ کفار کے ساتھ صرف درشتی اور سختی سے پیش آتے ہیں۔ اس لیے اُن کے دشمن ان کے سامنے ذلیل ہوگئے ان کی طاقت ٹوٹ گئی، اور مسلمان اُن پر غالب آگئے۔'' (تفسیر سعدی)

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا

فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۱۸﴾ ﴾

(الفتح : 18)

''یقیناً اللہ مومنوں سے خوش ہوگیا جب کہ وہ درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کرلیا اور ان پر اطمینان نازل فرمایا، اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی۔''

مذکورہ آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے الحب فی اللہ والبغض فی اللہ والے عقیدہ کی وجہ سے ان کو اپنی رضامندی کی ضمانت بھی دے دی ہے۔ یہ آیت صلح حدیبیہ کے موقعہ پر نازل ہوئی تھی کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مکہ والوں سے لڑنے کا پروگرام بنایا۔ حالانکہ مکہ والے ان کے رشتہ دار تھے۔ لیکن دین کی راہ میں کسی رشتہ دار یا غیر رشتہ دار کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ بلکہ جو دین کا دشمن ہے وہ ان کا دشمن ہے، اُن کا یہی کردار اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اپنی رضا مندی کی ضمانت دی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کردار نجات کے لیے معیار ہے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عظیم الشان و بے مثال گروہ کا نام ہے کہ جن کا ایک ایک کردار بے مثل و بے مثال ہے، ان کا ایمان، اللہ کا تقویٰ، ان کا ایثار و قربانی، الغرض کہ اُن کی ہر چیز قابل اتباع ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے کردار کو کامیابی کا معیار قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ ۚ ﴾ (البقرہ : 137)

''اگر یہ لوگ تمہارے (صحابہ) کی طرح ایمان لے آئیں تو یہ ہدایت

پا گئے۔ لیکن اگر ان کی مخالفت کریں گے تو برباد ہو جائیں گے۔''

اللہ تعالیٰ کا مزید ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۱۱۵ ﴾

(النساء : 115)

''جو شخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول کے خلاف کرے، اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہوا، اور دوزخ میں ڈال دیں گے، وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔''

حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

''مومنین سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو دین اسلام کے اولین پیرو اور اس کی تعلیمات کا کامل نمونہ تھے۔ اور ان کے نزول کے وقت جن کے سوا کوئی مومن گروہ موجود نہ تھا کہ وہ مراد ہو۔ اس لیے رسول کی مخالفت اور غیر سبیل المومنین کا اتباع دونوں حقیقت میں ایک ہی چیز کا نام ہے، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے اور منہاج سے انحراف بھی کفر و ضلال ہی ہے۔'' (تفسیر احسن البیان تحت الآیۃ)

غور فرمایئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مومن قرار دیا گیا ہے، اور ان کی اتباع کو کامیابی جبکہ ان کی مخالفت کو گمراہی قرار دیا گیا ہے۔ ہم سب بھائیوں کو کوشش کرنی چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم والا کردار اپنائیں۔ اللہ ہمیں عمل کی توفیق بخشے۔ آمین

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے دعا کرنے کا حکم:

قارئین محترم! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محنتوں اور کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج دینِ اسلام اپنی اصل شکل میں موجود ہے، اگر ان کی قربانیاں نہ ہوتیں تو ہوسکتا تھا کہ آج ہم مسلمان ہی نہ ہوتے۔ اسلام کسی بھی مسلمان اور انسان کی کامیابی کے لیے ضروری ہے۔ تو گویا ہمیں یہ کامیابی محض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محنت، کوشش و کاوش اور قربانی سے ملی ہے جو کہ ان کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔ اس احسان کا تقاضہ ہے کہ ہمیں کم از کم ان کے لیے دعائیں کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوٰىكُمْ ۝۱۹﴾ (محمد: 19)

''اے نبی! آپ یقین کرلیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کریں، اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے حق میں بھی۔ اللہ تم لوگوں کی آمدورفت کی اور رہنے سہنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ ان صحابہ کے لیے دعائے مغفرت کیا کرو کیونکہ مغفرت ہی کامیابی ہے اور دنیا اور آخرت کی مشکلات سے نجات کا سبب ہے، دوسرے مقام پر مومنوں کی بھی صفت بیان کی کہ وہ اپنے بھائیوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے کہ:

﴿وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۰﴾ (الحشر: 10)

''جو ان کے بعد آئے ہیں وہ تو دعائیں کرتے ہیں، اے ہمارے رب! ہمارے ان بھائیوں کو بھی ہمارے ساتھ بخش دے کہ جو ہم سے ایمان میں سبقت لے جاچکے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ان کے لیے کوئی کینہ پیدا نہ کر کہ وہ ایمان لائے، بلاشبہ تو بڑا ہی نرم اور رحم کرنے والا ہے۔''

ان آیات میں ہمیں یہ سکھایا گیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اور اپنے گزرے ہوئے یعنی فوت شدہ بھائیوں کے لیے دعا کرنی چاہیے نا کہ ان کی برائیاں کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ کی توفیق بخشے۔ ہمارے دلوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت سے لبریز کردے۔

باب 2

رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت

قارئین محترم! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت قرآن کریم کی روشنی میں آپ نے ملاحظہ فرمائی، اب حدیث رسول ﷺ کی رُو سے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت ومقام ملاحظہ فرمائیں، رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی رُو سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہترین لوگ ہیں۔ اوران کا زمانہ بھی بہترین زمانہ ہے۔ چنانچہ سیّدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((خَيْرُ أُمَّتِىْ قَرْنِىْ ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ، ثُمَّ إِنَّ بَعْدَهُمْ قَوْمٌ يَّشْهَدُوْنَ وَلَا يُسْتَشْهَدُوْنَ ، وَيَخُوْنُوْنَ وَلَا يُؤْتَمَنُوْنَ ، وَيَنْذُوْرُوْنَ وَلَا يَفُوْنَ ، وَيَظْهَرُ فِيْهِمُ السِّمَنُ۔ وَفِىْ رِوَايَةٍ ۔وَيَحلِفُوْنَ وَلَا يُسْتَحْلَفُوْنَ .)) ❶

''میرے دور کے لوگ (صحابہ رضی اللہ عنہم) سب سے بہتر ہیں، اس کے بعد وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے۔ پھر وہ لوگ ہوں گے کہ جو گواہی دیں گے، لیکن ان کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی۔ وہ خیانت کریں گے اور وہ امین نہیں ہوں گے۔ وہ نذر مانیں گے،

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابه، رقم: 3650، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابه، رقم: 6475.

لیکن انہیں پورا نہ کریں گے۔ اور ان میں موٹاپا آ جائے گا۔ اور دوسری روایت میں ہے، وہ قسمیں اٹھائیں گے، حالانکہ ان سے قسم کا مطالبہ نہ کیا جائے۔''

غور فرمائیں! کہ رسول اللہ ﷺ نے سب سے بہترین لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرار دیا ہے، کیونکہ انہوں نے شب و روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گزارے ہیں۔ نبی رحمت ﷺ سے تعلیم براہِ راست لی ہے جو کہ کامیابی اور اللہ کے فضل کا باعث ہے۔ اسی لیے رسول اللہ نے ان کو امت کے لیے کامیابی کا ذریعہ اور سبب قرار دیا ہے۔ چنانچہ سیّدنا ابو بردہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ:

((رَفَعَ -يَعْنِيْ النَّبِيَّ ﷺ- رَأْسَهٗ إِلَى السَّمَاءِ وَكَانَ كَثِيْرًا مِمَّا يَرْفَعُ رَأْسَهٗ إِلَى السَّمَاءِ، فَقَالَ: النُّجُوْمُ أَمَنَةٌ لِلسَّمَاءِ، فَإِذَا ذَهَبَتِ النُّجُوْمُ أَتَى السَّمَاءَ مَاتُوْعَدُ، وَأَنَا أَمَنَةٌ لِأَصْحَابِيْ، فَإِذَا ذَهَبْتُ أَنَا أَتٰى أَصْحَابِيْ مَايُوْعَدُوْنَ، وَأَصْحَابِيْ أَمَنَةٌ لِأُمَّتِيْ، فَإِذَا ذَهَبَ أَصْحَابِيْ أَتٰى أُمَّتِيْ مَايُوْعَدُوْنَ.))[1]

''نبی کریم ﷺ نے آسمان کی طرف اپنا سر مبارک اٹھایا، اور آپ ﷺ اکثر اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے، فرمایا: ستارے آسمان کے لیے امن کی ضمانت ہیں۔ جب آسمان کے ستارے ٹوٹ جائیں گے تو آسمان کے لیے (پھٹ جانے کے) وعدے کا وقت آ جائے گا، اور میں اپنے اصحاب کے لیے باعث امن ہوں۔ جب میں چلا جاؤں تو میرے اصحاب ان آزمائشوں سے دوچار ہوں گے جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے،

[1] صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابه، رقم: 6466.

اور میرے صحابہ میری امت کے امن کا سبب ہیں۔ اور جب میرے صحابہ اٹھ جائیں گے تو میری امت بتائے گئے فتنوں سے دوچار ہوگی۔''

آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس امت کے لیے امن و آتشی کا سبب قرار دیا ہے، جب تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود رہیں گے، اس امت میں امن رہے گا لیکن جب چلے جائیں گے تو امت فتنوں کا شکار ہوجائے گی۔ جو کہ ان کی کمزوری کی دلیل ہوگی، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی ان کی قوت و کامیابی کی ضمانت ہے، چنانچہ سیّدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَاتِـيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ فَيَغْزُوْ فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَيَقُوْلُوْنَ: هَـلْ فِيْكُـمْ مَـنْ صَاحَبَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَيَـقُوْلُوْنَ: نَعَمْ فَيُفْتَحُ لَهُمْ ثُمَّ يَاتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ فَيَغْزُوْ فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَيُـقَـالُ هَـلْ فِيْكُمْ مَنْ صَاحَبَ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟ فَيَـقُـوْلُـوْنَ: نَـعَـمْ ، فَيُفْتَحُ لَهُمْ ثُمَّ اَتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ ، فَيَـغْـزُوْ فِـئَـامٌ مِّنَ النَّاسِ فَيُقَالُ: هَلْ فِيْكُمْ مَنْ صَاحَبَ مَنْ صَـاحَـبَ اَصْـحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَيَـقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيُفْتَحُ لَهُمْ .)) ❶

''مسلمانوں پر ایسا وقت آئے گا کہ ان کا ایک گروہ اللہ کے راستے میں لڑائی لڑے گا۔ یہ جہاد کرنے والے پوچھیں گے کیا تم میں کوئی ایسا ہے، جس کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی ہو؟ وہ جواب دیں گے، ہاں، چنانچہ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ، رقم : 3649، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، رقم : 6468.

اس صحابی کی برکت سے ان کو فتح نصیب ہوگی۔ پھر مسلمانوں پر ایسا وقت آپڑے گا کہ ان کا ایک گروہ اللہ کے راستے میں لڑائی لڑے گا۔ پوچھا جائے گا، کیاتم میں کوئی ایسا ہے، جس کو اصحابِ رسول ﷺ کی صحبت حاصل ہو (یعنی تابعی ہے)؟ وہ جواب دیں گے ہاں۔تو ان کو فتح نصیب ہوجائے گی۔ پھر مسلمانوں پر ایک ایسا دور آئے گا کہ ان کی ایک جماعت جہاد فی سبیل اللہ کرے گی پوچھا جائے گا کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے، جس کو اصحاب رسول ﷺ کے (یعنی تابعی) کی صحبت میسر آئی ہو (یعنی تبع تابعی ہے)؟ بتایا جائے گا، ہاں، تو وہ بھی فتح یاب ہوں گے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس قدر مبارک ہیں کہ ان کے وجود کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مومنوں کو فتح نصیب فرماتا ہے، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اللہ کے بندوں کے حقوق کو اس طرح ادا کیا ہے کہ جس طرح ان کو ادا کرنے کا حق ہے۔ اسی وجہ سے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو افضل ترین گروہ قرار دیا گیا ہے۔ ان میں سے بھی انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک خاص مقام حاصل ہے کہ آپ ﷺ نے ان کی تین پشتوں کے لیے مغفرت کی دعا مانگی ہے، اور ان سے محبت کو ایمان کی علامت قرار دیا ہے۔ چنانچہ سیّدنا براء رضی اللہ عنہ سی مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

((لِلْاَنْصَارِ لَایُحِبُّهُمْ اِلَّا مُوْمِنٌ، وَلَایُبْغِضُهُمْ اِلَّا مُنَافِقٌ، فَمَنْ اَحَبَّهُمْ اَحَبَّهُ اللّٰهُ، وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ اَبْغَضَهُ اللّٰهُ.))[1]

''صرف ایمان والے ہی انصار سے محبت رکھتے ہیں، اور کسی منافق کے سوا کوئی اور ان سے بغض نہیں رکھتا۔ جو شخص ان سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ

[1] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، رقم: 3783.

اس سے محبت کرے اور جو ان سے بغض رکھے گا، اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھے۔''

انصار سے محبت مومن کرتے ہیں، اور منافق انصار سے بغض رکھتے ہیں، ان کی محبت کی وجہ سے اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے، اور جو ان سے نفرت کرے اللہ تعالیٰ ان سے نفرت کرتا ہے۔ کس قدر بدبخت ہیں وہ لوگ کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نفرت کرتے ہیں، ان کے خلاف گندی زبان استعمال کرتے ہیں۔ یقیناً ان کے لیے دنیا و آخرت کی رسوائی ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ جماعت بخشی ہوئی ہے۔ چنانچہ سیّدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ ، وَلِاَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ ، وَلِاَبْنَاءِ اَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ .))❶

''اے اللہ! انصار کی اور ان کے بیٹوں اور ان کے پوتوں کی مغفرت فرما۔''

انصار کی تین پشتوں کے لیے دعائے مغفرت کی گئی ہے، اس سے ان کا مقام ومرتبہ واضح ہے۔ انصار و مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل بدری صحابی ہیں ، بدر والوں کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سب سے افضل ترین قرار دیا۔ چنانچہ سیّدنا رفاعہ بن رافع سے مروی ہے کہ:

((جَاءَ جِبْرَئِيْلُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَاتَعُدُّوْنَ اَهْلَ بَدْرٍ فِيْكُمْ؟ قَالَ: مِنْ اَفْضَلِ الْمُسْلِمِيْنَ اَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا قَالَ: وَكَذَالِكَ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا مِّنَ الْمَلٰئِكَةِ .))❷

---

❶ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابه، رقم: 6416.

❷ صحیح بخاری، کتاب المغازی، رقم: 3992.

’’جبرائیل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے اور دریافت کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل بدر کے بارے میں کیا گمان ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تمام مسلمانوں سے افضل ہیں، یا اسی طرح کی بات فرمائی۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام نے کہا اس طرح بدر میں شامل ہونے والے فرشتے بھی افضل ہیں۔‘‘

اس گروہ کے بعد افضل ترین گروہ صلح حدیبیہ والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے۔

چنانچہ سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((قَالَ كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ اَلْفًا وَّاَرْبَعَ مِائَةٍ ، قَالَ لَنَا النَّبِىُّ ﷺ: اَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْاَرْضِ .))❶

’’حدیبیہ کے دن ہم لوگ چودہ سو تھے، ہمارے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آج کے دن تم سارے زمین والوں سے بہتر ہو۔‘‘

اس حدیث سے حدیبیہ والوں کی فضیلت واضح ہے۔

---

❶ صحيح بخارى، كتاب المغازى، رقم: 4154، صحيح مسلم، كتاب الإمارة، رقم: 4811.

باب 3

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت تورات وانجیل میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ ۟ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ ؕ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾

(التوبہ : 111)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے خرید لیں مومنوں سے ان کی جانیں اور مال اس کے بدلے ان کے لیے جنت ہے، وہ اللہ کی راہ میں لڑائی لڑتے ہیں، وہ قتل کرتے بھی ہیں اور قتل کیے بھی جاتے ہیں۔ اس پر سچا وعدہ ہے تورات، انجیل اور قرآن میں۔ اللہ سے بڑھ کر کون اپنا وعدہ پورا کرنے والا ہے۔ تو تم اپنے اس سودے پر خوشیاں مناؤ جو سودا تم نے اس سے کیا ہے۔ اور یہ عظیم کامیابی ہے۔''

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ

وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۖۛ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۠﴾ (الفتح : 29)

''محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت، اور آپس میں بڑے ہی رحمدل ہیں، تو ان کو رکوع اور سجدے کی حالت میں دیکھے گا، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی تلاش کرتے ہیں، ان کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے نشانات سے واضح ہے، یہ ان کی صفت تورات میں مذکور ہے اور ان کی یہ صفت انجیل میں بھی ہے، جیسے ایک کھیتی کہ اس نے اپنی سوئی نکالی اور پھر اس کو مضبوط کیا پھر وہ موٹی ہوئی۔ پھر وہ اپنی نالی پر کھڑی ہوگئی۔ ان کسانوں کو وہ اچھی لگتی ہے تا کہ ان کافروں کو غصہ دلائے (کہ جو ان سے جلتے ہیں) اللہ نے وعدہ کیا، ان سے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے، مغفرت اور اجر عظیم کا۔''

قارئین محترم! مذکورہ دونوں آیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصافِ حمیدہ کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑائی کرنے والے ہیں۔ دشمن جب مقابلہ پہ آ جائے تو سختی کرنے والے ہیں۔ اپنی جان و مال کی قربانی کرنے والے ہیں، کثرت کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں تو ان کو رکوع اور سجود کی ہی حالت میں دیکھو، اس وجہ سے ان کے چہرے چمک رہے ہوتے ہیں، وغیرہ وغیرہ اور رب تعالیٰ نے انہی اوصاف پر توراۃ اور انجیل کو بھی گواہ بنایا ہے کہ یہی صفات عالیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توراۃ وانجیل میں بیان ہیں۔

چنانچہ دیکھنا چاہیے کہ توراۃ اور انجیل ان نفوس مقدسہ کے لیے کیا کہتی ہے۔ وہ تحریف شدہ توراۃ کہ جو آج یہود کے پاس ہے، وہ مسلمانوں کی صفات ان الفاظ میں بیان کرتی ہے:

''خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے آون پر طلوع ہوا، فاران کے ہی پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، اور دس ہزار قدوسیوں کیساتھ آیا، اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔''❶

یہ عبارت فتح مکہ اور دخول مکہ کی طرف اشارہ ہے۔ جس روز رسول اللہ ﷺ فتح کر کے مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے، آپ کے ساتھ دس ہزار (10,000) صحابی تھے۔ جن کو تورات میں (10,000) دس ہزار قدوسی، یعنی ''پاک لوگ'' کہا گیا ہے۔ اسی تمثیل کی طرف اشارہ ہے۔

انجیل میں یہ تمثیل ان لفظوں میں ملتی ہے۔ ''اس (مسیحا) نے ایک اور تمثیل ان (لوگوں) کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا، وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے، مگر جب بڑھ جاتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہو جاتا ہے۔ اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آ کر اس کی ڈالیوں پر بسیرہ کرتے ہیں۔''❷

انجیل مرقس میں اس تمثیل کے الفاظ یہ ہیں:

''وہ (مسیح) تمثیلوں میں بہت باتیں سکھانے لگا، اور اپنی تعلیم میں ان سے کہا سنو! ایک بونے والا بیج بونے نکلا اور بوتے وقت ایسا ہوا کہ کچھ راہ کے کنارے پہ گرا اور پرندوں نے آ کر اسے چگ لیا، اور کچھ پتھریلی زمین

❶ کتاب استثناء، باب 33، فقرہ 1، 2۔ ❷ انجیل متی، باب 13، فقرہ 31، 32۔

پر گرا جہاں اسے بہت مٹی نہ ملی اور گہری مٹی نہ ملنے کے سبب جلد اگ آیا، اور جب سورج نکلا تو جل گیا، اور جڑ نہ ہونے کے سبب سوکھ گیا، اور کچھ جھاڑیوں میں گرا اور جھاڑیوں نے بڑھ کر اسے دبالیا، اور وہ پھل نہ لایا اور کچھ اچھی زمین پر گرا، اور وہ اگا اور بڑھ کر پھلا اور کوئی تیس (30) گنا کوئی ساٹھ (60) گنا اور کوئی سو (100) گنا پھل لایا، پھر اس نے کہا جس کے کان ہوں وہ سن لے۔'' ❶

اور انجیل لوقا میں ہے:

''پس وہ (مسیح) کہنے لگا اللہ کی بادشاہت کس کی مانند ہے، میں اس کو کس سے تشبیہ دوں وہ رائی کے دانے کی مانند ہے، جس کو ایک آدمی نے لے کر اپنے باغ میں ڈال دیا وہ اگ کر بڑا درخت ہوگیا، اور ہوا کے پرندوں نے اس کی ڈالیوں پر بسیرہ کیا اس نے پھر کہا میں اللہ کی بادشاہت سے تشبیہ دوں وہ خمیر کی مانند ہے، جس کو ایک عورت نے لے کر 3 پیمانے آٹے میں ملا دیا، اور ہوتے ہوتے سب خمیرہ ہوگیا۔'' ❷

تشریح:......انجیلی اور مسیحی محاورے میں خدائی بادشاہت سے وہ زمانہ مراد ہے جس میں لوگ جب رضائے الٰہی کے مطابق کام کریں، اور نجاتِ آخری کے مستحق ہوں، چنانچہ سیّدنا مسیح علیہ السلام کا قول اس اصطلاح کے موافق انجیل میں یوں ملتا ہے:

''اگر تمہاری راستبازی فقیہوں اور فریسوں کی راست بازی سے زیادہ نہ ہو گی تو تم آسمان کی بادشاہت میں ہرگز داخل نہ ہوں گے۔'' ❸

---

❶ انجیل مرقس، باب 4، فقرہ 3، 9۔

❷ لوقا باب 13، فقرہ 18، 21، مطبوعہ لودھانہ 1916ء۔ ❸ انجیل متی، باب 5، فقرہ: 20۔

چونکہ سیّدنا مسیح کو یہ بتانا منظور ہے کہ زمانہ محمدی ﷺ اللہ کا پسندیدہ اور اس زمانے کے لوگ اللہ کے برگزیدہ ہوں گے، اس لیے انہوں نے اسی زمانے کو اللہ کی بادشاہت کے نام سے موسوم کر کے سمجھایا۔ قرآن مجید میں انہی مقامات کی طرف اشارہ ہے۔ (واللہ اعلم منہ)

سیّدنا وہب بن منبہ بیان فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے زبور میں سیّدنا داؤد علیہ السلام کو یہ وحی فرمائی کہ تمہارے بعد عنقریب ایک نبی آئے گا، جس کا نام ''احمد'' اور ''محمد'' ہوگا۔ اور وہ سچے اور سردار ہوں گے، میں ان سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا، اور نہ وہ مجھے کبھی ناراض کریں گے اور میں نے ان کی اگلی پچھلی تمام لغزشیں کرنے سے پہلے ہی معاف کر دی ہیں۔ اور آپ کی امت میری رحمت سے نوازی ہوئی ہے۔ [1]

میں نے ان کو وہ نوافل عطا کیے ہیں، جو انبیاء علیہم السلام کو عطا کیے اور ان پر وہ چیز فرض کی جو انبیاء علیہم السلام اور رسولوں پر فرض کی۔ حتیٰ کہ وہ قیامت کے دن میرے پاس اس حال میں آئیں گے کہ ان کا نور انبیاء علیہم السلام کے نور جیسا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں تک فرما دیا کہ اے داؤد! میں نے محمد ﷺ کو اور آپ کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے۔

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سیّدنا کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کی امت کی صفات بتائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب تورات میں ان کی یہ صفات پاتا ہوں کہ احمد اور ان کی امت اللہ تعالیٰ کی خوب تعریف کرنے والی ہے۔ اچھے برے ہر حال میں ''الحمدللہ'' کہیں گے، اور چڑھائی پر چڑھتے ہوئے ''اللہ اکبر'' کہیں گے، اور نیچے اترتے ہوئے ''سبحان اللہ'' کہیں گے۔ ان کی

[1] البدایہ والنہایة: 326/2.

اذان آسمانی فضا میں گونجے گی وہ نماز میں ایسی دھیمی آواز سے اپنے رب سے ہم کلام ہوں گے جیسے چٹان پر شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے، اور فرشتوں کی صفوں کی طرح ان کی نماز باجماعت میں صفیں ہوں گی، اور نماز کی صفوں کی طرح ان کی میدان جنگ میں صفیں ہوں گی اور جب وہ اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے چلیں گے تو مضبوط نیزے لے کر فرشتے ان کے آگے اور پیچھے ہوں گے اور جب وہ اللہ کے راستے میں صف بنا کر کھڑے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر ایسے سایہ کیے ہوئے ہوں گے، رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے اشارہ کر کے بتلایا جیسا کہ گدھ اپنے گھونسلے پر سایہ کرتے ہیں، اور میدان جنگ سے یہ لوگ کبھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ سیّدنا کعب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح ایک روایت منقول ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ ان کی امت اللہ کی خوب تعریف کرنے والی ہوگی۔

ہر حال میں ''الحمدللہ'' کہیں گے اور چڑھائی چڑھتے ہوئے ''اللہ اکبر'' کہیں گے (اپنی نمازوں کے اوقات کے لیے) سورج کا خیال رکھیں گے، اور پانچوں نمازیں اپنے وقت پر پڑھیں گے اگرچہ کوڑے کرکٹ والی جگہ پر ہوں کمر کے درمیان میں لنگی باندھیں گے، اور وضو میں اپنے اعضاء دھوئیں گے۔ [1]

---

[1] حلية: 386/6 وعن ابى كعب مطولا ايضًا.

باب 4

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس میں محبت

قارئین کرام ! اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو اصحاب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیے یقینی بات ہے کہ وہ اصحاب ہر حیثیت سے منفرد و بے مثال ہیں۔ اگر ہم ان کی مثال ونظیر تلاش کرنے نکلیں تو حقیقت یہی ہے کہ ہمیں بے پناہ محنت اور کوشش کے باوجود ان کی مثال اور نظیر نہ مل سکے گی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور نصرت کے لیے منتخب کیا تھا۔ اسی لیے ان کو ایسی صلاحیتیں حوصلے، استقامت، اخلاص، اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تقویٰ عطا فرمایا کہ جو کائنات میں کسی کو بھی نہ دیا۔ اسی لیے ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

((مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ ، فِاِنَّ الْحيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ . أُوْلٰئِكَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ كَانُوْا اَفْضَلَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ ، اَبَرَّهَا قُلُوْبًا ، وَاَعْمَقَهَا عِلْمًا ، وَاَقَلَّهَا تَكَلُّفًا ، اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيَّهِ ، وَلِاِقَامَةِ دِيْنِهِ ، فَاعْرِفُوْا لَهُمُ فَضْلَهُمْ ، وَاتَّبِعُوْهُمْ عَلَى آثَارِهِمْ ، وَتَمَسَّكُوْا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ اَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ ، فَاِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيْمِ .)) [1]

’’جو کوئی تم میں سے کسی کے راستے کو اپنانا چاہتا ہے۔ تو وہ ان کے راستے کو

---

[1] مشکوۃ، کتاب الایمان، رقم : 193 .

اپنائے جو کہ فوت ہو چکے ہیں۔ اس لیے کہ زندہ افراد فتنہ سے محفوظ نہیں ہیں۔ یہ جو محمد ﷺ کے ساتھی ہیں۔ اس امت کے افضل ترین لوگ ہیں، دل کے اعتبار سے نیک ترین، علم کے اعتبار سے انتہائی بڑے تھے، اور انتہائی کم تکلّفات میں پڑتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی ﷺ کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لیے پسند کیا تھا۔ تم ان کی فضلیت کو پہچانو۔ اور ان کے طریقہ کی پیروی کرو۔ اور جس قدر طاقت ہو تم ان کے اخلاق اور سیرتوں کو اختیار کرو۔ اس لیے کہ وہ سیدھے راستہ پر تھے۔''

سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہمیں یہ خبر دی ہے۔ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باکمال لوگ ہیں۔ جن میں ہر قسم کا کمال پایا جاتا ہے۔ اگر ان کے ایمان کو دیکھو گے تو ان جیسا ایمان کسی کا نظر نہ آئے گا۔ اگر ان کی اطاعت و وفاء شعاری پر غور کرو گے تو ایسا لگتا ہے کہ شاید رب نے ان کے دلوں سے جذباتِ انسانی کو نکال کر رکھ دیا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے کسی حکم کی مخالفت کرنا تو دور کی بات ہے، مخالفت کی سوچ بھی اپنے قریب نہیں آنے دیتے۔

اور اگر ان کی غیرتِ ایمان کو دیکھو گے تو اس راہ میں انہوں نے کبھی بھی کسی رشتے اور ناطے کو رکاوٹ نہیں بننے دیا۔ بلکہ جو بھی اسلام اور رسول ہاشمی ﷺ کا دشمن تھا، چاہے وہ کوئی عزیز رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اگر وہ مقابلہ پر آ گیا ہے تو پھر ان پر رشتوں کی محبت، علاقوں اور قومیت کی محبت غالب نہ آئی۔ بلکہ دینی غیرت نے تمام قسم کی محبتوں کو نکال کر باہر پھینک دیا۔ اور دین کی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو پاش پاش کر دیا۔ اور ہمیشہ کے لیے اس کا نام ونشان تک مٹا ڈالا۔

چنانچہ جنگِ بدر کو دیکھ لیجیے۔ جو ہمارے مذکورہ دعوے پر شاہد عدل ہے۔ سیّدنا عمر

فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے سگے ماموں کو اپنی تلوار سے کاٹا۔ اور سیّدنا ضریقہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار سے اپنے کافر باپ کا سر اس کے تن سے جدا کیا۔ اور سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو جو کہ کافر تھا۔ اس کو قتل کرنے کے ارادے کا اظہار فرمایا۔ (ابن کثیر)

ذرا غور فرمائیں! کہ صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم دین کے معاملہ میں کسی بھی قسم کی نرمی کو قریب نہ آنے دیتے تھے۔ بلکہ جو بھی مخالفت پہ اتر آتا۔ چاہے وہ باپ، بیٹا، بھائی یا کوئی اور عزیز ہی کیوں نہ ہو تو پھر وہ ان رشتوں کو نہ دیکھتے تھے۔

لیکن قارئین کرام! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس قدر دین کے دشمنوں کے لیے سخت تھے، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ بالکل اسی طرح وہ دینداروں سے بھی انتہائی محبت کرتے تھے، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ کسی ہی قبیلہ سے تعلق رکھتا ہو۔ غریب ہو یا امیر۔ قطع نظر اس بات کے۔ بس دین کی بنیاد پر ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ اس وصف میں بھی صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کو محبت و مودت کا سبق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ جو کہ خود سب سے زیادہ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنے والے تھے اور اپنی امت کا بہت ہی زیادہ خیال کرنے والے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے۔

((اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا .)) [1]

''ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا ہی ہے جیسے عمارت کے اجزاء ایک دوسرے کی مضبوطی کا باعث ہیں۔''

اس امت میں اس حدیث کے مصداق سب سے زیادہ صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں۔ غزوات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ قرآن حکیم کی

[1] صحيح مسلم، كتاب البر والصله، رقم: 6585.

آیات، احادیث اور تاریخ میں صحابہ کی آپس میں محبت، الفت اور شفقت کی مثالیں بھری پڑی ہیں۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا تزکیہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ سیّدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

((تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيى تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكٰى عُضْوًا تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمَّى .)) ❶

''مومن ایک دوسرے پر رحمت، مہربانی اور شفقت کرنے میں ایک جسم کی طرح ہیں اگر بدن کے ایک حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم اس کی بنا پر بیدار رہتا اور تپ زدہ ہو جاتا ہے۔''

ان فرامین کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ اثر تھا کہ وہ آپس میں انتہائی مشفق و مہربان تھے۔ جس کا بیان اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بایں الفاظ کیا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ (الفتح : 29)

''کہ جو اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہیں یہ تو کافروں پر سخت اور آپس میں انتہائی مہربان ہیں۔''

یہ محبت و الفت خاص اللہ کا فضل ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جو خالصتاً ان کو اللہ کے دین کی وجہ سے حاصل ہوا۔ وگرنہ یہ وہی لوگ تھے کہ جن کے بیچ برسوں سے دشمنیاں چلی آ رہی تھیں، کئی نسلیں ان دشمنیوں کی بھینٹ چڑھ چکی تھیں، اور قریب قریب میں کوئی

---

❶ صحيح بخاری، كتاب الأدب، رقم: 6011، صحيح مسلم، كتاب البر والصله، رقم: 6586.

مصالحت کی کرن بھی دکھائی نہ دیتی تھی۔ یہ اللہ کا خاص فضل و احسان اس دین کی شکل میں ہوا کہ جس کی وجہ سے جو لوگ کل تک ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، آج وہی لوگ آپس میں انتہائی محبت کرنے والے اور ایک دوسرے پر اپنی جانیں نچھاور کرنے والے بن گئے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس احسان کا ذکر ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ﴾ (آل عمران : 103)

’’تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمھارے دلوں میں محبت پیدا کر دی، اور تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔‘‘

اس مفہوم کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

﴿وَ اِنْ يُّرِيْدُوْۤا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۙ۝ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ (الانفال : 62، 63)

’’کہ اللہ تو وہ ہے کہ جس نے اپنی مدد اور مومنوں کے ساتھ ساتھ تجھے (اے محمد ﷺ) مضبوط کیا۔ اور ان کے دلوں میں محبت پیدا کر دی۔ اگر آپ ساری کائنات کو بھی خرچ کر دیتے تو بھی ان (صحابہ رضی اللہ عنہم) کے دلوں میں محبت پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے (اپنے خاص فضل سے) ان کے درمیان محبت پیدا کر دی۔ بلاشبہ وہ غالب اور خوب حکمت والا ہے۔‘‘

غور فرمائیں! کہ یہ محبت والفت بس دین اسلام کی وجہ سے تھی۔ اور یہ دین اسلام کی ہی محبت ومودت کا ذریعہ بنا۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہ تھی کہ جو ان صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کے دلوں سے پرانے بغض وعداوت کو نکال سکتی۔ یہاں تک کہ اگر ان کے دروازوں پر مال و دولت کے بھی انبار لگا دیے جاتے، تو بھی ممکن نہ تھا کہ یہ آپس کی دشمنیاں ختم کر لیتے۔ بس یہ دین کی ہی نعمت تھی۔ کہ جس نے ان کو آپس میں شیر وشکر کر دیا تھا۔ اور آپس میں ایک لڑی کے دانوں کی طرح اکٹھا کر دیا تھا اور ایک دوسرے کا ہمدرد ومہربان بنا دیا تھا۔ جس کی وجہ سے ایک سے نفرت کرنا تو دور کی بات معمولی ناراضگی بھی برداشت نہ کرتے تھے۔

ایک مرتبہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور ان کو سلام کیا، لیکن سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے نہ خیال کر سکے کہ کسی نے سلام کیا ہے۔ لہٰذا اس کو سلام کا جواب دیا جائے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کیفیت دیکھی تو سمجھے کہ شاید سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ مجھ سے ناراض ہیں کہ اس نے مجھے سلام کا جواب نہیں دیا۔ یہ سوچ کر امیر المؤمنین سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے کہنے لگے کہ شاید میرا بھائی سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ مجھ سے ناراض ہے۔ آپ چل کر ہمارے درمیان صلح کروادو۔

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو دیکھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اسی طرح بیٹھے ہوئے ہیں۔ سلام کیا اور سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا! عثمان کیا بات ہے؟ کہ تم نے عمر کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ سیّدنا عثمان کہنے لگے: مجھے کسی نے سلام نہیں کیا اور نہ ہی کوئی یہاں سے گزرا ہے۔ فرمایا: عمر کہہ رہے ہیں کہ میں نے آپ کو سلام بھی کیا اور یہاں سے گزرا بھی ہوں۔ لیکن آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ مگر سیّدنا

عثمان رضی اللہ عنہ دونوں باتوں کا انکار کرتے ہیں۔

پوچھا: عثمان رضی اللہ عنہ آپ یہاں کیا کر رہے ہو؟ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں یہاں بیٹھا یہ سوچ رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے۔ میں یہ نہ پوچھ سکا کہ اُخروی کامیابی کا دارومدار کس چیز پر ہے؟ اس بارے میں پریشان بیٹھا ہوں۔

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے یہی سوال پوچھا تھا۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا تھا کہ وہ کلمہ کہ جس کو میں نے اپنے چچا ابو طالب پر پیش کیا تھا تو اس نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، وہی کلمہ اس کے لیے نجات تھا۔ [1]

غور فرمایئے ! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس کی محبت کی کہ ایک سلام کا جواب نہیں ملا تو پریشان ہو گئے۔ حالانکہ یہ وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں کہ جن کے بارے میں مشہور تھا کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے زیادہ اگر کوئی سخت ہے تو وہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ہیں لیکن یہی عمر رضی اللہ عنہ اپنے بھائیوں کے لیے کس قدر نرم ہیں۔ کہ ایک سلام کا جواب نہ ملنے کی وجہ سے پریشان ہو جاتے ہیں، اور وقت کے خلیفہ کو مصالحت کے لیے لے آتے ہیں۔ یہ ہے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپس میں محبت۔

قارئین کرام! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس صفت میں بھی ممتاز ہیں۔ ایک دوسرے سے انتہائی محبت کرنے والے تھے۔ اگرچہ بعض وجوہات کی وجہ سے جو کہ اجتہادی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں منافقین کی وجہ سے تنازعات و اختلافات بھی پیدا ہوئے کہ جن کی وجہ سے لڑائی جھگڑوں تک نوبت آ گئی، لیکن اس کے باوجود انہوں نے ایک دوسرے کو کافر نہ کہا، ایک دوسرے سے نفرت نہ کی، ایک دوسرے کو ذلیل کرنے کی

---

[1] مسند احمد 6/1، رقم: 20، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الإیمان رقم: 41۔ شیخ شعیب الارناؤط نے اسے شواہد کی بنا پر ''صحیح'' کہا ہے۔

کوشش نہیں کی۔ جیسا کہ آج بعض قسم کے جاہل خطبا نے تاریخی جھوٹی روایات کا سہارا لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان نفرت وعداوت کی خلیج پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان میں آپس میں شدید ترین نفرت وعداوت تھی، ایک دوسرے کا نام تک سننا گوارہ نہ کرتے تھے۔

قرآن وحدیث کے دلائل ہم پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح کر رہے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں محبت کرنے، شفقت ورحمت اور ہمدردی وغمخواری کرنے والے تھے، ایک دوسرے کا لحاظ وخیال کرنے والے تھے۔

جبکہ تاریخی جھوٹی روایات ہم پر ان کی نفرت وعداوت اور دشمنی ومخالفت کو آشکارا کر رہی ہیں۔ تو فیصلہ ہمیں خود کر لینا چاہیے کہ قرآن جو کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے، یہ سچ اور صحیح بات کرنے والے ہیں، یا تاریخ کی جھوٹی اور من گھڑت روایات کہ جن کی کوئی اصل ہے ہی نہیں۔ وہ سچ ہیں؟ یقیناً اہل ایمان اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو ہی حق جانتے ہیں، کیونکہ ان سے سچا کلام کسی کا ہو ہی نہیں سکتا۔ اور یہ جھوٹی روایات کہ جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دشمنی ثابت ہوتی ہے اس لیے بھی رد کرنے کے قابل ہیں کہ تاریخ کی دوسری اور صحیح روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کسی بھی حال میں ایک دوسرے سے دلی نفرت کبھی نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ ایک دوسرے کے لیے اچھے کلمات اور جذبات کا اظہار فرمایا۔

چنانچہ ایک موقعہ پر سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضرار اسدی سے کہا کہ مجھ سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کرو انہوں نے کہا کہ امیر المومنین! اس سے مجھے معاف فرمایئے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا۔ ضرار بولے اگر اصرار ہے تو پھر سنئے۔ وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے۔ فیصلہ کن بات کہتے تھے۔ عادلانہ فیصلہ کرتے تھے۔ ان

کے ہر جانب سے علم کا سرچشمہ پھوٹتا تھا، ان کے تمام اطراف سے حکمت ٹپکتی تھی۔ دنیا کی دلفریبی اور شادابی سے وحشت کرتے اور رات کی وحشت ناکی سے انس رکھتے تھے۔ بڑے رونے والے بہت زیادہ غور وفکر کرنے والے تھے۔ چھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند تھا۔ ہمارے ساتھ بالکل ہماری طرح رہتے تھے جب ہم ان سے سوال کرتے تھے تو وہ ہمارا جواب دیتے تھے اور جب ہم ان سے انتظار کی درخواست کرتے تھے تو وہ ہمارا انتظار کرتے تھے۔ باوجودیکہ اپنی خوش خلقی سے ہم کو اپنے قریب کر لیتے تھے اور وہ خود ہم سے قریب ہو جاتے تھے، لیکن اس کے باوجود خدا کی قسم! ان کی ہیبت سے ہم ان سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اہل دین کی عزت کرتے تھے غریبوں کو مقرب بناتے تھے، قوی کو اس کے باطل میں حرص وطمع کا موقع نہیں دیتے تھے۔ ان کے انصاف سے ضعیف ناامید نہیں ہوتا تھا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ان کو بعض معرکوں میں دیکھا کہ رات گزر چکی ہے، ستارے ڈوب چکے ہیں اور وہ اپنی داڑھی پکڑے ہوئے ایسے مضطرب ہیں جیسے مارگزیدہ مضطرب ہوتا ہے اور اس حالت میں وہ غمزدہ آدمی کی طرح رو رہے ہیں، اور کہتے کہ اے دنیا! مجھ کو فریب نہ دے، تو مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہے، اور مجھ سے شوق رکھتی ہے۔ حالانکہ میں تجھ کو تین طلاق دے چکا ہوں کہ جس میں کبھی رجوع نہیں ہوسکتا۔ تیری عمر کم ہے، اور تیرا مقصد بھی حقیر ہے۔ ہائے افسوس! زاد راہ (سفر خرچ) کم ہے اور سفر بہت دور کا ہے۔ جبکہ راستہ بھی بڑا خطرناک ہے۔ [1]

یہ گفتگو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق سن کر سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رو پڑے، اور کہنے لگے: اللہ ابوالحسن پر رحم کرے۔ اللہ کی قسم! وہ ایسے ہی عظیم انسان تھے۔ [2]

---

[1] كنز العمال ، ص: 410.

[2] روضة النضرة: 212/2.

مذکورہ واقعات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک دوسرے سے ہمدردی اور ایک تعلق خاص ظاہر ہو رہا ہے، اور ایسا ہونا بھی چاہیے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان کی ایسی ہی تربیت کی تھی جس کی وجہ سے محبت ہمدردی اور ایثار ان کی پہچان بن چکی تھی۔ اُس کی مزید وضاحت درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے کہ جس کے طوالت کے سبب صرف ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ''ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، میں سخت حاجت مند ہوں۔ آپ ﷺ نے اپنی کسی بیوی کو پیغام بھجوایا۔ اس نے جواب دیا۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، میرے پاس ماسوائے پانی کے اور کچھ نہیں ہے۔ پھر آپ ﷺ نے دوسری بیوی کی طرف پیغام بھجوایا تو اس کا بھی وہی جواب تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اسے جو کوئی اپنے ہاں مہمان ٹھہرائے گا، اس پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے گا۔ انصار میں سے سیّدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! میں (اسے اپنے ہاں) مہمان ٹھہراؤں گا۔ چنانچہ وہ اس کو لے کر اپنے گھر گئے اور بیوی سے پوچھا، کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ اس نے جواب دیا کچھ نہیں۔ سوائے بچوں کے کھانے کے۔ سیّدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بیوی سے فرمایا ان کو کسی چیز سے بہلا کر سلا دو۔ پھر جب ہمارا مہمان آئے تو ایسا کرنا کہ وہ سمجھے کہ ہم کھا رہے ہیں، اور جب وہ کھانے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو اٹھ کر چراغ کو درست کرنے کے بہانے بجھا دینا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ سیّدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیٹھے رہے اور مہمان نے کھانا کھا لیا۔ اور انہوں نے بھوکے رات گزاری۔ جب صبح کے وقت وہ رسول اکرم ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ فلاں مرد اور فلاں عورت سے خوش ہو گیا۔ یا فرمایا اللہ تعالیٰ

مسکرایا ہے، اور ایک روایت میں اسی طرح آیا ہے، لیکن اس میں سیّدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لیا گیا اور اس کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ (الحشر : 9)

''وہ اپنی بجائے دوسروں پر ایثار کرتے ہیں، اگرچہ وہ خود ضرورت مند ہوں۔'' ❶

غور فرمایئے! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایثار کا کہ خود اور اپنے بیوی بچوں کو بھوکا سلا دیا، لیکن دوسروں کا پیٹ بھر دیا۔ یہ معمولی سی قربانی ہے۔ وہ لوگ بڑی سے بڑی قربانی بھی دوسروں کے لیے دے دیا کرتے تھے۔ چنانچہ جنگ یرموک میں ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں زخمی لوگوں میں اپنے چچا زاد بھائی کو تلاش کر رہا تھا کہ اگر زندہ ہو تو پانی پلا دوں۔ میں نے اپنے بھائی کو تلاش کر لیا اور جب میں ان کے منہ میں پانی ڈالنے لگا تو قریب سے ایک زخمی کے کراہنے کی آواز آئی۔ میرے بھائی نے کہا کہ پہلے پانی اسے پلا دو، میں پانی لے کر اس کی طرف پہنچا اور منہ میں پانی ڈالنے ہی والا تھا کہ قریب سے ایک اور زخمی کے کراہنے کی آواز آئی۔ اس نے کہا کہ بھائی پہلے اس کراہنے والے کو پانی پلا دو، چنانچہ میں پانی لے کر اس کی طرف پہنچا، ابھی میں حلق میں پانی ڈالنے بھی نہ پایا تھا کہ اُس نے دم توڑ دیا۔ میں جلد ہی واپس پلٹا، لیکن کیا دیکھا کہ دوسرے صاحب بھی دم توڑ چکے تھے، میں گھبرا کر اپنے چچا زاد بھائی کے پاس پہنچا تو وہ بھی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ ❷

اس سے بڑھ کر بھی کوئی ایثار کا نمونہ ہو سکتا ہے کہ موت و حیات کی کشمکش میں بھی

---

❶ صحيح بخاري، كتاب مناقب الانصار، رقم: 3798، صحيح مسلم، كتاب الأشربة، رقم: 5359.

❷ حیاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درخشاں پہلو۔

دوسروں کا خیال رکھا جا رہا ہے۔ اپنی ضرورت کے باوجود دوسروں کو ترجیح دی جا رہی ہے۔ اگر یہ سب کچھ محبت نہیں ہے تو پھر یہ کیا ہے؟ یقیناً یہ سب کچھ محبت کی وجہ سے ہی ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ جب کسی کو کسی سے محبت ہوتی ہے وہ اپنے محبوب کے لیے سب کچھ کر گزرتا ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے جان و مال کو قربان کر دیا تھا۔ یہی محبت ہے کہ جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنا سب کچھ دوسروں پر قربان کرنے کی ہمت و طاقت عطا فرمائی۔

سیّدنا جعفر بن عبداللہ بن اسلم ھمدانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ یمامہ کے دن مسلمانوں میں سب سے پہلے سیّدنا ابوعقیل انیفی رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے ان کو تیر کندھوں اور دل کے درمیان لگا تھا جو لگ کر ٹیڑھا ہو گیا، جس سے شہید نہ ہوئے۔ پھر وہ تیر نکالا گیا اور ان کی بائیں جانب اس تیر کے لگنے کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھی یہ شروع دن کی بات ہے، پھر انہیں اٹھا کر ان کے خیمے میں لایا گیا۔ جب لڑائی گھمسان کی ہونے لگی اور مسلمانوں کو شکست ہو گئی اور وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے اپنی قیام گاہوں سے بھی گزر گئے، اور سیّدنا ابوعقیل اپنے زخم کی وجہ سے کمزور پڑے ہوئے تھے انہوں نے سیّدنا معن بن عدی رضی اللہ عنہ کی آواز سنی وہ انصار کو بلند آواز سے لڑنے کے لیے ابھار رہے تھے کہ اللہ پر بھروسہ کرو، اور اپنے دشمن پر دوبارہ حملہ کرو اور معن رضی اللہ عنہ لوگوں کے آگے آگے تیزی سے چل رہے تھے یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ انصار کہہ رہے تھے کہ ہم انصار کو دوسروں سے الگ کردو۔ چنانچہ ایک ایک کر کے انصار ایک طرف جمع ہو گئے۔

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پھر سیّدنا ابوعقیل رضی اللہ عنہما انصار کے پاس جانے کے لیے کھڑے ہوئے۔ میں نے کہا اے ابوعقیل! آپ کیا چاہتے ہیں؟ آپ میں لڑنے کی طاقت تو ہے نہیں، انہوں نے کہا کہ اس منادی نے میرا نام لے کر آواز

لگائی ہے، میں نے کہا وہ تو کہہ رہا ہے اے انصار! لڑنے کے لیے واپس آؤ وہ زخمیوں کو واپس بلانا نہیں چاہتا ہے (وہ تو ان لوگوں کو بلا رہا ہے جو لڑنے کے قابل ہوں)

اس واقعہ سے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایثار و ہمدردی واضح ہے۔ کیونکہ بغیر محبت کے قربانی کا تصور ممکن ہی نہیں ہے۔ قربانی ہوتی ہی محبت کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسی ہی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

باب 5

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اہل بیت سے محبت

قارئین کرام ! پچھلے صفحات میں ہم نے واضح کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں بے پناہ محبت کرنے والے تھے، کیونکہ جانتے تھے کہ آپس میں محبت ایمان ہے، اور ایمان کے بغیر کوئی شخص کامیاب نہیں ہوسکتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مطمع نظر صرف اور صرف آخرت کی کامیابی تھی۔ اسی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور اس محبت کی راہ میں انہوں نے کسی بھی بت کو حائل نہیں ہونے دیا۔ چاہے وہ بت قومیت کا ہو چاہے وطنیت کا، لسانیت کا ہو یا رنگ ونسل کا، ہر بت کو انہوں نے آپس کی محبت کے لیے توڑ ڈالا اور مذکورہ کسی بھی چیز کو انہوں نے محبت کے لیے معیار مقرر نہ کیا۔ بلکہ آپس میں محبت محض اللہ کی رضا کے لیے کی جو کہ ان کی دنیا اور آخرت کی کامیابی کا سبب بنی۔ کیونکہ ان کو بتا دیا گیا تھا کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہی ہے کہ تم آپس میں پیار و محبت سے رہو۔

لہٰذا انہوں نے بغیر کسی لالچ اور حرص کے ایک دوسرے سے محبت کی۔ یہ محبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عموماً موجود تھی، لیکن یہ محبت اہل بیت کے ساتھ اپنی آخری حد کو چھوتی تھی۔

﴿ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ﴾ (الشوریٰ : 23)

’’آپ کہہ دیجیے کہ میں اللہ کی پیغام رسانی پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ہوں، صرف قرابت کی محبت چاہتا ہوں۔‘‘

ان کو معلوم تھا کہ اہل بیت سے محبت ضروری ہے، بلکہ ایمان ہے اور اس پر مزید اضافہ رسول اللہ ﷺ کا تاکیدی حکم بھی تھے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

((أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِيْ، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِيْ.)) ❶

''کہ میں تمھیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا ہوں۔ میں تمھیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ سے ڈراتا ہوں۔''

یعنی میرے اہل بیت کا تم ہمیشہ خیال رکھنا اور ان کے حقوق کے متعلق خاص طور پر اللہ سے ڈرنا۔ آپ ﷺ کے اہل بیت سے محبت محض اس لیے بھی ضروری ہے بلکہ ایمان ہے کہ وہ آپ ﷺ کے رشتہ دار ہیں۔ آپ ﷺ نے یہ صراحت اس وقت ارشاد فرمائی تھی کہ جب آپ ﷺ کے چچا عباس بن عبدالمطلب نے آپ ﷺ سے بعض قریشیوں کی بنو ہاشم کے ساتھ سرد مہری کی شکایت کی تھی کہ قریشی بنو ہاشم سے تنگ دل سے لگتے ہیں۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک بنو ہاشم جو کہ میرے رشتہ دار ہیں۔ ان سے محبت نہ ہوگی ایمان نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ لوگ اللہ کے محبوب ہیں اور افضل ترین لوگ ہیں آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ کنانہ کو اولاد اسماعیل علیہ السلام سے منتخب فرمایا ہے، اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنو ہاشم کو چن لیا ہے۔ یعنی اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سب سے افضل ترین اگر کوئی لوگ ہیں تو وہ بنو ہاشم ہیں یقیناً یہ فضیلت اس وجہ سے ہے کہ یہ اللہ کے محبوب اور لاڈلے ہیں۔ اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ اہل بیت سے محبت کی جائے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل بیت سے خاص طور پر محبت کرتے تھے۔ ان کا خیال کیا کرتے تھے، اور ان کی دلجوئی کیا کرتے

❶ صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابه، رقم: 6225.

تھے، اور خوش رکھتے تھے اور ان کو عزت و شرف کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ چنانچہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ جب عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کو دیکھتے تو ادب و احترام کی وجہ سے اپنی سواریوں سے نیچے اتر جاتے تھے۔ بلکہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حالت یہ تھی کہ اپنے دور اقتدار میں سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کی دُعا کروایا کرتے تھے یہ ایک شرف تھا جو کہ سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کو دیتے تھے، اور اللہ ان کے اس شرف کی لاج رکھتے ہوئے ان کی دُعا بھی قبول فرما لیتا تھا، اس طرح جب آپ نے اپنے دورِ خلافت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عطیات مقرر کیے تو اپنے سیکرٹری سے فرمایا کہ سب سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے افراد کے نام لکھو، اور ان میں آپ کی ازواج مطہرات کے بعد بنی عبد مناف کے نام لکھو، اور ان میں سے پہلے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور پھر سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نام لکھو۔

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے پانچ ہزار (5000) سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے لیے چار ہزار (4000) اور سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لیے تین ہزار (3000) دینار مقرر کیے۔ آپ رضی اللہ عنہ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہاشمی کو کمسنی کے باوجود کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں جگہ دیا کرتے تھے، اور ان کے علم وفضل سے مستفید ہوا کرتے تھے۔

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سبطِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر ان سے خوش طبعی کرتے اور فرماتے:

((بِأَبِيْ ، شَبِيْهٌ بِالنَّبِيِّ ، غَيْرَ شَبِيْهٍ بِعَلِيٍّ .)) ❶

---

❶ تاریخ یعقوبی : 117/2.

''میرا باپ تم پر فدا ہو، یہ تو نبی کریم ﷺ کے مشابہ ہے، علی رضی اللہ عنہ کے مشابہ نہیں ہے۔''

یہ روایت صحیح بخاری میں سیّدنا عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ مروی ہے:

((صَلَّى أَبُوْبَكْرٍ رضی اللہ عنہ الْعَصْرَ ثُمَّ خَرَجَ يَمْشِي وَمَعَهُ عَلِيٌّ، فَرَأَى الْحَسَنَ يَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ، فَحَمَلَهُ عَلَى عَاتِقِهِ، وَقَالَ: بِأَبِي شَبِيْهٌ بِالنَّبِيِّ ﷺ، لَيْسَ شَبِيْهًا بِعَلِيٍّ، وَعَلِيٌّ يَضْحَكُ.)) ❶

''سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز پڑھی اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلتے ہوئے باہر آئے۔ انہوں نے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا اور فرمایا، میرا باپ تم پر قربان! تمہاری مشابہت نبی کریم ﷺ سے ہے۔ علی رضی اللہ عنہ سے نہیں۔ اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ ہنس رہے تھے۔''

نیز سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ أَشْبَهَ بِالنَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ، وَقَالَ فِي الْحُسَيْنِ أَيْضًا: كَانَ أَشْبَهَهُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.)) ❷

''سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے زیادہ اور کوئی شخص نبی کریم ﷺ سے مشابہت نہیں رکھتا تھا، اس طرح سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ سے مشابہت رکھتے ہیں۔''

---

❶ صحيح بخاری، کتاب المناقب، رقم: 3542.

❷ صحيح بخاری، کتاب فضائل النبی ﷺ، رقم: 3752، 3748.

چنانچہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی انہی الفاظ سے اپنے پھول حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو لوری دیا کرتی تھیں، اور جب آپ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئیں تو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیوی سیّدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہی آپ کی تیمار داری کرتی رہیں، حتیٰ کہ انہوں نے ہی سیّدہ فاطمہ کو غسل دیا، اور آپ کے جنازے کے ساتھ گئیں۔

ان گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ اصحاب النبی رضی اللہ عنہم اجمعین اہل بیت رضی اللہ عنہم کی عظمت کے پیش نظر، دل و جان سے ان کا احترام کرتے تھے اور ان کا حق پہچانتے تھے۔ چنانچہ سیّدنا عبدالرحمٰن بن ابی نعیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ سَأَلَهُ رَجُلٌ عَنِ الْمُحْرِمِ، قَالَ شُعْبَةُ: أَحْسِبُهُ يَقْتُلُ الذُّبَابَ، قَالَ: أَهْلُ الْعِرَاقِ يَسْأَلُوْنِي عَنِ الذُّبَابِ وَقَدْ قَتَلُوا ابْنَ ابْنَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا.)) [1]

''میں نے سنا، جب ایک شخص نے سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے محرم کے بارے میں دریافت کیا امام شعبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے اس نے پوچھا تھا کہ کیا وہ مکھی مار سکتا ہے؟ تو سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ اہل عراق مجھ سے مکھی کے مارنے میں دریافت کرتے ہیں، حالانکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے جگر کے گوشے کو شہید کر دیا، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں نواسوں کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا، دنیا میں یہ دونوں میرے پھول ہیں۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان پھولوں سے تعلق جوڑنے میں فخر محسوس کرتے تھے، اور انہیں

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، رقم: 3753.

سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔ لہٰذا تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ بھی اہل بیت رضی اللہ عنہم کا احترام کریں، اور برصغیر کے مصنوعی سادات کی بداعمالیوں کو اصلی سادات کے استخفاف کا ذریعہ نہ بنائیں، اور اس بات پر یقین رکھیں کہ حقیقی ساداتِ کرام واقعی اشراف، عقل منداور عزت داراور طہارتِ قلبی کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ وہ اُمت میں فساد نہیں ڈالتے، بلکہ پُر امن رکھنے کی تگ ودو کرتے ہیں۔

جب یہ بات ثابت ہے کہ اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رحماءُ بینھم تھے تو پھر ان کی محبت کے پردے میں آج کل اتنا بڑا فساد کیوں ہو رہا ہے، اور مسلمان ایک دوسرے کے ہاتھوں گاجر مولی کی طرح کیوں کٹے جارہے ہیں۔ آج امت مسلمہ کو اختلاف وانتشار کا شکار کیوں بنا رکھا ہے۔ جن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بنیاد بنا کر یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے وہ تو ایک دوسرے سے انتہائی محبت کرتے تھے۔ ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے۔ لہٰذا ہمیں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا ثبوت دیتے ہوئے فتنہ و فساد کو چھوڑ کر ایک دوسرے سے پیار اور محبت کرنا چاہیے۔ تاکہ انہی سے سچی عقیدت و احترام اور پیار اور محبت والے جذبات کا اظہار کیا جائے اور جو جعلی اہل بیت بنے ہوئے ہیں ان سے بچا جائے۔

قارئین کرام! ہماری اب تک کی گزارشات سے یہ بات معلوم ہوگئی ہوگی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل بیت سے کتنی محبت کرتے تھے، اور ان کا کس قدر احترام کرتے تھے، اور عقیدت واحترام کا اظہار کرتے تھے۔

اب ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ اہل بیت سے کون لوگ مراد ہیں، اور اہل بیت کن کو کہا جاتا ہے تو سب سے پہلے ہم اہل بیت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن منظور نے لکھا ہے۔

((آلُ الرَّجُلِ أَهْلُهُ ، وَآلُ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ : أَوْلِيَاءُهُ وَأَصْلُهَا أَهْلُ ثُمَّ أُبْدِلَتْ الْهَاءُ هَمْزَةً فَصَارَ فِي التَّقْدِيْرِ أأْلُ ، فَلَمَّا تَوَالَتْ الْهَمْزَتَانِ أُبْدِلَتْ الثَّانِيَةُ اَلْفًا .)) [1]

''آل الرجل سے مراد اس کا اہل ہوتے ہیں، اور ''آل اللہ ورسولہ '' سے ان کے اولیاء مراد ہوتے ہیں۔ اصلاً یہ لفظ ''أهل '' ہے اس کی ہا کو الف سے بدل کر ''أأل '' بنایا گیا، پھر دونوں ہمزے اکٹھے ہو گئے تو دوسرے کو الف سے بدل دیا گیا، تو آل بن گیا۔''

البتہ یہ لفظ زیادہ تر معزز خاندانوں کی طرف مضاف ہوتا ہے، جیسے آلِ رسول ﷺ، آلِ علی، آلِ عباس وغیرہ۔

دورِ جاہلیت میں جب اہل البیت کہا جاتا تھا تو اس سے مراد بیت اللہ کے باشندے ہوتے تھے، لیکن اسلام میں اس سے مراد، رسول اکرم ﷺ کی آل ہے۔

---

[1] لسان العرب: 31/11.

باب 6

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اہل بیت کی محبت

قارئین کرام! مذکورہ گزارشات سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل بیت سے کتنی محبت کرتے تھے، اور کس قدر اہل بیت کے لیے اچھے جذبات رکھتے تھے۔ اب ذرا اہل بیت کی محبت بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ دیکھ لیجئے، تا کہ کوئی بد باطن یہ غلط بیانی نہ کرے کہ جی یہ لوگ تو اہل بیت سے محبت کرتے تھے، لیکن اہل بیت ان سے محبت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کے دلوں میں ان کے لیے نفرت اور عداوت تھی ۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اہل بیت کے دلوں میں کسی بھی صحابی کے خلاف نفرت اور عداوت نہ تھی۔ کیونکہ یہ چیز تباہی اور بربادی کا باعث بنتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابی اور اپنی جنت کے لیے پیدا کیا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ان سے کوئی ایسی بات یا چیز سرزد ہو جو کہ اہل جنت کی صفات کے منافی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اہل بیت نے محبت کی نا کہ نفرت کو ہوا دی ۔ چنانچہ ہر وہ کام کیا کہ جس سے محبت کا اظہار ہوتا ہو اور نفرت کی جڑ کٹ جاتی ہو۔ مثلاً صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کے لیے بہت ہی اچھے جذبات کا اظہار کرنا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک ناموں پہ اپنے بچوں کے نام رکھنا، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رشتہ داریاں قائم کرنا۔

مذکورہ چیزیں محبت کی بنیادیں ہیں کہ جن کی وجہ سے محبت پروان چڑھتی ہے، اہل بیت رضی اللہ عنہم نے یہ تمام بنیادیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جوڑیں، تا کہ محبت و انس اور عقیدت و احترام ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم ہو جائے۔ اور بد باطن اور فتنہ پرور لوگوں کا

فتنہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ چنانچہ امیر المومنین سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے کوفہ کی جامع مسجد میں خطبہ ارشاد فرمایا، اور اس میں لوگوں کو مخاطب کر کے پوچھا: اَیُّهَا النَّاسُ اَخْبِرُوْنِی مَنْ اَشْجَعُ النَّاسُ؟ ''لوگوں مجھے بتاؤ کہ سب سے بڑھ کر شجاع اور دلیر کون ہے؟''

انہوں نے جواب دیا: اے امیر المومنین! آپ ہی شجاع ترین انسان ہیں۔ آپ نے فرمایا: جہاں تک میرا معاملہ ہے (اس میں اتنی حقیقت ہے کہ) میرا جس کسی دشمن سے مقابلہ ہوا، میں نے حساب برابر کر دیا، لیکن تم مجھے "اَشْجَعُ النَّاس" کے متعلق بتاؤ کہ وہ کون ہے؟

حاضرین نے کہا: پھر ہم نہیں جانتے، لہٰذا آپ ہی بتائیں کہ وہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو کفارِ قریش کی گرفت سے چھڑانے کی پاداش میں سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے المناک انجام، اور آپ کے صبر و استقلال کا واقعہ سنایا، اور پھر اتنا روئے کہ آپ کی چادر تر ہونے لگی۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے کوفی سامعین سے کہا: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ مجھے بتاؤ:

''مومن آلِ فرعون بہتر تھا...... یا سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ؟

حاضرین کوئی جواب نہ دے سکے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم جواب کیوں نہیں دیتے، اللہ کی قسم! سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ گھڑی (جس میں انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفارِ قریش سے چھڑانے کی پاداش میں خوفناک مار کھائی تھی) آلِ فرعون کے مومن سے بہتر ہے، کیونکہ وہ اپنا ایمان چھپائے پھرتا تھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے ایمان کا اعلان کر رہا تھا۔ [1]

---

[1] كنز العمال، رقم 35690.

علاوہ ازیں آپ کو اہل السنہ والجماعت اور شیعہ کی کتابوں میں بہت سے واضح ارشادات ملیں گے کہ جن میں نبی کریم ﷺ نے اپنے ساتھیوں کے فضائل و مناقب بیان کیے ہیں۔ چنانچہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ کچھ لوگ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازیبا الفاظ کا استعمال کرتے ہیں، تو آپ منبر پر چڑھے اور فرمایا:

((وَالَّـذِیْ فَـلَـقَ الْـحَبَّةَ وَبـرَأَ النَّسَمَةَ لاَ یُحِبُّهُمَا إِلَّا مُؤْمِنٌ فَـاضِـلٌ، وَلَا یُبْـغِـضُـهُـمَـا وَلاَ یُخَالِفُهُمَا إِلَّا شَقِیٌّ مَارِقٌ ، فَحُبُّهُمَا قُرْبَةٌ، وَبُغْضُهُمَا مُرُوْقٌ ، مَابَالُ أَقْوَامٍ ، یَذْکُرُوْنَ اَخَـوَی رَسُـوْلِ الـلّٰـهِ وَوَزِیْـرَیْهِ وَصَاحَبَیْهِ وَسَیِّدَیْ قُرَیْشٍ وَأَبَـوَی الْـمُسْـلِمِیْـنَ؟ فَـأَنَـا بَـرِیٌٔ مِـمَّنْ یَذْکُرُهُمَا بِسُوءٍ مُعَاقِبٌ .))[1]

''اس ذات کی قسم جس نے دانے اور گٹھلی کو پھاڑا اور روح کو پیدا کیا! ان دونوں سے وہی محبت کرے گا جو فاضل مؤمن ہوگا، اور ان دونوں سے وہی بغض و عداوت رکھے گا جو بدبخت اور مارق (بدمذہب) ہوگا، کیونکہ ان دونوں کی محبت تقرب الٰہی کا سبب ہے، اور ان سے بغض ونفرت رکھنا دین سے خارج ہونے کی علامت ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے دو بھائیوں، اور دو وزیروں، اور دو ساتھیوں، اور قریش کے دو سرداروں اور مسلمانوں کے دو باپوں کو نازیبا الفاظ سے یاد کرتے ہیں؟ میں ان لوگوں سے لاتعلق ہوں جو ان دونوں کو برے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، اور اس پر انہیں سزا دوں گا۔''

---

[1] کنز العمال، رقم : 36096.

اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ شیخین سیّدنا ابوبکر اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرماتے ہیں:

''صحابہ کرام کے سرخیل اور سب سے افضل مسلمان ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور پھر ان کے جانشین عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ رب کعبہ کی قسم! اسلام ان دونوں شخصیات کی عظمتوں کا معترف ہے انھوں نے اسلام کی خاطر بڑی سے بڑی مشکل کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ اللہ ان پر رحم فرمائے اور انھیں بہترین بدلہ عطا فرمائے۔''

کلینی شیعہ راوی ابوبصیر سے روایت کرتا ہے، اس نے کہا:

''میں ایک دن امام صادق علیہ السلام کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضری ہوئی، اور بڑی فصیح و بلیغ گفتگو کی، اس نے دورانِ گفتگو امام علیہ السلام سے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے متعلق بھی پوچھا۔ آپ نے فرمایا تمہیں چاہیے کہ ان دونوں سے (بغض و عداوت کی بجائے) محبت کرو۔ وہ عورت کہنے لگی: میں قیامت کے دن اپنے رب سے کہہ دوں کہ آپ نے مجھے ان کا احترام کرنے کا حکم دیا تھا؟

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں!

مشہور شیعہ علی بن عیسیٰ اربلی اپنی کتاب ''کشف الغمہ'' میں لکھتا ہے۔

''امام باقر علیہ السلام سے تلوار کے دستے کو مزین وآراستہ کرنے کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جائز ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما نے بھی اپنی تلوار کے دستے کو چاندی سے آراستہ کیا تھا۔

سائل نے کہا: آپ بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کہتے ہیں؟

''فرمایا: ہاں وہ صدیق تھے! ہاں وہ صدیق تھے، جو آپ کو صدیق نہیں کہتا اللہ نہ دنیا میں اس کی کوئی بات سچی کرے، اور نہ آخرت میں۔''

قرآن مجید کے مطابق نبی کریم ﷺ کے بعد سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا رتبہ ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾ (النساء : 69)

اس آیت میں انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد صدیقین کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد شہداء اور صالحین کا۔

ان تمام روایات سے جو کہ شیعہ حضرات کی کتابوں کی بھی ہیں سے واضح ہوتا ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ، سیّدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے بے پناہ محبت کرتے تھے، اور ان کا ازحد احترام کرتے تھے، بلکہ ان کو اپنے لیے بہترین نمونہ قرار دیتے تھے کیونکہ یہ افضل اور انتہائی بزرگی والے ہیں۔

مزید برآں ''نهج البلاغة'' میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف منقول ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

''میں نے اصحابِ محمد ﷺ کو دیکھا ہے، میں تم میں کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھ رہا جو ان کے مشابہ ہو۔ وہ پراگندہ حالی میں صبح کرتے تھے، کیونکہ وہ قیام اور سجدوں میں رات بسر کرتے تھے۔ وہ (تھکاوٹ کی وجہ سے سجدوں میں) اپنی پیشانیوں اور رخساروں پر ٹیک لگا کر راحت حاصل کرتے تھے، اور یومِ حساب کو یاد کر کے یوں کھڑے ہوتے تھے، جیسے وہ انگاروں پر کھڑے ہوں اور طویل سجدوں کی وجہ سے گویا ان کی آنکھوں کے درمیان بکری کے گھٹنے جیسے نشان پڑ گئے تھے۔ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا تو ان کی آنکھوں سے آنسو اُمڈ پڑتے، یہاں تک کہ ان کے گریبان تر ہو جاتے۔ وہ

عذاب کے خوف اور ثواب کی اُمید کی وجہ سے یوں لرزتے، کانپتے جھک جاتے جیسے آندھی کے طوفان سے درخت جھک جاتے ہیں۔''

اور جب سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، تو آپ رضی اللہ عنہ لوگوں کی طرف نکلے اور فرمایا:

((لِلّٰهِ دَرُّ بَاكِيَةِ عُمَرَ! وَاعمراهُ! قُوْمٌ الاوَدَ وَابرا العَمَد، وَاعُمَرَاهُ! مَاتَ نَقِيَّ الجَيْبِ، قَلِيْلَ الْعَيْبِ، وَاُعمراه! ذَهَبَ بِالسُّنَّةِ وَاَبْقَى الْفِتْنَةَ.)) ❶

''عمر رضی اللہ عنہ (کی خوبیوں کو یاد کر کے) رونے والی کا کمال، اللہ ہی کو زیبا ہے۔ آہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کس قدر غم ناک ہے! انہوں نے ٹیڑھ اور بگاڑ کو سیدھا کر دیا اور بیماری کو تندرستی میں بدل دیا۔ آہ عمر کی شہادت کس قدر غمناک ہے! وہ اس حال میں فوت ہوئے کہ وہ صاف وشفاف لباس والے اور معمولی داغ والے تھے۔ آہ عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کس قدر اندوہناک ہے! وہ سنت لے گئے اور آزمائش چھوڑ گئے۔''

امیر المومنین سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جس قدر محبت تھی اس کا اندازہ درج ذیل روایت سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے رومیوں کے ساتھ جہاد میں اپنی شرکت کے متعلق مشورہ کیا، تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''آپ خود تشریف نہ لے جائیں، بلکہ کسی تجربہ کار شخص کی سپہ سالاری میں لشکر روانہ کر دیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے غلبہ عطا فرمایا تو یہی آپ رضی اللہ عنہ کی

❶ البلاغة، ص: 277، ص: 185

خواہش ہے، اور اگر خدانخواستہ شکست ہوگئی تو آپ کا وجود مسلمانوں کے لیے حوصلے کا باعث ہوگا۔ آپ کی عدم موجودگی میں کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آتی جو مسلمانوں کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتی ہو۔''

اس سے بھی زیادہ وضاحت نہج البلاغہ کی اس نص میں ہے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''مسلمانوں کی فتح وشکست قلت وکثرت میں نہیں۔ بلکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ دینِ اسلام کو غلبہ عطا فرمائے گا، اور اللہ کا یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ آپ خود تشریف نہ لے جائیں، کیونکہ آپ کی حیثیت ہار کے اس دھاگے کی سی ہے جس میں موتیوں کو پرو دیا جاتا ہے۔ اگر دھاگہ ٹوٹ جائے تو موتی بکھر جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی تعداد اگرچہ کم ہے، مگر انھیں ایمان کی قوت ہی کافی ہے۔ آپ چکی کا قطب ہیں، جس کے گرد چکی گھومتی ہے، آپ قائم رہیں گے تو چکی گھومتی رہے گی، اگر آپ بنفسِ نفیس میدانِ جنگ میں شرکت کے لیے چلے گئے تو دشمن یہ سوچ سکتا ہے کہ یہ مسلمانوں کی بنیاد اور مرکز ہیں انہیں ختم کر دیا جائے تو مسلمانوں کو آسانی سے شکست دی جا سکتی ہے، اور وہ یہ سوچ کر آپ پر پوری شدت سے حملہ آور ہوں گے، اس لیے میرا مشورہ ہے کہ آپ کا مدینہ میں رہنا میدان جنگ میں جانے سے بہتر ہے۔''

امام ابومریم سے روایت ہے کہ میں نے امیر المومنین سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے جسم پر پرانا کمبل دیکھا، جس کے کنارے گھس چکے تھے۔ میں نے کہا: اے امیر المومنین! مجھے آپ سے ایک کام ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہیے، کیا کام ہے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ اس کمبل کو اُتار پھینکیں، اور کوئی دوسرا کمبل اوڑھ لیں۔ یہ سنتے ہی آپ رضی اللہ عنہ

نے وہ کمبل اپنے منہ پر ڈال لیا، اور رونے لگے۔ میں نے عرض کیا: اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ! اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ میری اس بات کا آپ پر اس قدر ناگوار اثر پڑنے والا ہے، تو میں یہ بات کبھی نہ کہتا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کمبل مجھے میرے خلیل نے پہنایا تھا۔ میں نے عرض کیا: آپ رضی اللہ عنہ کا خلیل کون ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب۔ انہوں نے اللہ سے خلوص کا معاملہ کیا تو اللہ نے ان سے خیر خواہی کی۔ ❶

غور فرمایئے: سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کس قسم کے جذبات کا اظہار فرما رہے ہیں۔ نیز ان کو اپنا خلیل قرار دے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے یہ عظیم انسان کامیاب ترین انسانوں میں سے ایک ہے۔ اس چیز کا اظہار اپنی زبان مبارک سے اس وقت کیا، جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ زخمی حالت میں موت و حیات کی کشمکش میں تھے۔ چنانچہ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ:

((إِنِّي لَوَاقِفٌ فِي قَومٍ، يَدْعُوْنَ اللّٰهَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، وَقَدْ وُضِعَ، مَرْفَقَهُ عَلَى مَنْكَبِي يَقُوْلُ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ! إِنِّي لَأَرْجُوأَنْ يَجْعَلَكَ اللّٰهُ مَعَ صَاحِبَيْكَ، لِأَنِّي كَثِيْرًا مِمَّاكُنْتُ اَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: كُنْتُ وَأَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرَ، وَفَعَلْتُ وَأَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ، وَانْطَلَقْتُ وَأَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرَ، وَدَخَلْتُ وَأَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ وَخَرَجْتُ وَأَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ فَأَلْتَفَتُّ فَإِذَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ.)) ❷

---

❶ مصنف ابن ابی شیبه، رقم: 12046.

❷ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، رقم: 3677، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابه، رقم: 6187.

''جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو چارپائی پر رکھا گیا تو میں چند لوگوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دعا مانگ رہے تھے کہ ایک آدمی نے اپنی کہنی میرے کندھے پر رکھی اور یوں کہنے لگا۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔ مجھے امید واثق ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے دونوں رفیقوں کے ساتھ ملائے گا۔ کیونکہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر فرماتے سنا، میں اور ابوبکر، عمر اکٹھے تھے، میں نے اور ابوبکر وعمر نے یہ کام کیا، میں، ابوبکر اور عمر روانہ ہوئے، میں، ابوبکر اور عمر داخل ہوئے اور میں ابوبکر وعمر نکلے۔ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو یہ کلمات ادا کرنے والے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب تھے۔''

ذرا غور فرمایئے: جس شخصیت کے بارے میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس قدر بہترین جذبات وخیالات کا اظہار فرمایا ہو، ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ یہ شخصیت عظیم ترین انسان ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ جیسا صاحب بصیرت وقوت کسی غلط شخص کی قطعاً تعریف نہیں کر سکتا۔ اس سے ان لوگوں کو بھی ہوش کے ناخن لینے چاہیے کہ جو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے کی کوشش کرتے ہیں، اگر وہ برے ہوتے تو علی رضی اللہ عنہ جیسا عظیم انسان کبھی بھی ان کی تعریف وتوصیف نہ کرتا۔ جن کی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ مدح سرائی کریں یقیناً وہ عظیم لوگ ہیں۔ اور آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔

اب امیر المومنین سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان کا نظریہ بھی پڑھ لیجئے جو اللہ تعالیٰ کے فرمان "رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" کا آئینہ دار ہے۔ چنانچہ سیّدنا ضرار بن حمزہ ضبائی، سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے ہاں تشریف لائے تو آپ رضی اللہ عنہ نے

ان سے کہا: میرے سامنے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کیجئے، انہوں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! اس معاملے میں آپ معذرت قبول نہیں کرتے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں معذرت قبول نہیں کر سکتا۔ انہوں نے کہا: اگر ضرور ہی سننے ہیں تو سنیے: اللہ کی قسم! وہ بلند خیال اور مضبوط اعصاب والے تھے، دوٹوک بات کہتے اور حق کے ساتھ فیصلہ کرتے تھے۔ ان کے پہلوؤں سے علم کے چشمے پھوٹتے تھے، اور چاروں طرف حکمت و دانائی بولتی تھی۔ وہ دنیا کی رنگینیوں سے اُچاٹ اور رات اور اس کے اندھیروں سے مانوس تھے۔ اللہ کی قسم! وہ بڑے متحمل اور گہری سوچ رکھنے والے انسان تھے۔ اس دوران اپنی ہتھیلی کو پلٹتے اور اپنے آپ سے مخاطب ہوتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ سستا لباس اور سادہ خوراک پسند کرتے تھے۔ اللہ کی قسم! وہ ہم کے بیچ عام آدمی کی طرح رہتے تھے۔ جب ہم ان کے پاس آتے تو وہ ہمیں اپنے قریب بٹھاتے، اور جب ہم سوال کرتے تو وہ ہمیں جواب دیتے تھے، اور اتنے تقرب کے باوجود ہم ان کی ہیبت کی وجہ سے ان سے گفتگو کی ہمت نہ پاتے۔ جب وہ مسکراتے تو دندانِ مبارک پروئے ہوئے موتیوں کی لڑی جیسے رکھتے تھے۔ وہ اہل دین کی عزت کرتے اور مساکین سے محبت کرتے تھے۔ کوئی طاقتور شخص اپنی طاقت کے بل بوتے پر ان سے ناحق فیصلہ کروانے کی طمع نہ کر سکتا تھا اور نہ کمزور انسان ان کے عدل سے مایوس ہوتا تھا۔

میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے انہیں بعض مواقع پر ستاروں کے ڈھلنے کے بعد اندھیری راتوں میں دیکھا کہ وہ اپنے محراب میں اپنی داڑھی پکڑ کر سانپ کے ڈسے ہوئے کی طرح تڑپ رہے تھے، اور غمگین کی طرح رو رہے تھے اور گویا کہ میں اب بھی انہیں سن رہا ہوں کہ وہ کہہ رہے ہیں۔ ''یَا رَبَّنَا یَا رَبَّنَا'' اور اس کے سامنے گریہ زاری کر رہے ہیں۔ پھر دنیا سے کہہ رہے ہیں کہ تو مجھے دھوکہ دیتی ہے، اور میری

طرف لپکتی ہے۔ مجھ سے دور رہ، کسی اور کو دھوکہ دے، میں تجھے تین طلاقیں دے چکا ہوں، تیری عمر چھوٹی ہے اور محفل حقیر ہے اور مرتبہ معمولی ہے۔آہ! سفر لمبا ہے، سفر خرچ کم ہے اور راستہ پُر خطر ہے......!!

یہ سن کر سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل آئے، اور ان کی داڑھی پر بہنے لگے انہوں نے آنسوؤں کو آستین سے خشک کرنا شروع کر دیا، اور ہم نشین بلک بلک کر رونے لگے۔اس کے بعد آپ نے فرمایا: ابوالحسن پر اللہ رحم فرمائے۔ یقیناً وہ ایسے ہی تھے۔اے ضرار! ان کی شہادت پر تیرا غم کیسا ہے؟ انہوں نے کہا: جیسے کسی عورت کے اکلوتے بیٹے کو اس کی گود میں ہی ذبح کر دیا گیا، ہو (اور اس موقعہ پر) نہ تو اس کے آنسو تھمتے ہیں، نہ غم ختم ہوتا ہے۔ ❶

اس روایت سے آپ نے اندازہ لگالیا ہو گا کہ سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کتنے اشتیاق اور اصرار کے ساتھ سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اوصاف سنے اور کس قدر وسعتِ ظرفی سے ان کے فضل وکمال کا اعتراف کیا۔

اب ہم آپ کے سامنے ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم باوجود اپنے مرتبہ و مقام کے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دل و جان سے قدر کرتے تھے، اور ان کے خلاف کوئی بات سننا گوارا نہ کرتے تھے۔

ساتویں صدی کے مشہور شیعہ محدث بہاؤالدین ابوالحسن علی بن حسین اربلی اپنی کتاب "كشف الغمة في معرفة الآئمة" میں بیان کرتے ہیں کہ عراقیوں کا ایک گروہ سبط رسول سیّدنا علی بن حسین زین العابدین کے پاس آیا، اور سیّدنا ابوبکر وعمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے متعلق نامناسب باتیں کرنے لگا۔ جب وہ اپنی باتوں سے فارغ ہوا، تو

❶ نهج البلاغه، ص: 374، حلية الاولياء، 84/1.

آپ نے فرمایا: میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تم اولین مہاجروں میں سے ہو؟

﴿ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴾ (الحشر : 8)

''جو اپنے گھروں اور مالوں سے بے دخل کر دیے گئے، وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی کے طلب گار ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی نصرت کرتے ہیں، وہی لوگ سچے ہیں۔''

انہوں نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: کیا تم وہ لوگ ہو۔

﴿ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ (الحشر : 9)

''جو دارِ ہجرت (مدینہ) اور ایمان کو ان سے پہلے ٹھکانہ بنا چکے تھے۔ وہ اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور ان (مہاجرین) کو جو کچھ دیا جائے اس سے اپنے سینوں میں تنگی محسوس نہیں کرتے، اور انہیں اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ انہیں خود بھی اس کی شدید ضرورت ہو۔''

انہوں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: تم بذاتِ خود اس بات کے اقراری ہو گئے کہ تم ان دونوں فریقوں میں سے نہیں ہو، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی نہیں ہو، جن کے متعلق اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خبر دی ہے کہ:

﴿ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ (الحشر : 10)

''اے ہمارے ربّ! ہمیں بخش اور ہمارے بھائیوں کو بھی جو ایمان قبول کرنے میں ہم سے سبقت لے گئے، اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے متعلق کینہ و کدورت پیدا نہ کر۔''

میرے پاس سے نکل جاؤ، اللہ تمہارا (برا) کرے۔ [1]

یہ ہے سبطِ رسول، سیّدنا زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہ کا مبارک نکتہ نظر ان لوگوں کے متعلق جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حسن سیرت و سلوک میں عیوب تلاش کرتے ہیں۔

[1] کشف الغمه فی معرفة الائمه.

باب 7 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت رحمہم اللہ کی آپس میں مصاہرت

مذکورہ واقعات سے آپ نے اہل بیت کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت اور عقیدت کا اندازہ لگا لیا ہوگا۔ محبت کا دوسرا اہم ترین ستون مصاہرت ہے۔ یعنی رشتہ داری قائم کرنا کہ جس سے محبت کی عمارت مضبوط ترین ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دوسرے انسانوں کے ساتھ مصاہرت کے ذریعے تعلق مضبوط کرنے والا بنایا، اور اسے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی نشانی قرار ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا۝۵۴﴾ (الفرقان : 54)

''اللہ وہ ذات ہے، جس نے بشر کو پانی سے پیدا فرمایا، اور اسے نسب اور صھر (سے رشتہ استوار کرنے) والا بنایا اور تیرا رب قدرت والا ہے۔''

مصاہرت کا معنی ومفہوم:

مصاہرت کا معنی ومفہوم یہ ہے کہ دوسروں سے ازدواجی رشتہ کرنا یعنی ان کا داماد یا بہنوئی بننا یا انہیں اپنا داماد اور بہنوئی بنانا۔ مصاہرت ایک شرعی تعلق ہے اور اللہ نے اسے نسب کے ہم پلہ قرار دیا ہے، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِبْنُ أُخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ .)) [1]

''قوم کی بہن کا بیٹا انہی میں سے ہے۔''

[1] صحیح بخاری، کتاب الفرائض، رقم: 6762.

عربوں کے ہاں مصاہرت کا بڑا مرتبہ ومقام تھا۔ وہ اس پر فخر کے قائل تھے۔ لوگ اپنی بیٹیاں اور بہنیں اُن لوگوں سے نہیں بیاہتے تھے، جنہیں وہ حسب ونسب کے اعتبار سے اچھا نہ جانتے ہوں۔ اس بات کا اس دور میں بھی خیال کیا جاتا تھا چنانچہ عرب لوگ کہتے تھے۔

''شریف النسب آدمی ہی اچھی اولاد پیدا کرسکتا ہے، اور کھجور سے اچھا پھل حاصل کرنے کے لیے اس کو مناسب جگہ پر بویا جاتا ہے۔ یعنی اچھے حسب ونسب والے مرد کی اولاد بھی اچھی ہوگی۔''

اس وجہ سے عربوں کی کوشش ہوتی تھی کہ اچھے سے اچھے لوگوں کے ساتھ مصاہرت قائم کی جائے، کیونکہ اس سے تعلقات اور نسل آگے بڑھنے ہوتے ہیں۔ اور اسی سے پیار ومحبت کی فضا قائم رہ سکتی ہے۔ جیسا کہ آج بھی ہمارے معاشرے میں لوگ رشتے ناطے جوڑنے سے پہلے پوری طرح چھان بین کرتے ہیں، آگے پیچھے سے معلومات حاصل کرتے ہیں کہ کہیں غلط قسم کے افراد سے واسطہ نہ پڑ جائے، کیونکہ اس سے نسل اور تعلقات خراب ہو سکتے ہیں۔ الغرض رشتہ داری قائم کرنے کے لیے اچھے سے اچھے خاندان کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ تاکہ پیار اور محبت کے رشتے ہمیشہ ہمیشہ قائم و دائم رہیں۔ اس حوالے سے بھی اہل بیت کو دیکھیے کہ انہوں نے انہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رشتے جوڑے تعلقات قائم کیے کہ جنہیں لوگ گالیاں دیتے ہیں۔ برا بھلا کہتے ہیں۔ اگر وہ برے تھے تو رشتہ داریاں قائم کیوں کیں۔ یقیناً وہ بُرے نہیں تھے۔ اس لیے ان سے رشتہ داریاں قائم کیں۔ کیونکہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے تھے۔

اہل بیت عظام کی صدیقی گھرانے سے مصاہرت:

اس کے ثبوت کے لیے جعفر بن محمد ہاشمی قریشی کا یہ قول ہی کافی ہے کہ:

((وَلَدَنِيْ اَبُوْبَكْرٍ مَرَّتَيْنِ .))

''مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ جنا ہے۔''

آپ جانتے ہیں کہ امام جعفر الصادق کی والدہ اُم فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ کا نام تھا۔ اُسماء بنت عبدالرحمٰن بن اُبی بکر الصدیق۔

ذرا سوچئے اور غور فرمایئے کہ امام جعفر رحمہ اللہ، صادق نے محمد بن ابوبکر کا نام نہیں لیا، بلکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام لیا ہے، کیونکہ انہی کے نام پر ہی فخر کیا جا سکتا ہے جو بڑے رتبہ کے انسان ہوں۔

سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اُموی گھرانے سے مصاہرت:

اس کے ثبوت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے سیّدنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ان کی بھانجی اُمامہ بنت العاص بن ربیع اُمویہ سے نکاح کیا تھا۔

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہاشمی گھرانے سے مصاہرت:

چنانچہ ابن طقطقی جن کا اصل نام صفی الدین محمد بن تاج الدین ہے، اور یہ نامور شیعی مؤرخ اور نساب ہے، اپنی کتاب (ص: 58) میں لکھتا ہے جو اس نے عباسی ہاشمی سادات کرام کے قاتل ہلاکو خاں کے مشیر نصیر طوسی کے صاحبزادے اصیل الدین حسن کی نذر کی تھی۔

((وَأُمُّ كُـلْثُـوْمٍ أُمُّهَا فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ، تَزَوَّجَهَا عُمَرَ بْـنُ الْخَطَّابِ ، فَوَلَدَتْ لَهُ زَيْدًا ثُمَّ خَلَفَ عَلَيْهَا عَبْدُاللّٰهِ بْنَ جَعْفَرٍ .))

''اور اُم کلثوم، ان کی ماں سیّدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔ ان سے

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے شادی کی تھی۔ چنانچہ اس نے ان کے بیٹے زید کو جنم دیا، پھر ان کی وفات کے بعد سیّدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی۔"

علامہ ابوالحسن عمری اپنی کتاب "المجدی" میں لکھتے ہیں:

((والمعول عليه من هذه الروايات ما رأيناه آنفا من أن العباس بن عبدالمطلب زوجها عمر برضى أبيها عليه السلام، واذنها واولدها عمر زيدا......الى آخره.))

"ان روایات میں سے معتمد (روایت) جو ہم نے ابھی دیکھی ہے وہ یہ ہے کہ عباس بن عبدالمطلب نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی رضا مندی اور اجازت سے ان کی شادی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کر دی، اور اس نے ان کے بیٹے زید کو جنم دیا۔"

جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فوت (شہید) ہوئے تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ (اپنی لختِ جگر) اُم کلثوم کے ہاں آئے، اور انہیں اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ چنانچہ الکافی کے مصنف نے اپنی اس کتاب میں بہت سی روایات بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت ذیل باب میں موجود ہے۔

((بَابُ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا الْمَدْخُوْلُ بِهَا أَيْنَ تَعْتَدُّ وَمَا يَجِبُ عَلَيْهَا؟ حُمَيْدُ بْنُ زِيَادٍعَنِ ابْنِ سَمَاعَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَنَانَ وَمُعَاوِيَةَ بْنِ عَمَّارٍ عَنْ أَبِى عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنِ الْمَرْأَةَ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا اَتَعْتَدُّ فِى بَيْتِهَا اَوْحَيْثُ شَآءَ تْ؟ قَالَ: بَلْ حَيْثُ

شَاءَتْ أَنْ عِلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا تَوَفَّى عُمَرُ اَتٰى أُمَّ كُلْثُوْمٍ فَانْطَلَقَ بِهَا اِلٰى بَيْتِهِ .)) ❶

''باب اس مسئلہ کے متعلق کہ جس مدخول بھا عورت کا خاوند فوت ہوگیا وہ کہاں عدت گزارے اوراس پر کیا کچھ واجب ہے؟ حمید بن زیاد، ابن سماعہ سے بیان کرتے ہیں اور وہ محمد بن زیادہ سے، اور وہ عبداللہ بن سنان، اور معاویہ بن عمار سے، اور وہ دونوں ابوعبداللہ علیہ السلام سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا: جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے وہ عدت کے ایام اپنے گھر میں گزارے یا جہاں کہیں وہ چاہے؟ آپ نے فرمایا: جہاں وہ چاہے، جب عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اُمّ کلثوم کے ہاں آئے اور انہیں اپنے ساتھ گھر لے گئے۔''

شیخ صالح بن عبداللہ درویش سیشن جج قطیف سیشن کورٹ سعودی عرب فرماتے ہیں کہ میں نے بعض معاصر شیعہ علما سے اس شادی کے متعلق خط وکتابت کی تو اس کا سب سے شاندار جواب محکمہ اوقاف ومواریث کے قاضی شیخ عبدالحمید الخطی نے لکھا، ان کے الفاظ یہ تھے:

((وَأَمَّـا تَـزْوِيْجُ الْإِمَامِ عَلِيِّ فَارِسِ الْاِسْلَامِ إِبْنَتَهُ أُمُّ كُلْثُوْمٍ فَلَا نَشَازُ فِيْهِ ، وَلَهُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِكُلِ وَاحِدٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ، وَقَدْ تَزَوَّجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أُمَّ حَبِيْبَةٍ بِـنْـتَ أَبِـيْ سُفْيَانَ ، وَمَا كَانَ أَبُو سُفْيَانَ بِمَنْزِلَةِ عُمَرِ بْنِ الْخَطَّابِ وَمَا يُشَارُ حَوْلَ الزَّوَاجِ مِنْ

❶ الفروع من الكافی: 155/6 .

غُبَارٍ فَلا مُبَرِّرَ لَهُ عَلَى الْإِطْلَاقِ .))

''باقی رہا شہسوار اسلام، امام علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اپنی لختِ جگر کی شادی کا معاملہ تو ہم اس سے نفرت نہیں کرتے، اور آپ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے لیے اسوہ حسنہ ہیں، اور آپ نے ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے نکاح کیا تھا، اور ابوسفیان، سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بن خطاب کے مرتبہ و مقام کے نہ تھے۔ اس نکاح کے سلسلے میں جو غبار اُڑایا جاتا ہے اس کا مطلق جواز نہیں ہے۔'' [1]

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اہل بیت کے ساتھ محبت و احترام کے رشتے کو مستحکم کرنے کے لیے شادی کی درخواست کی تھی، جسے سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کھلے دل سے قبول فرمایا اور اس طرح آپ کی اہل بیت سے مصاہرت قائم ہوگئی، اور رحماءُ بینھم کی صداقت آشکارا ہوگئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل بیت کرام اور اصحاب رضی اللہ عنہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان بالعموم، اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندانوں کے درمیان بالخصوص رشتہ مصاہرت قائم تھا، اور یہ رشتہ اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ ان کے درمیان الفت و مودت موجود تھی، اور وہ باہم شیر و شکر تھے، اور ایسی کوئی بات نہ تھی جو ماتمی جلسوں اور جلوسوں میں بیان کی جاتی ہے۔

قارئین کرام! مذکورہ دلائل کی روشنی میں آپ کو معلوم ہوا کہ اہل بیت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفاء ثلاثہ کے ساتھ مصاہرت قائم کی۔ جو کہ ان کی آپس کی انتہائی

---

[1] رحمآء بینهم ، مطبوعه دارابن جوزی .

محبت کی دلیل ہے۔

محبت کا اظہار کئی طریقوں سے ہوتا ہے یعنی کبھی اچھے جذبات سے اور کبھی رشتہ ناطہ جوڑ کر اور کبھی محبت وعقیدت ہوتی ہے۔ اس کے نام پہ اپنے بچوں کے نام رکھے جاتے ہیں، تا کہ اس کی یاد ہمیشہ دل و دماغ میں تازہ رہے۔ اور اس کا نام ہمارے گھر میں گونجتا رہے، اور پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ نہ سہی تو اس کی یاد ہی صحیح۔ یعنی اس کا نام ہم نے اپنی اولادوں کا رکھ لیا ہے۔ تا کہ اس کی یاد تو آتی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی لوگ اپنے پیاروں کے ناموں پہ نام رکھتے ہیں۔

جب ہم تاریخ کے اوراق پلٹتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت کو رسول مکرم ﷺ کے بعد سب سے زیادہ اگر کسی سے محبت تھی تو وہ صرف اور صرف خلفاء ثلاثہ سیّدنا ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل بیت نے ان کے ناموں پر اپنی اولاد کے نام رکھے۔ تا کہ ان کی یاد ہمیشہ دل میں تروتازہ رہے اور عقیدت ومحبت کے جذبات بڑھتے ہی چلے جائیں۔

چنانچہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کے نام خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے نام پر رکھے۔

- سیّدنا ابوبکر رحمہ اللہ بن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہاشمی قریشی جو اپنے بھائی سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔ ان پر اور ان کے باپ پر افضل و اعلیٰ درود وسلام ہو۔
- سیّدنا عمر رحمہ اللہ بن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہاشمی قریشی ، جو اپنے بھائی سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ معرکہ کربلا میں شہید ہوئے، ان پر اور ان کے باپ پر اعلیٰ و افضل درود وسلام ہو۔
- سیّدنا عثمان رحمہ اللہ بن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہاشمی قریشی ، جو اپنے بھائی سیّدنا

حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ حادثہ کربلا میں شہید ہوئے۔

غور فرمائیں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے تینوں بیٹے کربلا میں شہید ہوتے ہیں، اور تینوں کا نام خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے نام پر ہے۔ جو کہ ان سے بے پناہ محبت وعقیدت کی دلیل ہے پھر اس کے بعد آجایئے۔ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے دو بیٹوں کے نام ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ کے نام پر رکھتے ہیں، اور سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کا نام خلیفہ ثانی عمر رضی اللہ عنہ کے نام پر رکھا۔ اگر یہ محبت نہیں ہے تو اس کو کیا کہیں گے۔ یقیناً یہ محبت ہے اسی محبت کا اظہار کرتے ہوئے امیر المومنین سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے بیٹوں کے نام، خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے مبارک ناموں پر اپنے بیٹوں کے نام رکھے۔

محترم قارئین! یہاں ایسے ناموں کی گنتی مقصود نہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عمل ہمارے مدعا پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس وجہ سے انہوں نے اس محبت کا اظہار اپنے بیٹوں کے نام انہی مبارک شخصیات کے ناموں پر رکھ کر کیا۔

اس محبت کو دوام بخشنے کے لیے اہل سنت نے بنوامیہ والوں سے رشتہ داریاں قائم کی ہیں، اور خلفا ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ خصوصی تعلقات قائم کیے۔ جیسا کہ ہماری مذکورہ گزارشات سے یہ واضح ہو چکا ہے۔

اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلافات بیان کر کے لوگوں کے سامنے ان کی عزت وتکریم میں کوئی نقص پیدا کرنے کی ناکام کوشش کرے تو اس کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں نقص پیدا کرنا مومنوں کا قطعاً کام نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے، ﴿لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں بغض وعناد رکھنے والے تو کافر ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ سے بغض رکھنا کافروں کا کام ہے نا کہ مومنوں کا۔ لہٰذا مومنوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنی زبان کو ہمیشہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں انتہائی احتیاط سے استعمال کریں مزید برآں انسانی اخلاقی فریضہ ہے کہ زبان کھولتے وقت یہ خیال رہے کہ ہمارے کلام سے کسی کی دل آزاری تو نہیں ہو رہی۔ کسی صحابی کی شان میں گستاخی یا گستاخی کا شبہ تو نہیں ہو رہا۔ اگر زبان کھولنے سے ان میں سے کسی بھی چیز کا اندیشہ ہو رہا ہو تو زبان کو ہرگز نہیں کھولنا چاہیے، کیونکہ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا۔ اس لیے تمام کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمارے محسن ہیں کہ جن کی قربانیوں کی بدولت یہ دین اسلام ہم تک پہنچا ہے۔ ان کی قربانیوں کا حق یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے دعائیں کی جائیں۔ اور ان سے عقیدت و محبت کے جذبات پیدا کیے جائیں۔ اسی میں کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنے کی توفیق بخشے اور ہر قسم کے بغض اور عناد سے بچائے۔

باب 8

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

خلیفۂ اوّل: سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

قارئین کرام! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گروہ کائنات کا سب سے افضل ترین گروہ ہے۔ اس کی شہادت قرآن وحدیث کے بےشمار دلائل دیتے ہیں۔ اس افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے جان و مال سے دین اسلام کی آبیاری کی ہے، اور اس راستے میں بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں وہ شخصیت کہ جس نے سب سے زیادہ اسلام کے لیے قربانیاں دیں ہیں، اور جان و مال سے شجرِ اسلام کی حفاظت کی ہے، وہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے۔

نام ونسب، خاندان:

عبداللہ نام، ابوبکر کنیت، صدیق اور عتیق لقب، والد ماجد کا نام عثمان، اور کنیت ابو قحافہ، والدہ ماجدہ کا نام سلمٰی اور ام الخیر کنیت، والد ماجد کی طرف سے پورا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن عثمان بن عامر و بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی القرشی التیمی بن تیم بن مرہ۔ (1) اس طرح سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب چھٹی پشت میں مرہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔

(1) طبقات ابن سعد : 119/3 .

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد:

ابو قحافہ عثمان بن عامر شرفائے مکہ میں سے تھے اور نہایت معمر تھے، ابتدا جیسا کہ بوڑھوں کا قاعدہ ہے وہ اسلام کی تحریک کو بازیچۂ اطفال سمجھتے تھے، چنانچہ سیّدنا عبداللہ کا بیان ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آیا وہاں ابو قحافہ موجود تھے انہوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس طرف سے گزرتے دیکھ کر نہایت برہمی سے کہا کہ ان بچوں نے میرے لڑکے کو بھی خراب کر دیا۔ ❶

ابو قحافہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ تک نہایت استقلال کے ساتھ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ فتح مکہ کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ وہ اپنے فرزند سعید، سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ضعف پیری کو دیکھ کر فرمایا کہ انہیں کیوں تکلیف دی، میں خود ان کے پاس پہنچ جاتا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت سے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور کلمات طیبات تلقین کر کے مشرف باسلام فرمایا، سیّدنا ابو قحافہ رضی اللہ عنہ نے بڑی عمر پائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے فرزند ارجمند سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد بھی کچھ دنوں تک زندہ رہے، آخر عمر میں بہت ضعیف ہو گئے تھے، آنکھوں کی بصارت جاتی رہی۔ آخر کار 14ھ میں 97 برس کی عمر پا کر وفات پائی۔ ❷

قبل از اسلام:

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام سے قبل ایک متمول تاجر کی حیثیت رکھتے تھے، اور ان کی دیانت، راستبازی اور امانت کا خاص شہرہ تھا، اہل مکہ ان کو علم، تجربہ اور حسنِ خلق

❶ الاصابہ: 221/4.   ❷ الإصابہ: 222/6.

کے باعث نہایت معزز سمجھتے تھے، ایام جاہلیت میں خون بہا کا مال آپ ہی کے ہاں جمع ہوتا تھا، اگر کبھی کسی دوسرے شخص کے یہاں جمع ہوتا، تو قریش اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ❶

اس سے دور جاہلیت میں بھی سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عزت و شرف کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ لوگ آپ کو انتہائی امین و دیانت دار سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے خون بہا کا مال انہی کے پاس رکھوایا جاتا تھا جو ان کی طبیعت کی سلامتی اور پاکیزگی کا پتہ دیتا ہے۔ اصل میں یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و احسان ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ طبعًا پاک باز اور نیک سیرت و صورت بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندوں میں سے ایک سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو مذموم چیزوں سے نفرت رہی۔

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایام جاہلیت میں بھی شراب سے ویسی ہی نفرت تھی جیسی زمانہ اسلام میں تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بچپن ہی سے ان کو خاص اُنس اور خلوص تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقۂ احباب میں داخل تھے۔ اکثر تجارت کے سفروں میں بھی انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔

اسلام:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خلعت ، نبوت عطا ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخفی طور پر احباب مخلصین، اور محرمان راز کے سامنے اس حقیقت کو ظاہر فرمایا تو مردوں میں سے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا، سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا آئینہ دل پہلے سے صاف تھا، فقط خورشید حقیقت کی عکس افگنی کی دیر تھی، گذشتہ صحبتوں

❶ كنز العمال: 313/6.

کے تجربوں نے نبوت کے خدوخال کو اس طرح واضح کر دیا تھا کہ معرفت حق کے لیے کوئی انتظار باقی نہ رہا، البتہ ان کے اول مسلمان ہونے میں بعض مؤرخین اور اہل آثار نے کلام کیا ہے، بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام سب سے مقدم ہے، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو اولیت کا فخر حاصل ہے اور بعض کا خیال ہے کہ سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ لیکن اس کے مقابلے میں ایسے اخبار و آثار بھی بکثرت موجود ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیت کا طغرائے شرف و امتیاز صرف اسی ذات گرامی کے لیے مخصوص ہے۔ چنانچہ سیّدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ایک قصیدہ سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے۔

اِذَا تَـذَكَّـرْتَ شَـجْـوا مِـن أَخِي ثِقَةٍ

فَـاذْكُـرْ أَخَـاكَ أَبَـابَكْرٍ بِمَـا فَعَلَا

''جب تمہیں کسی سچے بھائی کا غم آئے ،تو اپنے بھائی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یاد کرو ان کے کارناموں کی بنا پر۔''

خَيْـرُ الْبَـرِيَّةِ اَتْـقَـاهَـا اَعْـدَلُهَـا

بَـعْـدَ الـنَّبِـيِّ وَأَوْفَـاهَـا بِمَـا حَمَلَا

''وہ تمام مخلوق میں نبی ﷺ کے بعد تقویٰ اور عدل کے لحاظ سے بہتر تھے، اور انہوں نے جو کچھ اٹھایا اس کو پورا کر کے چھوڑا۔''

وَالثَّـانِـىْ وَالتَّالِيُ الْمَحْمُوْدُ مَشْهدُهُ

وَاَوَّلُ الـنَّـاسِ مِنْهُمْ صَدَّقَ الْمُرْسَلَا

''وہی ثانی اور آپ کے بعد متصل ہیں، جن کی مشکلات میں موجودگی کی

تعریف کی گئی اور وہی پہلے شخص ہیں، جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی ہے۔"

محققین نے ان مختلف احادیث و آثار میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المومنین سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا عورتوں میں ، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بچوں میں ، سیّدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ غلاموں میں اور سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بالغ مردوں میں سب سے اول مومن ہیں۔ ❶

اشاعت اسلام:

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہونے کے ساتھ ہی دین حنیف کی نشر واشاعت کے لیے جدو جہد شروع کر دی، اور صرف آپ کی دعوت پر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان، سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام، سیّدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف، سیّدنا سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص، سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبداللہ جو معدن اسلام کے سب سے تاباں و درخشاں جواہر ہیں، مشرف باسلام ہوئے۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون، سیّدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ، سیّدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اور سیّدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ بن العاص بھی آپ ہی کی ہدایت سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ وہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو آسمان اسلام کے اختر ہائے تاباں ہیں، لیکن ان ستاروں کا مرکز شمسی سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کی ذات تھی۔ اعلانیہ دعوت کے علاوہ ان کا مخفی روحانی اثر بھی سعید روحوں کو اسلام کی طرف مائل کرتا تھا، چنانچہ اپنے صحن خانہ ایک چھوٹی سی مسجد بنائی تھی، اور اس میں نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نہایت رقیق القلب تھے، قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے، لوگ آپ رضی اللہ عنہ کے گریہ و بکا دیکھ کر جمع ہو جاتے، اور اس پر اثر منظر سے نہایت متاثر ہوتے۔ ❷

---

❶ فتح الباری: 130/6.

❷ تاریخ اسلامی للحمیدی: 19، 209/20.

مکی زندگی:

نبی کریم ﷺ نے بعثت کے بعد کفار کی ایذا رسانی کے باوجود تیرہ برس تک مکہ میں تبلیغ و دعوت کا سلسلہ جاری رکھا۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس بے بسی کی زندگی میں جان، مال رائے ومشورہ غرض ہر حیثیت سے آپ ﷺ کے دست و بازو اور رنج و راحت میں شریک رہے۔ نبی کریم ﷺ روزانہ صبح و شام سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے جاتے اور دیر تک مجلس راز قائم رہتی۔ ❶ قبائل عرب اور عام مجمعوں میں تبلیغ و ہدایت کے لیے جاتے تو یہ بھی ہم رکاب ہوتے اور نسب دانی اور کثرت ملاقات کے باعث لوگوں سے آپ ﷺ کا تعارف کراتے۔ ❷

مکہ میں ابتدا جن لوگوں نے داعی توحید کو لبیک کہا، ان میں کثیر تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جو اپنے مشرک آقاؤں کے پنجہ ظلم وستم میں گرفتار ہونے کے باعث طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا تھے۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان مظلوم بندگان توحید کو ان کے جفا کار مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیا۔ چنانچہ سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ، عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ رضی اللہ عنہ، نذیرہ رضی اللہ عنہا، نہدیہ رضی اللہ عنہا، بنی مومل رضی اللہ عنہا اور بنت نہدیہ رضی اللہ عنہا وغیرہ نے اسی صدیقی جودوکرم کے ذریعہ سے نجات پائی۔

کفار جب کبھی نبی کریم ﷺ پر دست تعدی دراز کرتے تو یہ مخلص جانثار خطرہ میں پڑ کر خود سینہ سپر ہو جاتا، ایک دفعہ آپ ﷺ خانہ کعبہ میں تقریر فرما رہے تھے کہ مشرکین اس تقریر سے سخت برہم ہوئے اور اس قدر مارا کہ آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے، سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر کہا۔ ''اللہ تم کو ہلاک کرے تم صرف آپ ﷺ کو اس

---

❶ سنن ترمذی، ابواب مواقیت الصلٰوۃ، رقم: 169.

❷ کنز العمال: 319/6.

لیے قتل کر دو گے کہ ایک اللہ کا نام لیتے ہیں۔'' ❶

اسی طرح ایک روز نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی حالت میں عقبہ بن ابی معیط نے اپنی چادر سے گلوئے مبارک میں پھندا ڈال دیا۔ اس وقت اتفاقاً سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پہنچ گئے، اور اس نا ہنجار کی گردن پکڑ کر خیر الانام علیہ السلام سے علیحدہ کیا، اور فرمایا ''کیا تم اس کو قتل کرو گے جو تمہارے پاس اللہ کی نشانیاں لایا، اور کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے''؟ ❷

قارئین کرام! ان واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کس انداز سے رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا۔ اور آپ ﷺ کو کفار کی تکلیف سے بچانے کے لیے کوشش کی۔ باوجود اس بات کے کہ خود بھی اپنے خاندان کی مخالفت سے دوچار تھے۔ جس کی وجہ سے اپنی جان کا خطرہ بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن اپنی جان کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے، بلکہ آپ ﷺ کی حفاظت کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ اور ہر طرح اپنے جان و مال سے اسلام اور اہل اسلام کی حفاظت کی اور جو کچھ ہو سکا وہ کر کے دکھا دیا، اور ہر طرح کفارہ و نا ہنجار کا مقابلہ کیا۔ لیکن جب کفار کے ظلم و زیادتی کی حد ہو گئی، اور مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت ملی تو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کے لیے آپ ﷺ سے اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے جواباً فرمایا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جلدی نہ کرو، ہو سکتا ہے کہ مجھے بھی اجازت مل جائے اور میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ چلو۔ چنانچہ چار ماہ کے انتظار کے بعد وہ وقت آ گیا کہ آپ ﷺ کو ہجرت کی اجازت مل گئی، چنانچہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتیں ہیں کہ: نبی کریم ﷺ عموماً صبح و

---

❶ فتح الباري : 129/6 .

❷ صحيح بخاري ، مناقب الأنصار ، رقم : 3856 .

شام سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لایا کرتے تھے ایک روز منہ کو چھپائے ہوئے خلاف معمول وقت تشریف لائے اور فرمایا کہ کوئی ہو تو ہٹا دو میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ گھر والوں کے سوا اور کوئی نہیں ہے یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے، اور فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ہو گیا ہے۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر ہمراہی کی تمنا کی۔ ارشاد ہوا ہاں! تیار ہو جاؤ، وہ تو چار مہینوں سے اسی انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے، فوراً تیار ہو گئے۔ ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے جلدی جلدی رخت سفر درست کیا۔ سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا کو توشہ دان باندھنے کے لیے کوئی چیز نہیں ملی تو انہوں نے اپنا کمر بند پھاڑ کر باندھ دیا اور دربار نبوت سے ''ذات النطاقین'' کا خطاب پایا۔ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی سے دو اونٹ تیار کر رکھے تھے۔ ایک اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، جبکہ دوسرا اونٹ اپنے لیے مخصوص کیا۔ اس طرح یہ مختصر قافلہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ مدینہ چونکہ مسلمانوں کے زیر اثر تھا، اور مدینہ میں اسلام کمزور و بے بس نہیں تھا، بلکہ اپنی شان وشوکت کے ساتھ نمودار ہو رہا تھا، اس لیے مسلمان یہاں کھلے عام اور مکمل آزادی کے ساتھ احکام الٰہی پر عمل پیرا تھے۔ نماز کے سلسلہ میں مسلمانوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی پریشانی تھی، چنانچہ اس پریشانی کے حل کے لیے مسجد کی تعمیر کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کے لیے جو زمین منتخب ہوئی وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی، گو ان کے اولیا و اقربا بلا قیمت پیش کرنے پر مصر تھے، تاہم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیموں کا مال لینا پسند نہ فرمایا، اور سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس کی قیمت دلوادی۔ [1]

اس طرح مدینہ پہنچنے کے بعد بھی سب سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کے ابر کرم

---

[1] فتح الباری : 193/6 .

نے اسلام کے لیے جو دوسخا کی بارش کی۔ قیمت ادا کرنے کے علاوہ یہ بزرگ ہستی آہن اس کی تعمیر میں بھی نوجوانوں کے دوش بدوش سرگرم رہی۔

غزوات

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کی بے بسی اور مظلومیت کا دور ختم ہو چکا تھا، اور آزادی کے ساتھ دین متین کی نشر و اشاعت کا وقت آ گیا تھا، لیکن عرب کی جنگ جو قوم مذہب کی حقانیت اور صداقت کو بھی تیر و تفنگ اور نوک سناں سے وابستہ سمجھی جاتی تھی، اس لیے اس نے ہمیشہ علمبردار اسلام کو اپنی جنگ جوئی سے منبر وعظ و ہدایت کو چھوڑ کر میدان رزم میں آنے کے لیے مجبور کیا، چنانچہ نبی کریم ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد سے فتح مکہ تک خون ریز جنگوں کا سلسلہ جاری رہا اور ان سب لڑائیوں میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک مشیر و وزیر باتدبیر کی طرح ہمیشہ شرف ہمرکابی سے مشرف رہے۔

غزوۂ بدر:

غزوۂ بدر حق اور باطل کا اول اور فیصلہ کن معرکہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ ایک سایہ دار جگہ کے نیچے اپنی محدود جماعت کے ساتھ حق وصداقت کی حمایت میں سرگرم کارزار تھے، اور وہی پیر مرد، جس نے اپنے وعظ سے عثمان بن عفان، ابوعبیدہ بن الجراح اور عبدالرحمٰن بن عوف جیسے اولوالعزم اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو حلقہ بگوش اسلام بنا لیا تھا۔ اس خوفناک جنگ میں بھی سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی انور ﷺ کی خدمت گزاری سے غافل نہ ہوئے، ایک دفعہ ردائے مبارک شانۂ اقدس سے گر گئی فوراً تڑپ کر آئے اور اٹھا کر شانہ پر رکھ دی۔ پھر رجز پڑھتے ہوئے غنیم کی صف میں گھس گئے، درحقیقت یہی وہ وارفتگی جوش اور حب رسول کا جذبہ تھا کہ جس نے قلت کو کثرت

کے مقابلہ میں سر بلند کیا۔ ❶

اس جنگ میں مال غنیمت کے علاوہ تقریباً ستر قیدی ہاتھ آئے۔ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کے متعلق کبار صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ سب قتل کر دیئے جائیں، لیکن سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ سب اپنے ہی بھائی بند ہیں، اس لیے ان کے ساتھ رحم وتلطف کا برتاؤ کرنا چاہیے، اور فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دینا چاہیے۔ رحمتہ للعالمین ﷺ کو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے پسند آئی۔ ❷

غزوۂ اُحد:

بدر کی شکست قریش مکہ کے دامن شجاعت پر ایک نہایت بدنما دھبہ تھا۔ انہوں نے جوش انتقام میں نہایت عظیم الشان تیاریاں کیں۔ چنانچہ معرکہ احد اسی جوش کا نتیجہ تھا، اس جنگ میں مجاہدین اسلام باوجود قلت تعداد پہلے غالب آئے، لیکن اتفاقی طور پر پانسہ پلٹ گیا۔ بہت سے مسلمانوں کے پائے ثبات متزلزل ہو گئے، لیکن سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آخر وقت تک ثابت قدم رہے۔ نبی کریم ﷺ سخت مجروح ہوئے، اور لوگ آپ ﷺ کو پہاڑ پر لائے تو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ ابوسفیان نے پہاڑ کے قریب آ کر پکارا ''کیا قوم میں محمد ہیں؟ کوئی جواب نہ ملا تو اس نے سیّدنا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا نام لیا۔ ❸

اس سے معلوم ہوا کہ کفار کی نظر میں ہمیشہ نبی ﷺ، ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما ہی کھٹکے ہیں۔ وہ بھی انہی کو بڑا سمجھتے تھے۔

---

❶ فتح الباری: 225/7.

❷ صحیح مسلم، کتاب المغازی، رقم: 4588.

❸ صحیح بخاری، کتاب المغازی، رقم: 4043.

اس جنگ کے ختم ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ کفار نے دوبارہ حملہ کرنے کا ارادہ کر کے واپس آنے کا پروگرام بنالیا ہے۔ آپ ﷺ نے ان کے مقابلہ کے لیے ایک دستہ تیار کیا۔ اس دستہ میں بھی سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ ❶

اور ان کے علاوہ جو بھی غزوات ہوئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہمیشہ آپ ﷺ کے ہم رکاب رہے اور مشیر خاص اور مجاہد اول کی حیثیت سے جنگ میں شریک ہوتے۔

چنانچہ غزوہ بنی مصطلق جو کہ 8ھ میں پیش آیا تھا، سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس میں بھی بنفس نفیس شامل تھے، اس غزوہ میں انتہائی روح فرسودہ واقعہ افک رونما ہوا تھا۔

اسی سال یعنی 7ھ میں حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا کہ جس میں چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی زیارت کی غرض سے آرہے تھے۔ کفار قریش نے حدیبیہ کے مقام پر روک لیا، جس کے نتیجہ میں معاہدہ حدیبیہ طے پایا تھا۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس میں بھی پیش پیش رہے۔ چاہے مشاورت کا معاملہ ہو یا جان پر کھیل جانے کا ہر معاملہ میں حسب سابق سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیش پیش رہے۔

جب مشرکین مکہ کی طرف سے اسی معاہدہ کو 8ھ میں توڑا گیا تو آپ ﷺ نے معاہدہ توڑنے کی سزا دینے کے لیے مکہ کی طرف پیش قدمی کی، تب بھی سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ہم رکاب تھے۔ چنانچہ اللہ نے مکہ فتح کروا دیا۔ اس موقعہ پر اپنے والد بزرگ کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، جس پر آپ ﷺ نے انتہائی شفقت فرمائی اور ان کے سینے پر ہاتھ پھیر کر نور ایمان سے منور فرمایا۔ ❷

9ھ میں جب قیصر روم کے مقابلہ کے لیے تبوک کی طرف جانے کا پروگرام بنایا

---

❶ صحیح بخاری باب المغازی، رقم: 4077.

❷ الاصابه، تذکره ابو قحافه.

گیا تو اس وقت حالات انتہائی تنگ تھے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی تو ہر شخص نے اپنی طاقت کے بقدر حصہ ڈالا۔ لیکن سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے پیش کر دیا۔ آپ ﷺ کے پوچھنے پر بتایا اپنے اور اہل وعیال کے لیے اللہ اور اس کا رسول ﷺ چھوڑ آیا ہوں۔ ❶

قارئین کرام! ان مذکورہ واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ مردِ آہن کسی بھی موقع پر کبھی بھی پیچھے نہ رہا، بلکہ ہر معاملہ میں اپنی طاقت سے بھی زیادہ بڑھ کر حصہ ڈالا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا اعتراف خود رسول اکرم ﷺ نے بھی اپنی زبان مبارک سے کئی بار کیا، اور اس مرد آہن کے ان احسانات کا عملی مظاہرہ بھی فرمایا۔ چنانچہ آپ ﷺ کی زندگی میں ہی کئی بار اہم ترین ذمہ داریاں سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سونپیں گئیں۔

جیسا کہ 9ھ میں امارت حج بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دی گی اور آپ ﷺ نے ان کو اپنا نائب خاص مقرر کر کے فرمایا تھا کہ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ آج کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کا حج نہیں کر سکے گا اور نہ ہی کوئی برہنہ طواف کر سکے گا۔ ❷

خلافت:

رسول مکرم ﷺ نے اپنی زندگی میں ہی سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خود اپنے حکم سے مصلیٰ امامت پر کھڑا کیا۔ باوجود اس بات کے کہ اصرار کرنے والوں نے کہا کہ امامت کے مصلیٰ پر کسی اور کو لا کھڑا کر دیں۔ کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نرم دل ہیں ۔ وہ آپ ﷺ کی جگہ نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔ لیکن آپ ﷺ کا بھی یہ اصرار تھا کہ،

❶ سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ، رقم: 1678۔ علامہ البانی نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔
❷ صحیح بخاری ، باب حج ابی بکر بالناس .

''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔'' ❶

اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور مومن اس بات کے انکاری ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے کوئی اور امام یا حکمران بن جائے، اور سیّدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((اَتَتِ النَّبِیَّ ﷺ إِمْرَأَۃٌ فَكَلَّمَتْهُ فِی شَیْءٍ فَاَمَرَهَا أَنْ تَرجِعَ إِلَیْهِ ، قَالَتْ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَأَیْتَ اِنْ جِئْتُ وَلَمْ اَجِدْكَ؟ كَأَنَّهَا تُرِیْدُ الْمَوْتَ ، قَالَ: فَإِنْ لَمْ تَجِدِیْنِی فَأْتِی أَبَابَكْرٍ .)) ❷

''ایک عورت نبی محترم ﷺ کی خدمت اقدس میں آئی اور اس نے کسی کام کے بارے میں آپ ﷺ سے عرض کیا تو آپ ﷺ نے اسے پھر آنے کا حکم دیا اس نے کہا، یارسول اللہ! اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو؟ گویا کہ اس کا اشارہ آپ ﷺ کی وفات کی طرف تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آجانا۔''

اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

((قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِی مَرْضِهِ: اُدْعِی لِیَ أَبَابَكْرٍ أَبَاكِ وَأَخَاكِ حَتَّی اَكْتُبَ كِتَابًا ، فَإِنِّی اَخَافُ أَنْ یَتَمَنَّی مُتَمَنٍّ ، وَیَقُوْلُ قَائِلٌ: أَنَا أَوْلٰی ، وَیَابَی اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ إِلَّا

❶ صحيح بخاری، كتاب الأدب، رقم: 664.

❷ صحيح بخاری، كتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: 3659، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، رقم: 6179.

أَبَابَكْرٍ .)) ❶

''مجھے رسول اللہ ﷺ نے اپنی مرض الوفات میں فرمایا کہ اپنے باپ ابوبکر اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو میرے پاس بلاؤ، تاکہ میں انہیں تحریر لکھوا دوں، کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ (خلافت) کی تمنا کرنے والے تمنا کریں گے اور کہنے والا کہے گا کہ میرے سوا اور کوئی نہیں۔ جب کہ اللہ اور تمام مومنین ابوبکر کے وعلاوہ سب کا انکار کرتے ہیں۔''

اور ایک دوسری روایت میں ہے: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَقَدْ هَمَمْتُ اَوْاَرَدَتُّ اَنْ اُرْسِلَ اِلَى أَبِي بَكْرٍ وَابْنِهِ ، فَأَعْهَدَ اَنَ يَقُوْلَ الْقَائِلُوْنَ ، وَيَتَمَنّٰى الْمُتَمَنِّوْنُ ثَمَّ قُلْتُ: يَأْبَى اللّٰهُ وَيَدْفَع الْمُؤْمِنُوْنَ ، أَوْيَدْفَعُ اللّٰهُ وَيَأْبَى الْمُؤْمِنُوْنَ .)) ❷

''میں نے یہ قصد کیا کہ کسی کو بھیج کر ابوبکر اور ان کے بیٹے عبدالرحمان کو بلا بھیجوں اور ابوبکر کو اپنا جانشین مقرر کر جاؤں، تاکہ میرے بعد کہنے والے کچھ اور کہیں اور آرزو کرنے والے (خلافت کی) آرزو کرنے لگیں۔ پھر میں نے (دل میں) کہا۔ خود اللہ تعالیٰ کسی اور کو خلیفہ نہ ہونے دے گا، اور نہ مسلمان کسی کی اطاعت قبول کریں گے۔''

اور سیّدنا ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، اور پھر ان سے پوچھا:

---

❶ صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة ، رقم: 6181.

❷ صحيح بخاري، كتاب المرضى، رقم: 5666.

((مَـنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُسْتَـخْـلِفًا لَو اسْتَخْلَفَهُ؟ قَالَتْ: أَبُـوبَكْرٍ "قِيْلَ لَهَا" ثُمَّ مَنْ بَعْدَ أَبِي بَكْرٍ؟ قَالَتْ: عُمَرُ ثُمَّ قِيْلَ لَهَـا: مَنْ بَعْدَ عُمَرَ؟ قَالَتْ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ، ثُمَّ انْتَهَتْ إِلٰى هٰذَا.))❶

''اگر رسول اللہ ﷺ کسی کو خلیفہ بناتے تو کسے بناتے؟ فرمانے لگیں: ابوبکر رضی اللہ عنہ کو۔ پوچھا گیا۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد پھر کس کو؟ فرمانے لگیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو۔ پھر پوچھا گیا۔ عمر رضی اللہ عنہ کے بعد پھر کس کو؟ فرمایا: ابوعبیدہ بن جراح کو۔'' اور یہاں بات ختم کر دی۔''

قارئین محترم یہ دلائل سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت اور اُن کی قربانیوں کا اعتراف ہے، اور اُن کی دین سے محبت کی ضمانت ہے۔ جو کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی ہے۔ چنانچہ مؤمن اس کو قبول کرتے ہیں، اور سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی خلافت کا حق دار سمجھتے ہیں۔

امام مسروق بن اجدع رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

((حُـبُّ أَبِـي بَـكْـرٍ وَ عُمَرَ رضي الله عنهما وَمَـعْـرِفَةُ فَـضْـلِهِمَا مِنَ السُّنَّةِ.))❷

''سیّدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت رکھنا اور انہیں افضل،،، سمجھنا اہل سنت کی نشانی ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیّدنا

---

❶ صحيح مسلم، كتاب الفضائل، رقم: 6178.

❷ كتاب المتحابين في الله لابن قدامة، ص: 74.

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، بیعت کرنے والوں میں خود سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بھی تھے، تمام صحابہ کرام کا اس بات پر اتفاق تھا کہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سب سے افضل ہیں۔ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ میں ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیات طیبہ ہی میں یہ کہا کرتے تھے:

((خَيْرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا أَبُوْبَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرَ، ثُمَّ عُثْمَانُ رَضِىَ اللهُ عَنْهُمْ)) ❶

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے سب سے بہترین انسان سیّدنا ابوبکر، پھر عمر اور پھر عثمان رضی اللہ عنہم ہیں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس بات کی تائید فرماتے، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی متواتر احادیث سے یہ ثابت ہے:

((خَيْرُ هٰذِهِ بَعْدَ نَبِيِّهَا اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ .)) ❷

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے سب سے بہترین شخص ابوبکر رضی اللہ عنہ اور پھر ان کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔''

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

((لَاِنْ أُوْتِيَ بِاَحَدٍ يُفَضِّلُنِيْ عَلَيْهِمَا اِلَّا جَلَدْتُهُ حَدَّ الْمُفْتَرِىْ .))

''اگر میرے پاس کوئی ایسا شخص لایا گیا جو مجھے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے افضل

---

❶ صحيح بخاري، كتاب فضائل اصحاب النبيﷺ، باب فضل ابى بكر بعد النبيﷺ، رقم: 3655.

❷ صحيح بخاري، كتاب فضائل اصحاب النبيﷺ، باب......، رقم: 3671.

قرار دے تو میں اسے تہمت کی حد کے مطابق کوڑے لگاؤں گا۔‘‘

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے کبھی یہ دعویٰ نہیں فرمایا تھا کہ وہ امت کے سب سے افضل انسان ہیں، اور نہ کبھی یہ دعویٰ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے خلافت کی وصیت فرمائی تھی اور نہ یہ کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان پر ظلم کیا اور نہ ان سے ان کا حق چھین لیا تھا۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد انہوں نے پہلی بیعت کی تاکید کے لیے دوبارہ بیعت کی، تاکہ لوگوں کے سامنے اس بات کا اظہار کر سکیں کہ وہ جماعت ہی کے ساتھ ہیں، اور سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بارے میں ان کے دل میں کوئی بات نہیں ہے۔ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے اور انہوں نے اپنے بعد خلافت کے فیصلہ کے لیے عشرہ مبشرہ (وہ دس عظیم انسان جن کو ایک مجلس میں ہی جنت کی خوشخبری دے دی گئی تھی) میں سے چھ آدمیوں کی مجلس شوریٰ بنا دی اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ایک تھے تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ میں ان کی زندگی میں کوئی اختلاف کیا تھا، اور نہ ان کی وفات کے بعد اور نہ یہ کہا کہ وہ ان سب سے افضل ہیں۔

ان سب دلائل کے ہوتے ہوئے کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ جھوٹی بات منسوب کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کی وصیت کی تھی، جب کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے خود کبھی اس کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی کبھی کسی نے اس کا دعویٰ نہیں کیا تھا، بلکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا کہ سیّدنا ابوبکر، عمر اور عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہم کی خلافت صحیح تھی، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی ان کی خلافت کے صحیح ہونے کا اعتراف تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جہاد اور شوریٰ کے مسائل میں ان سے پورا پورا تعاون بھی کیا پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تمام مسلمانوں کا بھی اس پر اجماع تھا، جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا۔ لہٰذا اس کے

بعد کسی فرد یا کسی جماعت کے لیے خواہ وہ شیعہ ہو یا کوئی اور یہ دعویٰ کرنا جائز نہیں کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ وصی ہیں، اور ان سے پہلے خلفا کی خلافت باطل ہے۔ اسی طرح کسی کے لیے یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ پر ظلم کیا اور ان کا حق چھین لیا، کیونکہ یہ بات سب سے زیادہ باطل بات اور ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں سوءِ ظن (برا گمان) ہے، جن میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو اس بات سے پاک رکھا اور اس کی حفاظت فرمائی ہے کہ یہ کبھی ضلالت پر جمع ہو جائے۔ بہت سی احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی موجود ہے۔

((لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي مَنْصُوْرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ .)) ❶

''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر کامیاب رہے گا۔''

لہٰذا یہ بات محال ہے کہ امت اپنے اشرف ترین دور میں باطل پر جمع ہو جائے، کیونکہ شیعہ کے بقول سیّدنا ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت باطل ہے، حالانکہ اس طرح کی بات صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے، جس کا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہ ہو۔ جس شخص کو اسلام کے بارے میں ادنیٰ سی بھی بصیرت حاصل ہو، وہ ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ ❷

اور سیّدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ مِنْ أَمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُوْبَكْرٍ.

---

❶ سنن الترمذی، کتاب الفتن، باب ماجآء فی اهل الشام رقم: 2192، سنن ابن ماجه، کتاب السنة، باب اتباع سنة رسول اللهﷺ رقم: 6۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

❷ فتاویٰ اسلامیه، 76/1، 77، 78.

(وعند البخاری ابابکر) وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتَ أَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا وَلٰكِنْ اُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ وَ مَوَدَّتُهُ، لَا تُبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ خَوْخَةٌ اِلَّا خُوْخَةَ اَبِي بَكْرٍ، وَفِي رِوَايَةٍ: لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا غَيْرَ رَبِّي لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا.))❶

''یقیناً مجھ پر رفاقت اور مال خرچ کرنے کے اعتبار سے تمام لوگوں سے زیادہ احسانات ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہیں اور گر میں نے کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا، البتہ (اس کے ساتھ) اسلامی اخوت اور مودت ہے، مسجد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کھڑکی کے ماسوا کوئی کھڑکی باقی نہ رہنے پائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اگر میں نے اپنے پروردگار کے علاوہ کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔''

اور سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَا تَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا وَلٰكِنَّهُ اَخِي وَصَاحِبِي، وَقَدْ اتَّخَذَاللّٰهُ صَاحِبَكُمْ خَلِيْلًا.))❷

''اگر میں نے کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا، البتہ وہ میرا بھائی اور میرا ساتھی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے رفیق کو (اپنا) خلیل بنایا ہے۔''

قارئین محترم غور فرمایئے! کہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے احسانات کا اعتراف خود

---

❶ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، رقم: 3904، 3654، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6170.

❷ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6172.

رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ جس قدر فائدہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جان و مال نے پہنچایا ہے کبھی کسی کے مال نے نہیں پہنچایا۔ شاید آپ ﷺ کا ارشاد ہجرت کی طرف ہو۔ کیونکہ ہجرت کے موقع پر آپ ﷺ کے بھی انتظامات سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہی کیے تھے، اور اُس کے لیے جو بھی مال خرچ ہوا تھا، وہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہی تھا۔

مسجد نبوی کے لیے جو جگہ خریدی اس کی قیمت بھی سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہی ادا کی تھی اور اس کے علاوہ بھی بے شمار موقعوں پر اور انتہائی ضرورت کے وقت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہی مال کام آیا ہے۔ اس لیے مذکورہ اعترافات آپ ﷺ نے خود اپنی زبان مبارک سے کیے ہیں۔ مال کے ساتھ ساتھ جان سے بھی آپ ﷺ کی حفاظت کی۔ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال لیا، لیکن آپ ﷺ کی تکلیف کو برداشت نہ کیا۔ بلکہ اپنی جان سے کہیں بڑھ کر آپ ﷺ کو محبوب رکھا۔

اس سلسلہ میں کئی واقعات مکی زندگی کے باب میں بیان ہوئے ہیں ہمارے اس دعویٰ پر ہجرت کا واقعہ بھی دلالت کرتا ہے۔

کارہائے نمایاں:

قارئین محترم! سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زندگی جہد مسلسل کا دوسرا نام ہے۔ اسلام سے پہلے، اسلام کے بعد مکی اور مدنی زندگی میں انہوں نے ہمیشہ جدو جہد ہی کی ہے اور ان کی زندگی بس اسی سے تعبیر ہے۔ پوری زندگی میں بہت ہی کم وقت ملا ہوگا کہ جس میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سکھ کا سانس لیا ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر براجمان ہوئے تو چاروں طرف فتنے اژدھا کی طرح منہ کھولے کھڑے تھے۔ ان فتنوں سے نبرد آزما ہونا سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہی حوصلہ تھا، اور فتنوں سے سرخرو ہو جانا بھی سیّدنا ابوبکر

رضی اللہ عنہ کے ہی لائق تھا۔ کیونکہ کوئی اور ایسا بہادر اور زیرک شخص نہ تھا کہ جو انتہائی حکمت کے ساتھ ان فتنوں کا مقابلہ کر پاتا۔ ان فتنوں کو ختم کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر سختی سے عمل کرنا ہی صدیق رضی اللہ عنہ کے کارہائے نمایاں ہیں جو کسی اور سے ممکن نہ تھے، بلکہ وہ انہی کے ماتھے کا جھومر ہیں۔ چنانچہ دیکھ لیجئے کہ جو فتنے بھی اٹھے مثلاً مرتدین کا فتنہ، منکرین زکاۃ کا فتنہ، جھوٹے مدعیان نبوت کا فتنہ ان تمام کو ختم کیا، اور جو احکامات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صادر فرمائے تھے ان پر مکمل طور پر عمل کیا، اور کسی قسم کی مشکل اور پریشانی کو اس راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیا۔ چنانچہ جس لشکر کو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ہی شام پر حملہ کرنے کے لیے سیّدنا اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید کی سربراہی میں تیار کیا تھا باوجود اس بات کے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس لشکر کو روکنے کا مشورہ دیا کہ حالات پریشان کن ہیں، فتنے اُٹھے ہوئے ہیں، لہٰذا اس لشکر کو آپ ملتوی کر دیں تو اس کے جواب میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ جس لشکر کو نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کیا ہو ابوبکر اس کو نہیں روک سکتا، اگرچہ مدینہ افراد سے خالی ہو جائے اور درندے میری ٹانگوں کو گھسیٹ کر لے جائیں، تب بھی میں اس لشکر کو نہیں روکوں گا۔ ❶

غرض خلیفۂ اول سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطرات و مشکلات کے باوجود سیّدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانگی کا حکم دیا اور خود دور تک پیادہ پا مشایعت کر کے ان کو نہایت زریں ہدایات فرمائیں، چونکہ سیّدنا اسامہ رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار تھے اور جانشین رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیادہ پا گھوڑے کے ساتھ دوڑ رہے تھے، اس لیے انہوں نے تعظیماً عرض کی کہ ''اے جانشینِ رسول! اللہ کی قسم! آپ گھوڑے پر سوار ہو لیں ورنہ میں بھی اتر تا ہوں۔'' بولے، ''اس میں کیا مضائقہ ہے۔ اگر میں تھوڑی دیر تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا پاؤں غبار

❶ تاریخ الخلفاء للسیوطی ، ص:71.

آلودہ کرلوں۔ غازی کے ہر قدم کے عوض سات سونیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ ❶

سیّدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کی مہم رخصت ہو کر حدود شام میں جا پہنچی اور اپنا مقصد پورا کر کے سیّدنا زید رضی اللہ عنہ کا انتقام لے کر نہایت کامیابی کے ساتھ چالیس دن میں واپس آئی۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل کر نہایت جوش مسرت سے ان کا استقبال فرمایا۔

مدعیان نبوت کا قلع قمع:

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی بعض مدعیانِ نبوت پیدا ہو چکے تھے۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب نے 10ھ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا تھا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت میں شریک ہوں۔ نصف دنیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور نصف میری۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا تھا۔

((مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلَی مُسَیْلَمَةَ کَذَّابٍ ، اَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ .)) ❷

''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسیلمہ کذاب کو، اما بعد! دنیا اللہ تعالیٰ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے گا اس کا وارث بنائے گا اور اچھا انجام پرہیز گاروں کے لیے ہے۔''

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور بھی بہت سے مدعیان نبوت پیدا ہو گئے تھے، اور روز بروز ان کی قوت بڑھتی جارہی تھی۔ چنانچہ طلیحہ بن خویلد نے اپنے اطراف میں علم نبوت بلند کیا تھا۔ بنو غطفان اس کی مدد پر تھے اور عیینہ بن حصن فزاری ان کا سردار تھا۔

❶ تاریخ طبری، ص: 1850. ❷ تاریخ طبری، ص: 1749.

اسی طرح اسود عنسی نے یمن میں اور مسیلمہ بن حبیب نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ مرد تو مرد یہ ایسا مرض عام ہو گیا تھا کہ عورتوں کے سر میں بھی نبوت کا سودا سما گیا تھا، چنانچہ سجاح بنت حارثہ تمیمہ نے نہایت زور شور کے ساتھ نبوت کا دعوی کیا تھا اور اشعث بن قیس اس کا داعی خاص تھا۔ سجاح نے آخر میں اپنی قوت مضبوط کرنے کے لیے مسیلمہ سے شادی کر لی تھی اور یہ مرض وبا کی طرح تمام عرب میں پھیل گیا تھا۔ اس کے انسداد کی نہایت سخت ضرورت تھی۔ اس بنا پر سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خاص طور پر اس کی طرف توجہ کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ اس مہم کے لیے کون شخص زیادہ موزوں رہے گا؟ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا نام لیا گیا وہ اس وقت تک تمام تعلقات دینوی سے کنارہ کش تھے اس لیے قرعہ انتخاب سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے نام نکلا۔ چنانچہ وہ 11ھ میں سیّدنا ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ مہاجرین و انصار کی ایک جمعیت لے کر مدعیان نبوت کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔ ❶

سیّدنا خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے سب سے پہلے طلیحہ کی جماعت پر حملہ کر کے اس کے متبعین کو قتل کر ڈالا اور عینیہ بن حصن کو گرفتار کر کے تیس قیدیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف کر دیا اور عینیہ بن حصن نے مدینہ پہنچ کر اسلام قبول کر لیا، لیکن طلیحہ شام کی طرف بھاگ گیا اور وہاں سے عذر خواہی کے طور پر دو شعر لکھ کر بھیجے، تجدید اسلام کی، اور حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ ❷

وفات:

علم و یقین اور ایمان و تقویٰ کا یہ عظیم شاہکار خلافتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم منصب پر سوا دو سال تک براجمان رہا، اور اسلام کے لیے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے کہ جو

❶ تاريخ طبری، ص: 1887. ❷ تاريخ يعقوبی: 145/2.

کبھی فراموش نہ کیے جاسکیں گے۔ آخر کار وہ وقت موعود آن پہنچا کہ جس کا وعدہ رب نے ہر ایک کے ساتھ کر رکھا ہے۔ چنانچہ موسم انتہائی ٹھنڈا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے غسل فرمایا۔ سردی کی وجہ سے بخار ہو گیا، جس کی شدت پندرہ روز تک جاری رہی۔ یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ مسجد میں بھی تشریف لانے سے قاصر ہو گئے۔ اسی اثنا میں عمر رضی اللہ عنہ امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ اب زندگی کا سورج غروب ہوتا ہوا دکھائی دے رہا ہے تو کچھ وصیت فرمائیں۔ چنانچہ تجہیز و تکفین کے متعلق فرمایا کہ اس وقت جو کپڑا بدن پر ہے اسی کو دھو کر دوسرے کپڑوں کے ساتھ کفن دینا، سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ یہ تو پرانا ہے۔ کفن کے لیے نیا ہونا چاہیے۔ فرمایا، ''زندے مردوں کی بہ نسبت نئے کپڑوں کے زیادہ حق دار ہیں۔ میرے لیے یہی پھٹا پُرانا کافی ہے۔'' اس کے بعد پوچھا آج دن کونسا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا دوشنبہ پھر، پوچھا رسول اللہ رضی اللہ عنہ کا وصال کس روز ہوا تھا؟ کہا گیا ''دوشنبہ کے روز'' فرمایا ''تو پھر میری آرزو ہے کہ آج ہی رات تک اس عالم فانی سے رحلت کر جاؤں۔'' چنانچہ یہ آخری آرزو بھی پوری ہوئی، یعنی دوشنبہ کا دن ختم کر کے منگل کی رات کو تریسٹھ برس کی عمر میں اواخر جمادی الاول 13 ہجری کو راہ گزین عالم جاوداں ہوئے۔ [1]

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ

وصیت کے مطابق رات ہی کے وقت تجہیز و تکفین کا سامان کیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ سیّدہ اسما بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا نے غسل دیا اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فاروق نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ سیّدنا عثمان، سیّدنا طلحہ، سیّدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا اور اس طرح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق زندگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہو کر دائمی رفاقت کے لیے جنت میں پہنچ گئے۔

[1] طبقات ابن سعد: 146/3، المنتظم: 127/4.

خلیفہ دوئم: سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

قارئین محترم! رفقائے نبی میں سے دوسری عظیم ترین شخصیت کہ جس نے اپنی روشنی سے چہار عالم میں روشنی کی اور ایسے نقوش تاریخ پر ثبت کیے کہ آج تک ان کی مثال کی تلاش ناممکن ہے، اور کسی کہنے والے نے تو یہاں تک کہا کہ اگر ایک اور فاروق پیدا ہو جاتا تو ساری دنیا پر اسلام کا پرچم لہراتا اور اس کی کوئی مخالفت کرنے والا نہ ہوتا۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ نے وقت کی دو سپر پاورز سے ٹکر لی، اور دونوں کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ جی ہاں! اس عظیم شخصیت کا نام نامی اسم گرامی عمر بن خطاب ہے۔

نام ونسب اور خاندان:

عمر نام، ابوحفص کنیت، فاروق لقب، والد ماجد کا نام خطاب اور والدہ ماجدہ کا نام ختمہ تھا۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے کہ: عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوئی بن فہر بن سالک۔ عدی کے دوسرے بھائی مرہ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں، اس لحاظ سے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خاندان ایام جاہلیت سے نہایت ممتاز تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے جدِ اعلیٰ عدی عرب کے باہمی متنازعات میں ثالث مقرر ہوا کرتے تھے، اور اگر قریش کو کسی قبیلہ کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آجاتا تو سفیر بن کر جایا کرتے تھے، اور یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسلاً چلے آرہے تھے۔ ددھیال کی طرح سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ

ننھیال کی طرف سے بھی نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حتمہ ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی تھیں اور مغیرہ اس درجہ کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلہ سے نبرد آزمائی کے لیے جاتے تھے تو فوج کا اہتمام ان ہی کے متعلق ہوتا تھا۔ ❶

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے چالیس برس پہلے پیدا ہوئے۔ ایامِ طفولیت کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ بلکہ سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں۔ شباب کا آغاز ہوا تو ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے عرب میں عموماً رائج تھے یعنی نسب دانی، سپہ گری، پہلوانی اور خطابت میں مہارت پیدا کی۔ خصوصاً شہ سواری میں کمال حاصل کیا، اسی زمانے میں انہوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا۔ چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، ان میں سے ایک سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ❷

اسلام اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ:

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عمر جب ستائیس سال کو پہنچی تو اس نے عرب کے ریگستانوں میں ایک غیر مانوس آواز سنی جو کہ اللہ کی توحید کی آواز تھی۔ دوسرے عربوں کی طرح انہوں نے بھی شروع میں اسلام کی مخالفت کی، لیکن بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی بدولت اسلام کی عظمت سے مستفید ہوئے۔

قارئین کرام! سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے بارے میں مختلف واقعات ہیں ان واقعات کی حقیقت کیا ہے؟ اور ان میں تطبیق کیسے ممکن ہے۔ اس کی مکمل تفصیل محترم جناب شاہ معین الدین احمد ندوی نے اپنی کتاب ''خلفائے راشدین'' میں تحریر کی ہے جو کہ نظر قارئین ہے۔

---

❶ عقد الفرید.

❷ استیعاب، تذکرۃ عمر رضی اللہ عنہ.

قریش کے سر برآوردہ اشخاص میں ابوجہل اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں سب سے زیادہ سرگرم تھے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ ان ہی دونوں کے لیے اسلام کی دعا فرمائی:

"اَللّٰهُمَّ اَعِزَّا الْاِسْلَامَ بِاَحَدِ الرَّجُلَيْنِ اِمَّا بِابْنِ هَشَامٍ وَ اِمَّا عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ."[1]

''اے اللہ! اسلام کو ابوجہل یا عمر بن الخطاب سے معزز کر۔''

مگر یہ دولت تو اللہ عزوجل نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی قسمت میں لکھ دی تھی ابوجہل کے حصہ میں کیونکر آتی؟ اس دعائے مستجاب کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد اسلام کا یہ سب سے بڑا دشمن اس کا سب سے بڑا دوست اور سب سے بڑا جان نثار بن گیا۔ یعنی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا دامن دولتِ ایمان سے بھر گیا۔

اسی لیے کہا جاتا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرید تھے جبکہ امیر عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد تھے۔

جناب عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا مشہور واقعہ ارباب سیر لکھتے ہیں کہ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی انتہائی سختیوں کے باوجود ایک شخص کو بھی اسلام سے بددل نہ کر سکے تو آخر کار مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کیا اور تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے۔ راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے؟ بولے ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔'' انہوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر تو لو۔ خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔ فوراً پلٹے

[1] سنن ترمذی، رقم: 3683، سنن ابن ماجة، رقم: 105، المشكاة، رقم: 6045.

اور بہن کے یہاں پہنچے وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزاء چھپا لیے۔ لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا یہ کیسی آواز تھی، بولیں کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہو گئے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی، یہاں تک کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا۔ لیکن اسلام کی محبت پر ان کا کچھ اثر نہ ہوا۔ بولیں عمر رضی اللہ عنہ! جو بن آئے کر لو لیکن اسلام دل سے نہیں نکل سکتا۔ ان الفاظ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر گہرا اثر کیا بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا ان کے جسم سے خون جاری تھا اسے دیکھ کر اور بھی رقت طاری ہوئی۔ فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ۔ چنانچہ آپ کی بہن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے قرآن کے اجزاء سامنے لا کر رکھ دیئے اٹھا کر دیکھا تو یہ سورت تھی:

﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾

(الحدید:1)

''زمین وآسمان میں جو کچھ ہے سب خدا کی تسبیح پڑھتے ہیں وہ خوب غالب اور حکمت والا ہے۔''

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس آیت پر پہنچے:

﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (الحدید : 7)

''اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔''

تو بے اختیار پکار اٹھے: ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ . ''

یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے مکان پر جو کوہِ صفا کے نیچے واقع تھا

پناہ گزین تھے۔سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف تھے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تردد ہوا لیکن سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا آنے دو مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا کیوں عمر! کس ارادے سے آئے ہو؟ نبوت کی پُر جلال آواز نے انہیں کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی: ایمان لانے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے ساختہ اللہ اکبر کا نعرہ اس زور سے بلند کیا کہ تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کرنے نکلا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہوگئے اور نماز شروع کر دی۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الحاقہ تلاوت فرمائی میں کھڑا سنتا رہا، اور قرآن حکیم کے نظم و اسلوب سے حیرت میں تھا۔ دل میں کہا جیسا قریش کہا کرتے ہیں اللہ کی قسم! یہ شاعر ہے۔ ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۚ ۝ وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۙ ۝ ﴾ (الحاقه: 40، 41)

''یہ رسولِ کریم کا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔ تم بہت کم ایمان رکھتے ہو۔''

میں نے کہا، یہ تو کاہن ہے میرے دل کی بات جان گیا۔ اس کے بعد یہ آیت پڑھی:

﴿ وَ لَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (الحاقه : 42، 43)

''یہ کاہن کا کلام بھی نہیں تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو، یہ تو جہانوں کے

پروردگار کی طرف سے اترا ہے‘‘

آپ ﷺ نے یہ سورۃ آخر تک تلاوت فرمائی اور اس کو سن کر اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر کر گیا۔ ❶

زمانۂ اسلام:

قارئین محترم! عام مؤرخین کی رائے کے مطابق سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نبوت کے ساتویں سال ایمان لائے۔ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے اس وقت تک مسلمانوں پر انتہائی ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے، یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے عمر رضی اللہ عنہ کو خصوصاً دعا کر کے حاصل کیا۔ چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے بعد جب نماز کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے دارِ ارقم میں ہی نماز پڑھنے کا ارادہ فرمایا۔ لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ہم نماز بیت اللہ میں پڑھیں گے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہاں تو مشرک پڑھنے نہیں دیتے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، ہم چلتے ہیں، دیکھتے ہیں کہ کون ہمارا راستہ روکتا ہے۔ چنانچہ ایک طرف سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دوسری طرف سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اس طرح یہ مختصر سا قافلہ بیت اللہ پہنچا اور وہاں جا کے نماز ادا کی۔ لیکن کسی کافر کو آگے بڑھ کر ان کو روکنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: "مَا كُنَّا نَقْدِرُ عَلَى اَنْ نُصَلِّيَ الْكَعْبَةَ حَتَّى اَسْلَمَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ" "کہ جب تک عمر رضی اللہ عنہ مسلمان نہ ہوئے اس وقت تک ہمیں بیت اللہ میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔" جیسے ہی عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے مسلمانوں کی قوت میں بے پناہ اضافہ ہوا اور اسلام طاقتور ہی ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہی یہ قول بھی ہے۔ ’’مَازِلْنَا اَعِزَّةً مُنْذُ اَسْلَمَ

❶ مسند احمد: 18/1، رقم: 107.

عُـمَـرُ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ ''''جب سے عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اس وقت سے ہماری طاقت و قوت میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔'' ان اقوال کی روشنی میں اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ عمر رضی اللہ عنہ کیسے عظیم انسان تھے، اور بہادری اور دلیری کی دوسروں کے دلوں میں کس طرح دھاک بیٹھی ہوئی تھی کہ کسی میں جرأت نہ ہوتی تھی جوان کے مقابلہ میں آئے۔

قارئین محترم! جس قدر مکہ میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا اس قدر ہی کفار کے مظالم بھی بڑھتے چلے گئے، اور خاص طور ان مظالم کا شکار کمزور اور غریب مسلمان ہوتے تھے۔ مشرکین قریش کے مظالم صرف مذہب کی ہی حد تک نہ رہے۔ بلکہ ان مظالم میں سیاسی بائی کاٹ اور معاشی بائیکاٹ کی بھی صورت نے اختیار کر لی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان مظالم سے امیر و غریب سب ہی متاثر ہو رہے تھے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مسلمانوں کو ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے سن تیرہ نبوی میں ہجرت کی۔ سن سات نبوی میں مسلمان ہوئے تھے۔ تیرہ میں ہجرت کی تو گویا انہوں نے اسلام لانے کے بعد تقریباً چھ سے سات برس تک قریش کے مظالم برداشت کیے۔ جب مسلمانوں کو مدینہ کی جانب ہجرت کی اجازت ملی تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی اس سفر کے لیے آمادہ ہو گئے، اور بارگاہِ نبوت سے اجازت لے کر چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور اس شان کے ساتھ روانہ ہوئے کہ پہلے مسلح ہو کر مشرکین کے مجمعوں سے گذرتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے۔ نہایت اطمینان سے طواف کیا نماز پڑھی پھر مشرکین سے مخاطب ہو کر کہا کہ جس کو مقابلہ کرنا ہو وہ مکہ سے باہر نکل کر مقابلہ کر لے لیکن کسی کو ہمت نہ ہوئی اور وہ مدینہ روانہ ہو گئے۔ [1] اس کا وقت آ گیا تھا

[1] زرقانی: 371/1.

کہ فرائض و ارکان محدود اور معین کیے جائیں نیز مسلمانوں کی تعداد وسیع سے وسیع تر ہوتی جاتی تھی، اور وہ دور دور کے محلوں میں آباد ہونے لگے تھے اس بنا پر شدید ضرورت تھی کہ اعلانِ نماز کا کوئی طریقہ معین کیا جائے۔ چنانچہ رسالت مآب ﷺ نے سب سے پہلے اسی کا انتظام کرنا چاہا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہ کی رائے ہوئی کہ آگ جلا کر لوگوں کو خبر کی جائے، بعض کا خیال تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح بوق و ناقوس سے کام لیا جائے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کے لیے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ رائے پسند آئی، چنانچہ اسلام کا ایک شعارِ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق قائم ہوا۔ [1] جس سے تمام عالم قیامت تک ایک دن اور رات میں پانچ مرتبہ توحید و رسالت کے اعلان سے گونجتا رہے گا۔

غزوات و دیگر حالات:

مدینہ میں سب سے پہلے معرکہ بدر پیش آیا، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اس معرکہ میں رائے، تدبر، جانبازی اور پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کے دست و بازو رہے، عاص بن ہشام بن مغیرہ جو رشتہ میں آپ رضی اللہ عنہ کا ماموں تھا، خود ان کے خنجر سے واصل جہنم ہوا۔ [2] یہ بات سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں قرابت و محبت کے تعلقات سے مطلقاً متاثر نہیں ہوتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں عاص کا قتل اس کی روشن مثال ہے۔

بدر کا میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا، کافروں کے کم و بیش ستر آدمی مارے گئے اور تقریباً اسی قدر گرفتار ہوئے۔ چونکہ ان میں سے قریش کے اکثر بڑے بڑے معزز سردار

[1] صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب بدء الاذان، رقم: 603.
[2] ابن جرير، ص: 509، استيعاب، ترجمه عمر بن الخطاب.

تھے، اس لیے یہ بحث پیدا ہوئی کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رائے لی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مختلف آراء دیں جن میں سے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے ہوئی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اختلاف کیا اور کہا کہ ان سب کو قتل کر دینا چاہیے، اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے ہاتھوں سے اپنے عزیز کو قتل کرے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ عقیل کی گردن ماریں اور فلاں جو میرا عزیز ہے اس کا کام میں تمام کردوں۔ رسول اللہ نے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے قبول فرما لی، اور ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے سخت سرزنش کرتے ہوئے، فرمایا:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ﴾

(الانفال : 67)

''نبی کے ہاتھ میں قیدی نہیں جائیں جب تک کہ ملک میں اچھی خونریزی کی جنگ نہ ہوجائے۔''

یعنی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو اللہ تعالیٰ نے درست قرار دیا۔اس جنگ میں چونکہ کفار کا کافی نقصان ہوا تھا، اس وجہ سے وہ لوگ سکون سے نہیں بیٹھے، بلکہ بدلہ لینے کے لیے بے تاب رہے۔ چنانچہ شوال تین ہجری میں اُحد واقعہ پیش آیا کہ جس میں کفار کی تعداد تین ہزار دو سو سوار اور سات سو ذرہ پوش تھے، جبکہ مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو تھی۔ آپ ﷺ نے سیّدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ ایک گھاٹی پر بیٹھایا کہ اس گھاٹی کو چھوڑنا نہیں۔ جنگ شروع ہوئی تو مسلمانوں نے کفار کو شکست دے دی۔ تیر اندازوں نے دیکھا کہ کفار بھاگ رہے ہیں تو وہ تیر انداز نیچے اترنے لگے۔ سیّدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے منع کرنے کے باوجود اکثر نیچے اُتر

آئے۔ کفار نے پیچھے سے حملہ کر کے مسلمانوں کو پریشان کر دیا۔ خود رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہو گئے۔ آپ ﷺ ایک گھڑے میں گر گئے جب جنگ کا زور کم ہوا تو آپ ﷺ ایک پہاڑی پر تشریف لے گئے تو وہاں سے کفار کے ایک لشکر کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر فرمایا، اللہ یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں، چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چند انصار و مہاجرین کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

اس طرح سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بہادری و شجاعت سے آپ ﷺ کی جان کا خطرہ ٹلا۔ اسی طرح چھ ہجری میں زیارت کعبہ کا ارادہ کیا۔ آپ ﷺ خالی ہاتھ سفر کر رہے تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے اسلحہ منگوایا گیا۔ اس اسلحہ کی افادیت بعد میں صلح کی صورت میں سامنے آئی۔ اس اہم واقعہ میں بھی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ پیش پیش رہے۔

چنانچہ بیعت کرنے میں اور جب کفار کی ایک شرط طبیعت اور مسلمانوں کے مفاد کے خلاف لگی تو فوراً جذبات میں آ گئے، اور آپ ﷺ سے عرض کی کہ آپ ﷺ دب کر صلح کیوں کر رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ غرض معاہدہ صلح لکھا گیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی دستخط ثبت کیے۔ اسی سفر میں ''سورۃ الفتح'' نازل ہوئی۔

آپ ﷺ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر سنائی اور فرمایا کہ مجھ پر ایسی سورت نازل ہوئی ہے کہ مجھے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ [1] اس موقعہ پر بھی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی امتیازی شان و شوکت واضح ہے۔ سات ہجری میں واقعۂ خیبر پیش آیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی سالار مقرر ہوئے اور بعد میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو سالار بنا دیا گیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اس جنگ میں بھی پیش پیش رہے۔ جب اللہ نے فتح دی تو آپ ﷺ نے خیبر کی زمین مجاہدین میں

[1] صحيح بخاري، كتاب فضائل القرآن، رقم: 5012.

تقسیم فرما دی، چنانچہ تمغہ نامی زمین کا ٹکڑا سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا۔

آٹھ ہجری کو فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اس میں بھی پیش پیش تھے۔ چنانچہ مکہ فتح ہو گیا تو لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے کے لیے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں سے بیعت لیتے تھے اور عورتوں کی بیعت کے لیے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا۔

اسی سال فتح مکہ کے بعد ''ہوازن'' کی لڑائی پیش آئی تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اس لڑائی میں بھی نہایت ہی ثابت قدمی اور پامردی کے ساتھ شریک کارزار رہے۔ الغرض مدنی زندگی بھی انتہائی مصروف ترین زندگی اور جہد مسلسل سے تعبیر تھی کہ جس نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے جری اور بہادر کو صبر و استقلال کا پہاڑ بنا دیا تھا۔ کہ جس کا مشاہدہ آنے والے واقعات سے بخوبی ہوتا ہے۔ کہ جب مَسند اقتدار پر جلوہٴ افروز ہوئے تو وقت کی سپر پاوروں کو انتہائی مشکل حالات کے باوجود گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ بڑے بڑے سورماؤں کو اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ یہ سب کچھ اللہ کے فضل اور امیر المؤمنین سیّدنا عمر بن خطاب کی استقامت اور اخلاص کی بدولت ہی تھا۔

فضائل سیّدنا عمر بن خطاب:

اسلام کے لیے سیّدنا عمر بن خطاب کی خدمات انتہائی عظیم ہیں جن میں کچھ کا تذکرہ مختصراً ہم نے پچھلے صفحات میں کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہی خدمات کے صلہ میں دین اسلام میں ان کا ایک عظیم مقام ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خدمات کا اعتراف مختلف انداز سے کیا ہے۔ مثلاً کبھی یہ کہا کہ فاروق رضی اللہ عنہ الہامی شخص ہے، کبھی کہا کہ علم میں بڑا عظیم ہے، تو کبھی کہا کہ شیطان اس کے راستے میں کبھی نہیں آتا اور کبھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جنت جیسی عظیم نعمت کی بشارت سنا کر ان کی خدمات کا اعتراف کیا۔

تمام کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی معزز و محترم اور باکمال ہیں، لیکن کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں امتیازی خصوصیات پائی جاتی ہیں کہ جن کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز ہیں۔ اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی سب سے زیادہ امتیازی خصوصیات خلفائے اربعہ کے اندر ہیں جن کی وجہ سے یہ خلفائے اربعہ آسمان صحابیت کا ماہتاب ہیں۔ کہ کوئی ستارا ان کا ہم رکاب نہیں ہے۔ انہیں میں سے ایک سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔

چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ میں کچھ ایسے خصوصی اوصاف پائے جاتے ہیں کہ جنہوں نے ان کی شخصیت کو دوسروں سے ممتاز کیا ہے۔ انہی اوصاف میں سے ایک وصف غیرت کا ہے۔ چاہے اس غیرت کا تعلق معاشرتی زندگی سے ہو یا ایمانی زندگی سے۔ عمر رضی اللہ عنہ دوسروں کے مقابلہ میں ممتاز ہی نظر آئیں گے۔ اور خود رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے اس کی شہادت دی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

((دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَإِذَا أَنَا بِالرُّمَيْصَاءِ إِمْرَأَةِ أَبِى طَلْحَةَ وَسَمِعْتُ خَشْفَةً، فَقُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ فَقَالَ: هٰذَا بَلَالٌ، وَرَأَيْتُ قَصْرًا بِفِنَائِهِ جَارِيَةٌ، فَقُلْتُ لِمَنْ هٰذَا؟ فَقَالُوْا: لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَأَرَدْتُّ أَنْ اَدْخُلَهُ فَانْظُرُ إِلَيْهِ، فَذَكَرْتُ غَيْرَتَكَ، فَقَالَ عُمَرُ: بِاَبِى أَنْتَ وَاُمِّى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَعَلَيْكَ اَغَارُ.)) ❶

''جب میں جنت میں داخل ہوا تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی رُمیصا کا سامنا ہوا۔ اور پھر میں نے قدموں کی آہٹ سنی تو میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ سیّدنا

❶ صحيح بخاری، كتاب فضائل الصحاب النبی ﷺ، رقم: 3679، صحيح مسلم كتاب فضائل الصحابة، رقم: 6198.

جبرائیل علیہ السلام نے بتلایا یہ بلال رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کے بعد میں نے ایک محل دیکھا، جس کے آنگن میں ایک دوشیزہ تھی۔ میں نے دریافت کیا، یہ کس کا محل ہے؟ تو انہوں نے بتایا، کہ یہ عمر بن خطاب کا ہے۔ چنانچہ میں نے اس میں داخل ہونا چاہا، لیکن تمہاری غیرت کا خیال آ گیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہ بھی غیرت کرتا؟''

غور فرمایئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرا خوبصورت جنتی محل دیکھنا چاہتا تھا، لیکن دیکھنے سے اس لیے رک گیا کہ مجھے تیری غیرت یاد آ گئی۔ اس لیے نہیں دیکھ سکا۔ الغرض سیّدنا فاروق رضی اللہ عنہ انتہائی غیرت مند واقع ہوئے تھے۔ کیونکہ غیرت ایمان ہے ۔رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''اَلْحَیَاءُ مِنَ الْإِیْمَانِ'' ''حیا تو ایمان ہے۔'' یہ حیا معاشرتی اور دینی دونوں غیرتوں کا تقاضا کرتی ہے۔ چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ میں یہ دونوں ہی بدرجہ اتم موجود تھیں۔ چنانچہ دین کے معاملہ میں بھی انتہائی غیرت مند واقع ہوئے تھے ۔مجال ہے کہ کوئی دین اسلام کے خلاف کوئی بات یا کوئی کام کر جائے اور اگر کوئی ایسا کرتا تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فوراً غصہ میں ہو جاتے۔

سیّدنا حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ نے مشرکین مکہ کی طرف جاسوسی کا خط لکھا۔ پتہ چل گیا۔ تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے، اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیں۔ کہ میں اس منافق کی گردن اُڑا دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر! یہ بدری صحابی ہے، اور بدر والوں پر اللہ نے خاص فضل و احسان فرمایا ہے، اور ان کو کہا ہے کہ جو کچھ بھی تم کرتے رہے میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ ❶ یہ واقعہ بھی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابة رقم: 2495.

دینی غیرت کا ثبوت ہے۔

جنگ بدر کے قیدیوں (جو کہ مشرک تھے) کے بارے میں پوچھا گیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے رشتہ دار میرے حوالے کر دیں۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار، علی کے حوالے کر دیں۔ اور جو جس صحابی کا رشتہ دار ہے وہ اُس کے حوالے کر دیں، ہم اپنے ہاتھوں سے ان کی گردنیں اڑائیں گے۔ تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ کسی مومن کے دل میں کسی کافر کی محبت نہیں ہے۔ چاہے کافر ان کا عزیز وقریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقعہ پر دیکھ لیں کہ سب سے زیادہ جس کو تکلیف ہوئی تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ ظلم و ناانصافی ہو رہی ہے۔ وہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

ان تمام واقعات سے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی غیرت روز روشن کی طرح واضح ہے جس شخص میں غیرت دینی اور معاشرتی موجود ہو یقیناً وہ انسان بڑا ہی مبارک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار جنت کی بشارت سنائی، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی ضمانت دی جیسا کہ سابقہ حدیث سے واضح ہوتا ہے:

اس کی وجہ یہ ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ دین میں سب سے زیادہ پختہ تھے اور کوئی بھی چیز ان کو دین اسلام سے دور نہ کر سکتی تھی۔ اس کی شہادت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے دی تھی۔ چنانچہ سیّدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ النَّاسَ يُعْرَضُوْنَ عَلَيَّ ، وَعَلَيْهِمْ قُمْصٌ مِنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ ، وَمِنْهَا مَادُوْنَ ذَالِكَ ، وَعُرِضَ عَلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيْصٌ يَجُرُّهُ ، قَالُوْا: فَمَا اَوَّلْتَ

ذَالِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ . قَالَ: اَلدِّيْنُ .)) ❶

''کہ ایک دفعہ دورانِ خواب میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ قمیصیں زیب تن کیے میرے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں۔ ان میں سے کسی کی قمیص سینے تک تھی اور کسی کی ذرا نیچے تک۔ پھر میرے سامنے عمر بن خطاب کو اس حال میں پیش کیا گیا کہ اپنی قمیص گھسیٹ رہے تھے، اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اس کی کیا تاویل فرماتے ہیں؟ تو فرمایا، ''دینداری۔''

دین میں ایسی پختگی کی وجہ سے کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکا، بلکہ جس نے بھی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دین کے سلسلہ میں رکاوٹ بننے کی کوشش کی وہ پاش پاش ہو گیا، اور کبھی بھی ان کے مقابلہ میں کھڑے ہونے کی جسارت نہ کر سکا، چنانچہ سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((اِسْتَاذَنَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَعِنْدَهُ نِسْوَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ يُكَلِّمْنَهُ وَيَسْتَكْثِرْنَهُ، عَالِيَةٌ اَصْوَاتِهِنَّ، فَلَمَّا اسْتَأْذَنَ عُمَرُ قُمْنَ فَبَادَرْنَ الْحِجَابَ، فَدَخَلَ عُمَرَ وَرَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَضْحَكُ، فَقَالَ: اَضْحَكَ اللّٰهُ سِنَّكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَقَالَ النَّبِيَّ ﷺ عَجِبْتُ مِنْ هٰؤُلَاءِ اللَّاتِيْ كُنَّ عِنْدِيْ فَلَمَّا سَمِعْنَ صَوْتَكَ اِبْتَدَرْنَ الْحِجَابَ، فَقَالَ عُمَرُ: يَا عَدُوَّاتِ أَنْفُسِهِنَّ اَتَهَبْنَنِيْ وَلَا تَهِبْنَ رَسُوْلَ

❶ صحيح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: 3691، صحيح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6189.

اللّٰہِ ﷺ فَقُلْنَ: نَعَمْ! أَنْتَ اَفَظُّ وَأَغْلَظُ ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ایہٍ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ! وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہِ مَالَقِیَكَ الشَّیْطَانَ سَالِكًا فَجًّاقَطُّ إِلَّا سَلَكَ فَجًّاغَیْرَ فَجِّكَ)) ❶

''ایک دفعہ سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول معظم ﷺ کے حضور شرفِ باریابی چاہی جبکہ آپ ﷺ کے پاس کچھ قریش کی خواتین بیٹھی، آپ ﷺ کے سامنے (نفقہ کے معاملہ میں) اونچی آواز میں باتیں کر رہی تھیں۔ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اذنِ باریابی چاہا تو وہ اُٹھ کر پردے کے پیچھے چلی گئیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ مسکرا رہے تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اللہ جناب کو ہمیشہ مسکراتا رکھے! چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں اپنے پاس موجود ان عورتوں کے رویہ پر متعجب ہوں کہ انہوں نے تمہاری آواز سنی تو پردہ کے پیچھے چھپ گئیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں سے کہا، اپنی جان کی دشمنو! تم مجھ سے خوف زدہ ہو اور رسول اللہ ﷺ کی تمہیں ہیبت نہیں؟ اس پر انہوں نے جواب دیا: ہاں کیوں نہیں۔ آپ تند خو اور سخت مزاج ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ابن خطاب جانے دیجیے! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جب کبھی شیطان کا سرِ راہ تم سے سامنا ہوتا ہے، تو وہ تمہارا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر چل دیتا ہے۔''

غور فرمائیے کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن بھی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سامنا کرنے سے

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، رقم: 3683، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6202.

بھاگتا ہے۔ اس کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال کر بھاگ جاتا ہے۔ کیونکہ شیطان جانتا ہے کہ میں اس کو گمراہ کر ہی نہیں سکتا تو اس کے پیچھے پڑنے کا فائدہ۔ چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا راستہ چھوڑ جاتا ہے۔

قارئین محترم! ایسا اس وجہ سے ہوتا تھا کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ دین میں پختہ تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ علم کا سمندر تھے کیونکہ جس انسان کے پاس علم ہوتا ہے وہ شیطان کی چال بازیوں اور مکاریوں سے واقف ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو شیطان کے گمراہ کرنے سے بچا لیتا ہے اور جب انسان کے پاس دین کا علم اور صحیح معلومات نہ ہوں تو اس کا نتیجہ گمراہی اور تباہی کے سوا کچھ نہیں نکلا کرتا۔ جیسا کہ آج امت مسلمہ کی عمومی حالت ہے اس کی وجہ دینی علوم سے دوری ہے جب تک دینی علوم سے رابطہ رہے گا۔ انسان کبھی بھی گمراہ نہیں ہوگا اور نہ ہی شیطان کا مکروفریب اس پر چل سکے گا۔ ایسا صرف اور صرف علم کی وجہ سے ہوگا۔ جیسا کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا کہ شیطان راستے میں آنے کی جرأت نہیں کرتا تھا، کیونکہ ان کے پاس علم تھا کہ جس کی ضمانت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی، چنانچہ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ ، فَشَرِبْتُ حَتَّى إِنِّيْ لَأَرَى الرِّيَّ يَجْرِيْ فِي أَظْفَارِيْ ، ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِيْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ، قَالُوا فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: الْعِلْمُ .)) ❶

''خواب کی حالت میں میرے پاس دودھ کا پیالہ پیش کیا گیا۔ میں نے اتنا

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: 3681، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6190.

پیا کہ اس کی طراوت میں نے اپنے ناخنوں میں محسوس کی۔ پھر اپنا بچا ہوا عمر بن خطاب کو دیا۔ صحابہ نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! آپ ﷺ اس کی کیا تاویل فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ''دین کا علم۔''

اس طرح ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو الہامی شخص قرار دیا۔ چنانچہ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَلَقَدْ كَانَ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ مِنْ الْأُمَمِ مُحَدِّثُوْنَ فَإِنْ يَكُ فِي أُمَّتِي أَحَدٌ فَإِنَّهُ عُمَرَ .)) [1]

''تم لوگوں سے پہلی امتوں میں محدثین (الہامی) لوگ ہوا کرتے تھے۔ اگر میری امت میں کوئی ایسا ہے، تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہے۔''

قارئین محترم! اس حدیث میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو الہامی شخص قرار دیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے دماغ میں صحیح بات ڈال دیتا ہے، تو غور فرمائیے کہ جس کی رہنمائی اللہ رب العالمین کر رہے ہیں کیا وہ شخص کبھی گمراہ ہوسکتا ہے۔ بدبخت ہیں وہ لوگ جو سیّدنا عمر و ابوبکر رضی اللہ عنہما کو گمراہ یا بے دین سمجھتے ہیں، یا ان کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ جب کہ اللہ اور رسول ﷺ ان کی تعریفیں کرتے ہیں۔ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔

((وَافَقْتُ رَبِّي فِي ثَلٰثٍ ، قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! لَوِ اتَّخَذْنَا مِنَ مَقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلّٰى ، فَنَزَلَتْ "وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلّٰى" وَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! يَدْخُلُ عَلٰى نِسَآئِكَ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ فَلَوْ أَمَرْتَهُنَّ يَحْتَجِبْنَ ، فَنَزَلَتْ اٰيَتُ

---

[1] صحيح بخاري، كتاب فضائل اصحاب النبيؐ، رقم: 3689، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، رقم: 6204.

الْحِجَابِ ، وَاجْتَمَعَ نِسَآءَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْغَيْرَةِ فَقُلْتُ: عَسٰى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ فَنَزَلَتْ كَذٰلِكَ . وَفِي رِوَايَةٍ لِابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ عُمَرُ: وَافَقْتُ رَبِّي فِي ثَلٰثٍ: فِي مَقَامِ إِبْرَاهِيْمَ ، وَفِي الْحِجَابِ ، وَفِي أُسَارٰى بَدْرٍ .)) ❶

''مجھے تین معاملات میں اپنے رب سے موافقت حاصل ہوئی۔ میں نے رسول اکرم ﷺ سے فرمایا، کاش ہم مقام ابراہیم کو جائے نماز بناتے! چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرما دیا۔''تم مقام ابراہیم کو مستقل جائے نماز بنا لو۔'' پھر میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کی بیویوں کے پاس آپ کے گھر بھلے اور برے لوگ آتے ہیں، کاش آپ انہیں حجاب کا حکم دیں! اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب نازل فرما دی۔ اور جب کچھ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے سوتنوں کے جھگڑے میں آپ ﷺ پر اکٹھ کیا تو میں نے ان سے یوں کہا تھا، ''بعید نہیں کہ اگر نبی کریم ﷺ تم سب کو طلاق دے دیں تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ایسی بیویاں تمہارے بدلے میں عطا فرما دے گا جو تم سے بہتر ہوں۔'' تو اللہ تعالیٰ نے بعینہٖ نازل فرما دیا۔''

سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے تین باتوں میں اپنے پروردگار کی موافقت کی پہلی بات مقام ابراہیم کے بارے میں دوسری پردے کے متعلق، اور تیسری بات بدر کے قیدیوں کے بارے میں ہے۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، رقم: 4483، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6206.

غور فرمایئے کہ رب تعالیٰ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خیالات کا احترام فرماتا ہے جو عمر رضی اللہ عنہ چاہتے ہیں، رب تعالیٰ اس کو قرآن بنا کر نازل فرما دیتا ہے۔ اس وجہ سے امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن میں سے کسی نے کہا تھا کہ قرآن نازل ہمارے گھر میں ہوتا ہے، لیکن ہوتا سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق ہے۔ یعنی اللہ مہربان بھی عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کا خیال فرماتا ہے۔ کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ الہامی شخص تھے۔ کہ جس کے دل میں اللہ مسائل کو ڈال دیا کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اکثر و بیشتر صحیح ہوا کرتی تھی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے علم کے بارے میں سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

((إِنِّی لَأَحْسَبُ عُمَرَ قَدْ ذَهَبَ بِتِسْعَةِاعشارمِنَ العلم حِيْنَ ذَهَبَ .)) [1]

''کہ میں سمجھتا ہوں ۔ عمر رضی اللہ عنہ جب فوت ہوئے تو دس میں سے نو حصے علم اپنے ساتھ لے گئے۔''

ان اقوال سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے علم کا، علم میں انتہائی پختہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا خوف بھی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ میں سب سے زیادہ تھا۔ کیونکہ صاحب علم لوگوں کی صفت یہی ہوا کرتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَٰٓؤُا ۗ ﴾ (فاطر : 28)

''علما اللہ کے بندوں میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔''

درج ذیل واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

((قَرَءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ سُوْرَةُ الطُّوْرِ حَتّٰى قَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ ﴾ (7:52) فَبَكٰى وَاشْتَدَّ بُكَاءُهُ

[1] المیزان .

حَتَّی مَرِضَ وَعَادُوْهُ .)) ❶

''سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سورۃ طور کی تلاوت فرما رہے تھے جب وہ اس آیت پر پہنچے ''بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے'' تو رونے لگے، بہت روئے حتی کہ بیمار پڑ گئے، اور لوگ آپ کی عیادت کے لیے آنے لگے۔''

سیّدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو زخمی کر دیا گیا تو وہ سخت درد محسوس کرنے لگے سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کی تکلیف کو سمجھتے ہوئے کہا، یا امیر المومنین! آپ افسوس نہ کریں۔ بلاشبہ آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض حاصل کیا ہے اور آپ کی رفاقت بہت اچھی تھی۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے جدا ہوئے تو وہ آپ سے خوش تھے۔ پھر آپ کو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحبت حاصل رہی اور آپ نے ان کی بہت اچھی مصاحبت کی، اور جب سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ سے جدا ہوئے وہ بھی آپ سے راضی تھے۔ پھر آپ مسلمانوں کے ساتھ رہے اور ان کا ساتھ بھی آپ نے اچھی طرح نبھایا اب اگر آپ ان سے جدا ہو رہے ہیں، تو یقیناً اس جدائی کے موقع پر وہ بھی آپ سے راضی ہیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا جہاں تک تمہاری بیان کردہ باتوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور ان کی خوشنودی سے تعلق ہے، تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جو اللہ نے مجھ پر فرمایا۔ اور اسی طرح سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مصاحبت اور خوش ہونے کا معاملہ ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کا مجھ پر احسان ہے جو اس نے مجھ پر کیا اور یہ جو آپ میری گھبراہٹ دیکھ رہے ہیں تو وہ تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی وجہ سے ہے۔ اللہ کی قسم! اگر میرے پاس زمین بھر سونا ہوتا تو میں اللہ کے عذاب کو

❶ الجواب الکافی، ص: 771.

محسوس کرنے سے پہلے ہی بطور فدیہ دے دیتا۔''

اللہ کے نیک بندوں کی پہچان ہے، جس کو قرآن نے کئی مقام پر بیان فرمایا ہے۔ اور ایسے ہی لوگوں کو کامیاب قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴾ (الرحمن : 46)

''جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا، اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔''

مذکورہ اوصاف سے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مقام وفضیلت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اور اس کے باوجود بھی اگر کوئی فضیلت عمر رضی اللہ عنہ میں شک کرے۔ یقیناً وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مومنوں والی صفات اپنانے کی توفیق دے، اور ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

خلافت سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب:

قارئین کرام! پچھلے صفحات میں ہم نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور ان کے مقام پر کچھ روشنی ڈالی کہ جس سے یہ بات واضح ہوئی کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک عظیم شخصیت تھے، اور انتہائی باہمت اور مضبوط قوت اعصابی کے مالک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((لَوْكَانَ بَعْدِی نَبِیٌّ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ .))[1]

''کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن الخطاب ہوتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قوت ارادہ کی پختگی اور انتہائی ہمت وحوصلہ کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ امور نبوت لوگوں تک پہنچانا بڑے ہی بہادر لوگوں

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: 3692.

کا کام ہے۔ یہ کمزور اور پست ہمت لوگوں کا کام قطعاً نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کارہائے نبوت کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ فَإِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ ﴾ (آل عمران : 186)

''کہ بلاشبہ یہ کام بڑے ہی ہمت والے کاموں میں سے ہے۔''

اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ میں اتنی ہمت ہے کہ امور نبوت کو بھی اٹھانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بڑے سے بڑے کام کی ذمہ داری بھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر ڈالی جائے تو وہ اس کو ضرور نبھائے گا۔

اس لیے رسول مکرم ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہی کچھ ایسے اشارے فرمائے کہ جس سے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی اس امت کی باگ سنبھالیں گے اور امت محمدیہ کو خوب فائدہ پہنچائیں گے اور خلافت کا حق ادا کر دیں گے۔ چنانچہ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

((بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِيْ عَلَى قَلِيْبٍ عَلَيْهَا دَلْوٌ فَنَزَعْتُ مِنْهَا مَاشَآءَ اللّٰهُ، ثُمَّ أَخَذَهَا ابْنُ أَبِيْ قَحَافَةَ فَنَزَعَ مِنْهَا ذُنُوْبًا أَوْ ذَنُوْبَيْنِ، وَفِيْ نَزْعِهِ ضَعْفٌ، وَاللّٰهُ يَغْفِرْلَهُ ضَعْفَهُ، ثُمَّ اسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَأَخَذَهَا ابْنُ الْخَطَّابِ فَلَمْ اَرَعَبْقَرِيًّا مِنَ النَّاسِ يَنْزِعُ نَزْعَ عُمَرَ حَتَّى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ۔ وَفِى رِوَايَةِ ابْنِ عُمَرَ ۔قَالَ: ثُمَّ أَخَذَهَا ابْنُ الْخَطَّابِ مِنْ يَدِ أَبِى بَكْرٍ فَاسْتَحَالَتْ فِى يَدِهِ غُرْبًا، فَلَمْ اَرَعَبْقَرِيًّا يَفْرِىْ فَرِيَهُ

حَتَّی رَوَی النَّاسُ وَضَرَبُوا بِعَطَنٍ .))❶

''دورانِ خواب میں نے اپنے آپ کو ایسے کنویں پر پایا جس کی منڈیر نہیں تھی۔ اس میں ایک ڈول تھا۔ میں نے اس کنویں سے جتنے اللہ تعالیٰ نے چاہے ڈول کھینچے۔ پھر اس ڈول کو ابن قحافہ نے تھام لیا۔ انہوں نے اس کنویں سے ایک یا دو ڈول کھینچے۔ لیکن ان کے کھینچنے میں کمزوری تھی، اللہ تعالیٰ ان کی کمزوری کو معاف فرمائے اس کے بعد ڈول بڑے ڈول میں تبدیل ہو گیا، اور اس کو ابن الخطاب نے پکڑ لیا۔ میں نے انسانوں میں کوئی مضبوط، طاقتور شخص نہیں دیکھا جو عمر کی طرح ڈول کھینچتا ہو۔ اس نے اتنے ڈول کھینچے کہ سب لوگ جانوروں اور زمین سمیت سیراب ہو گئے۔ سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت میں ہے کہ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ڈول عمر ابن خطاب نے لے لیا، اور عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ڈول کی جسامت بہت بڑی ہو گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے کسی مضبوط ترین انسان کو ان جیسی قوت کے ساتھ کھینچتے نہیں پایا۔ یہاں تک کہ لوگ سیراب ہو گئے اور انہوں نے تالاب بھی بھر لیا۔''

اس حدیث پر غور فرمایئے جو کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی واضح دلیل ہے۔ لیکن سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب یہی رکھی ہے۔ فرمایا:

''سب سے پہلے میں نے کنویں سے پانی کھینچا، پھر ابوبکر نے اور اس کے

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: 3664، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6196.

بعد عمر نے۔"

جو کام رسول عربی ﷺ نے کیا۔ اس کام کو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کر رہے ہیں، پھر اسی کام کو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کر رہے ہیں، اور وہ کام ہی لوگوں کو فائدہ پہنچانے کا ہے۔ جس کا صاف مطلب ہے۔ خلافت کہ میں نے دنیا میں رہ کر لوگوں کی بھلائی کے کام کیے۔ میرے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے پھر اس کے بعد عمر ہیں۔ چنانچہ سیّد نا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے لیے جس شخص کا انتخاب کیا گیا ہے، وہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جب بیمار ہوئے اور محسوس کر لیا کہ اب بیماری سے صحت یاب ہونا مشکل نظر آتا ہے، تو انہوں نے اپنا جانشین سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب کر دیا۔ اس انتخاب پر اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ لیکن سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سختی اور تشدد کے بارے میں سب کو تامل تھا، اور کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا اظہار بھی فرمایا۔ جیسا کہ سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے استحقاق میں کسی کو شک نہیں ہے، لیکن اس کی سختی سے ڈر لگتا ہے۔

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے خیال میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا باطن اس کے ظاہر سے زیادہ بہتر ہے۔ سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی شکایت کے انداز میں کہا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں اب آپ رب کے پاس جا رہے ہو، اور انتہائی سخت آدمی کو خلیفہ بنا کے جا رہے ہو۔ رب کو کیا جواب دو گے، تو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا،

"رب سے کہوں گا اللہ تیرے بندوں میں سے سب سے بہتر اور اچھے انسان کو اپنا جانشین بنا کر آیا ہوں۔"

اس کے بعد سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کے متعلق وصیت لکھنے کو کہا۔ پس وصیت لکھوا رہے تھے کہ بے ہوش ہوگئے۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خود اپنی طرف سے ہی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ

کا نام وصیت میں شامل کر دیا، دراصل انہیں معلوم تھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کو ہی خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہوش آیا تو فرمایا کہ مجھے وصیت پڑھ کر سناؤ۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے پڑھ کر سنایا تو جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نام مبارک آیا تو کہہ اٹھے، اللہ اکبر! اللہ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے تم نے میرے دل کی بات لکھ ڈالی ہے۔ [1]

چنانچہ اس طرح سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کر دیا گیا، اور سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد تیرہ ہجری جمادی الاول کے آخر میں وہ مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔

قارئین محترم! سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کی مسند پر بیٹھ کر جو گرانقدر خدمات سرانجام دیں، اس سے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حسن انتخاب کی داد دینا پڑھتی ہے کہ اُن کی باریک بین نگاہیں وہ کچھ دیکھ رہیں تھیں جو عام لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔ چنانچہ سیّدنا فاروق رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے ان مہمات کو پورا کروایا جو خلیفہ اول کی وفات کے وقت ادھوری تھیں۔ تو سب سے پہلے عراق کی مہم کی طرف توجہ دی اور اس کو اسلامی سلطنت کا حصہ بنایا۔ حالانکہ سوچ اور فکر لوگوں کی یہ تھی کہ چونکہ عراق حکومت فارس کا پایا تخت ہے، اس وجہ سے اس کا فتح کرنا مشکل، بلکہ ناممکن ہے، لیکن سیّدنا فاروق رضی اللہ عنہ کی پر جوش تقریر نے لوگوں کی سوچ کو بدل دیا اور لوگ جذبۂ جہاد سے سرشار ہو گئے تھے، جس کا نتیجہ عراق کی فتح کی صورت میں سامنے آیا۔ اگرچہ ایرانیوں نے اس کو بچانے کی سرتوڑ کوشش کی۔ بڑے بڑے جرنیل آزمائے گئے، لیکن کوئی مسلم سیل رواں کے سامنے بند نہ باندھ سکا۔ بالآخر اس سیل رواں میں تمام ایرانی جرنیل بہہ گئے۔ لیکن عراق کو مفتوح ہونے سے نہ بچا سکے۔ عراق سے چلی ہوئی یہ جنگ کی فضا قادسیہ تک جا پہنچی۔

---

[1] طبقات ابن سعد : 43/3 .

قادسیہ کی یہ جنگ انتہائی خونریز جنگ تھی ’’رستم‘‘ جو اپنے آپ کو بڑا بہادر سمجھتا تھا ساٹھ ہزار فوجی جوان لے کر قادسیہ کے مقام پر مسلمانوں کے مقابل آیا۔ جبکہ اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی فوج بہت کم تھی، لیکن مسلمانوں میں جذبہ ایمانی موجود تھا۔ جس کی وجہ سے وہ مقابلہ کرنے سے باز نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جذبہ کی قدر کرتے ہوئے چھ ہزار تازہ دم سپاہی مزید ان تک پہنچا دیے۔ جو شام کی مہم سے فارغ ہو کر آئے تھے۔ مزید برآں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے بیش قیمت تحائف بھی اپنے قاصدوں کے ذریعہ مجاہدین کی طرف اس پیغام کے ساتھ بھیجے کہ جو بھی آج اسلام کے دفاع کا حق ادا کرے گا یہ تحائف انہی کے لیے ہیں۔ اس سے مسلمانوں کا جوش و جذبہ اور زیادہ بڑھ گیا۔ چنانچہ جب جنگ ہوئی تو باوجود قوت افرادی قلیل ہونے کے مسلمان اس بہادری سے لڑے کہ کفار کو شکست کھا کر بھاگنا پڑا اور رستم جو اپنے آپ کو بڑا بہادر سمجھتا تھا اپنا محل چھوڑ کر بھاگ رہا تھا کہ مجاہدین نے پکڑ لیا، اور اس کا سامان وغیرہ لوٹ کر فوج کے سپہ سالار سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ اس کے بعد بھی ایرانیوں کے ساتھ کچھ معرکے ہوئے، تاہم کوئی بھی مقابلہ نہ کر سکا اور شکست سے دوچار ہو کر تاریخ سے اپنا نام ونشان مٹا گئے۔

قارئین محترم! فتوحاتِ فارس سے فارغ ہونے کے بعد پھر شام کی طرف متوجہ ہوئے۔ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں شام کے کچھ علاقے فتح ہو چکے تھے اور دمشق کا محاصرہ کیا ہوا تھا سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے رجب چودہ ہجری کو اپنے حسن تدبیر سے دمشق کو بھی فتح کر لیا۔ رومیوں کو اس شکست سے کافی تکلیف ہوئی تو انہوں نے چاروں طرف سے فوجیں ’’مقام بیسان‘‘ میں مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے جمع کر لیں۔

عیسائیوں کی درخواست پر مصالحت کے لیے سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا، لیکن مصالحت نہ ہوسکی۔ آخر کار ذی قعدہ چودہ ہجری کو ''فحل'' کے میدان میں کئی ایک خونریز معرکے ہوئے، لیکن میدان مسلمانوں کے ہی ہاتھ رہا۔ ❶

اس کے بعد میدان یرموک میں بھی مسلمانوں کا عیسائیوں سے مقابلہ ہوا، تاہم مسلمانوں کو ہی کامیابی ملی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب یرموک کی فتح کی خبر پہنچی تو فوراً سجدہ میں گر گئے، اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد دوسرے بہت سے علاقوں کو فتح کیا۔ بیت المقدس، فلسطین کی مہم پر سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مامور تھے، انہوں نے کئی ایک علاقوں کو فتح کر لینے کے بعد سولہ ہجری کو بیت المقدس کا محاصرہ کرلیا اس دوران سیّدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی اپنی مہم سے فارغ ہونے کے بعد ان سے مل گئے۔ عیسائیوں نے کچھ دنوں تک تو مدافعت کی، لیکن بعد میں مصالحت پر آمادہ ہو گئے اور اپنے اطمینان کے لیے یہ خواہش ظاہر کی کہ امیر المؤمنین خود یہاں آکر اپنے ہاتھ سے معاہدہ تحریر کریں۔ چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر دی گئی اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت کے بعد سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کر کے رجب سولہ ہجری کو مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ❷ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ سفر انتہائی سادگی کے ساتھ کیا تھا اس سفری ضرورت سے فارغ ہو کر بیت المقدس سے واپسی پر تمام سرحدوں کا دورہ کیا۔ بخیر و عافیت مدینہ تشریف لے آئے۔

فتوحات مصر:

سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بہ اصرار سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر چار ہزار فوج کے ساتھ مصر پر حملہ کیا، ارفرما بلبیس اور ام ونین وغیرہ کو فتح کرتے

❶ طبری، ص: 2158۔ ❷ طبری: 24/4۔

ہوئے فسطاط کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو امدادی فوج کے لیے لکھا، انہوں نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے، سیّدنا زبیر بن العوام، عبادہ بن صامت، مقداد بن عمر، سلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہم، سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کے رتبہ کے لحاظ سے افسر بنایا۔ سات مہینے کے بعد زبیر رضی اللہ عنہ کی غیر معمولی شجاعت سے قلعہ مسخر ہوا، اور وہاں سے فوجیں اسکندریہ کی طرف بڑھیں، مقام کربوں میں ایک سخت جنگ ہوئی ۔ یہاں بھی عیسائیوں کو شکست ہوئی اور مسلمانوں نے اسکندریہ پہنچ کر دم لیا، اور چند دنوں کے محاصرہ کے بعد اس کو بھی فتح کرلیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مژدۂ فتح سنا تو سجدہ میں گر پڑے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ [1]

فتح اسکندریہ کے بعد تمام مصر پر اسلام کا سکہ بیٹھ گیا، اور بہت سے قبطی برضا و رغبت حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

اتنی زیادہ فتوحات اور اتنے بڑے ملک کے حکمران ہونے کے باوجود کسی قسم کا تکبر اور غرور قریب نہ آیا، اور نہ ہی کسی قسم کی کسی کے ساتھ زیادتی کی اور نہ کسی کو زیادتی کرنے دی، اس وجہ سے عدل و انصاف خلافت فاروقی رضی اللہ عنہ کا زرین ترین وصف ہے۔

عدل وانصاف:

سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بڑے منصف اور سخت طبیعت کے مالک تھے، جیسا کہ ہم کچھ واقعات کی مناسبت سے پہلے بھی واضح کر چکے ہیں۔ اور اس چیز کا اظہار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خلیفہ نامزد کیے جانے کے موقعہ پر سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سخت رویہ کو اس لیے قبول کرلیا تھا کہ وہ اپنے اس انداز میں کسی سے بھی امتیازی سلوک نہیں کرتے، بلکہ جو بھی زیادتی کرتا اس کو اس

[1] مقریزی، ص: 267.

کی سزا ضرور دیتے تھے۔ چاہے زیادتی کرنے والا کوئی ان کا قریبی رشتہ دار ہو یا وہ اُن کی حکومت کے کسی عظیم منصب پر فائز ہو۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انصاف کرتے ہوئے کبھی بھی کسی چیز کو انصاف کی راہ میں رکاوٹ بننے نہیں دیا، بلکہ ہر ایک کے لیے ایک قانون تھا۔ چاہے کوئی بڑے سے بڑے خاندان کا فرد ہو، چاہے غریب سے غریب تر شخص ہو۔ سب کے لیے قانون یکساں تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسی مضروب سے ان کو کوڑے لگوائے، سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے دونوں باپ بیٹا خاموشی سے عبرت کا تماشا دیکھتے گئے اور دم نہ مار سکے۔ ❶

جبلہ بن ایہم رئیس شام نے کعبہ کے طواف میں ایک شخص کو طمانچہ مارا، اس نے بھی برابر کا جواب دیا۔ جبلہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی تو انہوں نے جواب دیا کہ جیسا کیا ویسا پایا۔ جبلہ کو اس جواب سے حیرت ہوئی اور مرتد ہو کر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی تنخواہیں مقرر کیں تو اسامہ بن زید کی تنخواہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب غلام سیّدنا زید رضی اللہ عنہ کے فرزند تھے، اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کی۔ سیّدنا عبداللہ نے عذر کیا کہ واللہ، اسامہ کسی بات میں ہم سے فائق نہیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ رضی اللہ عنہ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔'' ❷

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک پیرانہ سال کو گدا کرتے دیکھا، پوچھا تو بھیک مانگتا ہے؟

---

❶ كنز العمال : 335/6.

❷ مستدرك حاكم، 559/3، رقم: 6426۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے۔

اس نے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے۔حالانکہ میں بالکل مفلس ہوں۔سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اسے اپنے گھر لے گئے اور کچھ نقدی دے کر مہتمم بیت المال کو لکھا کہ اس قسم کے ذمی مساکین کے لیے بھی وظیفہ مقرر کر دیا جائے واللہ! یہ انصاف نہیں ہے کہ ان کی جوانی سے ہم فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں ان کی خبر گیری نہ کریں۔ ❶

عربسوس کے عیسائیوں کو ان کی متواتر بغاوتوں کے باعث جلاوطن کیا گیا، مگر اس طرح کہ ان کی اَملاک کی دو چند قیمت دی گئی۔ ❷ نجران کے عیسائیوں کو جلا وطن کیا گیا تو ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کیا گیا۔ ❸

شہادت:

سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک پارسی غلام فیروز نامی نے جس کی کنیت ابو لولوتھی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اپنے آقا کے بھاری محصول مقرر کرنے کی شکایت کی۔ شکایت بے جا تھی اس لیے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے توجہ نہ کی، اس پر وہ اتنا ناراض ہوا کہ صبح کی نماز میں خنجر لے کر اچانک حملہ کر دیا اور متواتر چھ وار کیے۔سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ زخم کی تکلیف کی وجہ سے گر پڑے اور سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ ❹

یہ ایسا زخم کاری تھا کہ اس سے آپ رضی اللہ عنہ جانبر نہ ہو سکے لوگوں کے اصرار سے چھ اشخاص کو منصب خلافت کے لیے نامزد کیا کہ ان میں سے کسی ایک صاحب کو جس پر باقی پانچوں کا اتفاق ہو جائے اس منصب کے لیے منتخب کر لیا جائے، ان لوگوں کے نام یہ ہیں۔ سیّدنا علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن

---

❶ كتاب الخراج، ص: 72. ❷ فتوح البلدان، ص: 163.

❸ طبری، ص: 2162.

❹ مستدرك حاكم: 90/3، رقم: 4568.

عوف رضی اللہ عنہم ۔ اس مرحلہ سے فارغ ہونے کے بعد سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت لی۔ ❶

اس کے بعد انصار و مہاجرین کے بارے میں کچھ وصیتیں فرمائی اور اپنے بیٹے عبداللہ کو کہا کہ جو مجھ پر قرض ہے اس کو مال متروکہ سے ادا کر دیا جائے، لیکن اگر پورا نہ ہو سکے تو عدی کے خاندان سے درخواست کرنا اگر ان سے بھی قرض ادا نہ ہو سکے تو قریش کو کہنا۔ ان کے علاوہ دوسروں کو تکلیف نہ دینا۔ یہ حالت تھی ان کی معیشت کی کہ امیر المؤمنین ہونے کے باوجود مقروض ہیں، اور اتنا مال بھی نہیں ہے کہ جس سے قرض کی ادائیگی ہو سکے۔ آخر کار اسلام کے عظیم ہیرو قیصر و کسریٰ کو شکست دینے والے عظیم مفکر و مدبر امت مسلمہ کے ہمدرد و غم خوار ضروری وصیتیں فرمانے کے بعد مزید تین دن زندہ رہے۔ بالآخر داعیٔ اجل کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے یکم محرم بروز ہفتہ چوبیس ہجری کو اپنا رخت سفر باندھ لیا اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سو گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ عنہ پر کروٹ کروٹ رحمت و برکات کا نزول فرمائے، آمین۔

---

❶ مستدرك حاكم: 92/3، رقم: 4575.

خلیفہ سوئم: سیّدنا عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

دین اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے کہ جس پر چلنے والا دنیا اور آخرت کی کامیابیوں کو حاصل کر سکتا ہے۔ یہ ہم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے پہنچا ہے۔ اس کو پہنچانے میں سب سے زیادہ قربانیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے دی ہیں۔ جنہیں ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس مقدس گروہ نے دین اسلام کی آبیاری کے لیے اپنی جان و مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیا۔ لیکن جس سے جو بن پایا وہ اس نے ہمت و طاقت سے بڑھ کر کیا۔ اس مقدس گروہ کا ایک عظیم ترین فرد کہ جس نے اسلام اور مسلمانوں کی بقا کے لیے اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کیا، اور پھر جب اسلام کو ان کی جان کی قربانی کی بھی ضرورت پڑی تو بڑے ہی استقلال و صبر کے ساتھ اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کر دیا، تاکہ کسی طرح امت مسلمہ اختلاف و انتشار سے بچ جائے۔

نام، نسب اور خاندان:

اس مقدس و محترم ہستی مطہر کا نام نامی اسم گرامی جناب سیّدنا امیر المومنین عثمان بن عفان ذوالنورین ہے، جن کا سلسلہ نسب کچھ یوں ہے: عثمان نام، ابو عبداللہ اور ابو عمر کنیت، ذوالنورین لقب، والد کا نام عفان، والدہ کا نام اروٰی تھا۔ والد کی طرف سے پورا سلسلۂ نسب یہ ہے کہ عثمان بن عفان بن ابی العاص ابن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی۔

والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے کہ اروٰی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدشمس بن عبدمناف، اس طرح سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں عبد مناف پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی نانی بیضاء ام الحکیم سیّدنا عبداللہ بن عبدالمطلب کی سگی بہن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں اس لیے وہ ماں کی طرف سے سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی قریبی رشتہ دار ہیں۔ ❶

آپ رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین (دونوروں والا) اس لیے کہا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوصاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں آئیں۔

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خاندان ایام جاہلیت میں غیر معمولی وقعت واقتدار رکھتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے جد اعلیٰ امیہ بن شمس قریش کے رئیسوں میں تھے۔ خلفائے بنوامیہ اسی امیہ بن عبدشمس کی طرف منسوب ہوکر امویین کے نام سے مشہور ہیں۔ عقاب یعنی قریش کا قوی علم اسی خاندان کے قبضہ میں تھا۔ جنگ فجار میں اسی خاندان کا نامور سردارحرب بن امیہ سپہ سالار اعظم کی حیثیت رکھتا تھا۔ عقبہ بن معیط نے جو اپنے زور اثر اورقوت کے لحاظ سے اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا، اموی تھا۔ اسی طرح ابوسفیان بن حرب، جنہوں نے قبول اسلام سے پہلے غزوۂ بدر کے بعد تمام غزوات میں رئیس قریش کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا تھا، اسی اموی خاندان کے ایک رکن تھے۔ غرض سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خاندان شرافت، ریاست اورغزوات کے لحاظ سے عرب میں نہایت ممتاز تھا اور بنو ہاشم کے سوا دوسرا کوئی خاندان اس کا ہمسر نہ تھا۔

مذکورہ واقعات ان کی سیادت وقیادت کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ ان کے بزرگوں نے ہمیشہ ہی سیادت وقیادت کا فریضہ انجام دیا ہے۔ جو ان کی عزت وشرف کا پتہ دیتا ہے۔

❶ الإصابه جلد 8، تذكره سعدى بنت كربيز، اسد الغابة، تذكره عثمان رضی اللہ عنہ.

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ واقعۂ فیل کے چھٹے سال یعنی ہجرت نبوی سے سینتالیس برس قبل پیدا ہوئے۔ بچپن اور سن رشد کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عام اہل عرب کے خلاف اسی زمانہ میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ عہد شباب کا آغاز ہوا تو تجارت و کاروبار میں مشغول ہوئے اور اپنی صداقت، دیانت اور راست بازی کے باعث غیر معمولی فروغ حاصل کیا۔

قبولِ اسلام:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا چونتیسواں سال تھا کہ مکہ میں توحید کی صدائے غلغلہ انداز بلند ہوئی۔ گو ملکی رسم و رواج اور عرب کے مذہبی تخیل کے لحاظ سے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے یہ آواز نامانوس تھی۔ تاہم وہ اپنی فطری عفت، پارسائی، دیانتداری اور راستبازی کے باعث اس داعیِ حق کو لبیک کہنے کے لیے بالکل تیار تھے۔

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو انہوں نے دین مبین کی تبلیغ و اشاعت کو اپنا نصب العین قرار دیا اور اپنے حلقۂ احباب میں تلقین و ہدایت کا کام شروع کیا۔ ایام جاہلیت میں ان کا اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ارتباط تھا اور اکثر نہایت مخلصانہ صحبت رہتی تھی۔ ایک روز وہ حسب معمول سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گفتگو سے اتنے متاثر ہوئے کہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ ابھی دونوں بزرگ جانے کا خیال ہی کر رہے تھے کہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر فرمایا: عثمان! اللہ تعالیٰ کی جنت قبول کر۔ میں تمہاری اور تمام مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ زبان نبوت کے ان سادہ و صاف جملوں میں اللہ جانے کیا تاثیر رکھی تھی کہ میں بے اختیار کلمۂ شہادت پڑھنے لگا اور دست مبارک میں

ہاتھ دے کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ ❶

شادی:

قبول اسلام کے بعد سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو وہ شرف حاصل ہوا کہ جو ان کی کتاب منقبت کا سب سے درخشاں باب ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فرزندی میں قبول فرمایا اور اپنی کی منجھلی بیٹی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ اعلان نبوت کے بعد جس فرد و بشر سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتہ داری قائم کی ہے وہ بنو امیہ کا یہی چشم و چراغ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان ہیں کہ جو ان کی عزت وشرف کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

حبشہ کی طرف ہجرت:

مکہ میں اسلام کی روز افزوں ترقی سے مشرکین قریش کے غیظ وغضب کی آگ روز بروز زیادہ مشتعل ہوتی جاتی تھی۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنی وجاہت اور خاندانی عزت کے باوجود عام بلاکشان اسلام کی طرح جفا کاروں کے ظلم وستم کا نشانہ تھے انہیں خود ان کے چچا نے باندھ کر مارا۔ اعزہ واقارب نے سرد مہری شروع کی اور رفتہ رفتہ ان کی سخت گیری اور جفا کاری یہاں تک بڑھی کہ وہ ان کی برداشت سے باہر ہوگئی اور بالآخر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے اپنی اہلیہ محترمہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر ملک حبش کی طرف روانہ ہو گئے، چنانچہ یہ پہلا قافلہ تھا جو حق وصداقت کی محبت میں وطن اور اہل وطن کو چھوڑ کر جلاوطن ہوا۔

ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا، اس لیے پریشان خاطر تھے۔ ایک روز ایک عورت نے خبر دی کہ اس نے ان دونوں کو دیکھا تھا۔

❶ اصابہ، جلد 4، تذکرہ عثمان رضی اللہ عنہ.

اتنا معلوم ہونے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ عُثْمَانَ اَوَّلَ مَنْ هَاجَرَ بِأَهْلِهِ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ .))❶

''میری امت میں عثمان پہلا شخص ہے، جو اپنے اہل و عیال کو لے کر جلاوطن ہوا۔''

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عثمان ابراہیم خلیل اللہ کے بعد پہلا شخص ہے کہ جس نے دین کی وجہ سے بمعہ اپنے اہل وعیال گھربار چھوڑا ہے۔

اس ہجرت حبشہ کے بعد پھر جب دوبارہ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ملا تو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی طرف بھی ہجرت کی، اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ مدینہ تشریف لے گئے جو کہ بڑے ہی فضل کا باعث ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

((اِنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا .))❷

''کہ ہجرت پہلے کے تمام قسم کے گناہوں کے خاتمہ کا سبب ہوتی ہے۔''

اس حیثیت میں بھی سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایک عظیم مقام کے حامل ہیں۔ کیونکہ انہوں نے دونوں ہجرتیں کی ہیں۔ جبکہ یہ شرف بہت کم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوا تھا۔ مدینہ کی زندگی مکہ کی زندگی سے مختلف تھی۔ اس لیے کہ یہاں اسلام محکوم نہیں بلکہ آزاد تھا۔ لیکن یہاں کچھ پریشانیاں تھیں، جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ مکہ والوں کو مدینہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ بیمار ہو رہے تھے، اس کے ساتھ ساتھ معیشت پر یہود کا کنٹرول تھا۔ یہودی اسلام کے دشمن تھے انہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا پکا پروگرام بنا رکھا تھا۔ اس پروگرام کے تحت یہودیوں نے انصار

---

❶ الإصابه جلد 4، تذكره عثمان رضی اللہ عنہ.

❷ صحيح مسلم، كتاب الإيمان، رقم: 121/192، مسند احمد: 205/4.

صحابہ کرام کو نوکریوں سے نکال دیا۔ جس سے انصار کی معیشت انتہائی کمزور ہو گئی اور پھر اوپر سے مہاجرین کا بوجھ بھی۔ اس پر مشکل یہ بھی کہ یہودیوں نے ''بئر رومہ'' کا پانی انتہائی مہنگا کر دیا جو عام مسلمانوں کی پہنچ سے دور تھا اور پانی کا بھی بس یہی کنواں تھا۔ اس کے علاوہ پانی کا کوئی ذریعہ نہ تھا، کیونکہ پانی پینے کے لائق اسی کنویں کا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ کیفیت دیکھی تو بڑے پریشان ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اکٹھے کر کے ترغیب دیتے ہوئے فرمایا۔ جو کوئی اس کنواں کو مسلمانوں کے لیے خریدے اللہ تعالیٰ اس کو اس کے بدلے جنت دے گا۔ تو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کرنا چاہا۔ لیکن یہودی (جو کنویں کا مالک تھا) اس کے لیے تیار نہ ہوا، کیونکہ یہود مجبوری سے فائدہ اٹھانے کے عادی ہیں۔ بڑی کوشش کے بعد یہودی صرف نصف حق فروخت کرنے پر راضی ہوا۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ ہزار درہم میں نصف کنواں خرید لیا اور یہ شرط قرار پائی کہ ایک دن سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی باری ہو گی اور دوسرے دن اس یہودی کے لیے یہ کنواں مخصوص رہے گا۔

جس روز سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی باری ہوتی تھی اس روز مسلمان اس قدر پانی بھر کر رکھ لیتے تھے کہ دو دن تک پانی کافی ہوتا تھا۔ یہودی نے دیکھا کہ اب اس سے کچھ نفع نہیں ہو سکتا، تو وہ بقیہ نصف بھی فروخت کرنے پر راضی ہو گیا۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے آٹھ ہزار درہم میں اس کو خرید کر عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ اس طرح اسلام میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے فیض و کرم کا یہ پہلا ترشح تھا، جس نے توحید کے تشنہ لبوں کو سیراب کیا۔

غزوات و دیگر حالات:

ہجرت مدینہ کے بعد مشرکین نے مسلمانوں کو سکون و اطمینان سے بیٹھنے نہیں دیا۔

اور اب تحقیر و تذلیل کے بجائے اسلام کی روز افزوں ترقی سے خائف و ہراساں ہو کر تیر و تفنگ اور تیغ و سنان کی قوت سے اس کی بیخ کنی پر آمادہ ہوئے۔ چنانچہ 4ھ سے فتح مکہ تک خونریز جنگوں کا سلسلہ قائم رہا۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اگرچہ فطرتاً سپاہیانہ کاموں کے لیے پیدا نہیں ہوئے تھے، تاہم وہ اپنے محبوب ہادی طریقت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جانثاری و فداکاری میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

غزوۂ بدر اور سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی علالت:

کفر و اسلام کی سب سے پہلی جنگی آویزش جو بدر کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس میں ایک اتفاقی حادثہ کے باعث شریک ہونے سے قاصر رہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کی اہلیہ محترمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نورِ نظر سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار ہو گئیں تھیں۔ اس لیے نبی انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ میں تیمار داری کے لیے چھوڑ دیا اور فرمایا: تم کو شرکت کا اجر اور مالِ غنیمت کا حصہ دونوں ملے گا۔ [1] اور خود تین سو سترہ قدوسیوں کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہو گئے۔

سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا یہ مرض درحقیقت پیامِ موت تھا۔ غمگسار شوہر کی جانفشانی و تندہی سب کچھ کر سکتی ہے، لیکن قضائے الٰہی کو کیونکر رد کرتی۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر حاضری ہی میں چند روز بعد وفات پا گئیں۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

سیّدنا عثمان اور سیّدنا اسامہ رضی اللہ عنہما بن زید اس ملکہ جنت کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے کہ نعرہ تکبیر کی صدا آئی۔ دیکھا تو سیّدنا زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقہ پر سوار فتح بدر کا مژدہ لے کر آرہے تھے۔ محبوب بیوی اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] صحيح بخاري، كتاب فضائل اصحاب النبيﷺ، رقم: 3699.

کی نورِ نظر کی وفات کا سانحہ کوئی معمولی سانحہ نہ تھا۔ اس حادثہ کے بعد سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہمیشہ افسردہ خاطر رہتے تھے، کچھ اسلام کی پہلی امتحان گاہ (بدر) سے محرومی کا بھی افسوس تھا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہمدردی کے طور پر کہا کہ جو ہونا تھا ہو گیا اب اس قدر رنج و غم سے کیا فائدہ؟ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا افسوس! میں جس قدر اپنی محرومی قسمت پر ماتم کروں کم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن میری قرابت کے سوا تمام قرابت داریاں منقطع ہو جائیں گی۔ افسوس! کہ میرا رشتہ خاندانِ رسالت سے کٹ گیا۔ [1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلدہی فرمائی اور چونکہ انہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کی تیمارداری کے لیے چھوڑ دیا تھا، جس کے باعث وہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی مجاہد قرار دیا، اور بدر کے مال غنیمت میں سے ایک مجاہد کے برابر حصہ بھی ان کو عنایت فرمایا، اور بشارت دی کہ وہ اجر و ثواب میں بھی کسی سے کم نہیں رہیں گے، اس سے بڑھ کر یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی سیّدہ اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا سے ان کا نکاح کر دیا اور خاندان رسالت سے دوبارہ ان کا تعلق قائم ہو گیا۔ یہ اتنا بڑا اشرف ہے کہ سیّدنا آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک کسی بھی پیغمبر کے کسی بھی امتی کو حاصل نہیں ہوا۔ جو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا ہے۔ رب تعالیٰ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے یہی لکھا تھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بیٹی بھی ان کے نکاح میں دے دی۔

غزوۂ بدر کے بعد، جس قدر معرکے پیش آئے سب میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ پامردی، استقلال اور مردانہ شجاعت کے ساتھ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے، اور ہر موقع پر اپنی اصابت رائے اور جوش و ثبات کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو

[1] کنز العمال: 379/6.

ثابت ہوئے۔

غزوۂ اُحد:

شوال تین ہجری میں جب غزوۂ احد پیش آیا تو پہلے غازیان دین کے غنیم کو شکست دے کر میدان سے بھگا دیا۔ لیکن وہ مسلمان تیر انداز جو عقب کی حفاظت کر رہے تھے اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے لگے۔ کفار نے اس جنگی غلطی سے فائدہ اٹھایا اور پیچھے سے اچانک حملہ کر دیا۔ مسلمان اس سے غافل تھے، اس لیے ناگہانی حملہ کو روک نہ سکے اور منتشر ہو گئے۔ اسی اثنا میں مشہور ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے شہادت پائی۔ اس افواہ نے جان نثاروں کے حواس اور بھی گم کر دیئے۔ سوائے چند آدمیوں کے جو جہاں تھے، وہ متحیر ہو کر رہ گئے۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی ان ہی لوگوں میں تھے۔

جنگ احد میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا منتشر ہو جانا اگرچہ ایک اتفاقی سانحہ تھا جو مسلمان تیر اندازوں کی غلطی کے باعث پیش آیا۔ تاہم لوگوں کو اس کا سخت ملال تھا۔ خصوصاً سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نہایت پشیمان تھے، لیکن یہ اتفاقی غلطی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے عفو عام کی بشارت دے دی۔

﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾ ﴾

(آل عمران : 155)

''اور تم سے وہ لوگ جنہوں نے جنگ کے موقع پر پشت دکھا دی، حقیقت میں شیطان نے ان کے بعض اعمال کے بدلہ میں پھسلا دیا ہے۔ اللہ نے ان کو معاف کر دیا اور بے شک اللہ تعالیٰ بڑا حلم والا اور معاف کرنے والا ہے۔''

دیگر غزوات:

غزوۂ اُحد کے بعد چار ہجری میں غزوہ ذات الرقاع پیش آیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اس مہم میں تشریف لے گئے تو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں قائم مقامی کا شرف حاصل ہوا۔ ❶

پھر بنونضیر کی جلاوطنی عمل میں آئی۔ اس کے بعد پانچ ہجری میں غزوۂ خندق کا معرکہ پیش آیا۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان تمام مہمات میں شریک تھے۔ چھ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت کعبہ کا قصد فرمایا۔ حدیبیہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ مشرکین آمادہ پر خاش ہیں۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لڑنا مقصود نہیں تھا۔ اس لیے مصالحت کے خیال سے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا۔

سفارت کی خدمات:

یہ مکہ پہنچے تو کفار قریش نے ان کو روک لیا اور سخت نگرانی قائم کر دی کہ وہ واپس نہ جانے پائیں۔ جب کئی دن گذر گئے اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا تو مسلمانوں کو سخت تردد ہوا، اسی بات پر افواہ پھیل گئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سن کر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے انتقام کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو تعداد میں چودہ سو تھے، ایک درخت کے نیچے بیعت لی، اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے خود اپنے دست مبارک پر دوسرا ہاتھ رکھ کر بیعت لی۔ یہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے تاج فخر کا وہ طرۂ شرف ہے کہ جو ان کے علاوہ اور کسی کے حصہ میں نہ آیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا، اور اس کے ساتھ ساتھ چودہ سو کے قریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا سبب بھی سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی

❶ طبقات ابن سعد، جلد 1، ق 3، ص 39.

بنے۔ کیونکہ انہی کی وجہ سے ان سے بیعت لی گئی تھی۔ اللہ رب العزت کو وہ بیعت کرنے والے اتنے پسند آئے کہ سب کے لیے اپنی رضا مندی کو واجب کر دیا۔ یہ سب سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ہوا جو کہ اُن کے لیے بڑا افضل ہے۔

ایک دفعہ ایک خارجی نے سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بیعت رضوان نہیں کی۔آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت موجود نہ تھے مگر اس ہاتھ نے ان کی طرف سے قائم مقامی کی جس سے بہتر کوئی دوسرا ہاتھ نہیں۔ [1]

لیکن درحقیقت یہ بیعت تو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے خون کے انتقام کے لیے منعقد ہوئی تھی۔اس سے بڑھ کر شرف اور کیا ہوسکتا ہے۔آخر میں مشرکین قریش نے مسلمانوں کے جوش سے خائف ہو کر مصالحت کر لی اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال بغیر عمرہ کیے اپنے فدائیوں کے ساتھ مدینہ واپس چلے آئے۔

سات ہجری میں معرکہ خیبر پیش آیا۔ پھر آٹھ ہجری کو مکہ فتح ہوا۔اسی سال ہوازن کی جنگ ہوئی۔ یہ غزوۂ حنین کے نام سے مشہور ہے۔سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان تمام معرکوں میں شریک رہے۔

غزوۂ تبوک اور تجہیز جیش عسرۃ:

نو ہجری میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔اس کا تدارک ضروری تھا۔لیکن یہ زمانہ نہایت عسرت اور تنگی کا تھا۔اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تشویش ہوئی اور اپنے اصحاب کو جنگی سامان کے لیے اعانت کی ترغیب دلائی۔ اکثر لوگوں نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایک متمول تاجر تھے اس

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: 3699.

زمانہ میں ان کا تجارتی قافلہ ملک شام سے نفع کثیر کے ساتھ واپس آیا تھا۔ اس لیے انہوں نے ایک تہائی فوج کے جملہ اخراجات تنہا اپنے ذمہ لے لیے۔

ابن سعد کی روایت کے مطابق غزوۂ تبوک کی مہم میں تیس ہزار پیادے اور دس ہزار سوار شامل تھے۔ اس بنا پر گویا سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے دس ہزار سے زیادہ فوج کے لیے سامان مہیا کیا، اور اس اہتمام کے ساتھ کہ اس کے لیے ایک ایک تسمہ تک ان کے روپے سے خریدا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور سامان رسد کے لیے ایک ہزار دینار پیش کیے۔ نبی انور صلی اللہ علیہ وسلم اس فیاضی سے اس قدر خوش تھے کہ اشرفیوں کو دست مبارک سے اچھالتے تھے اور فرماتے تھے۔

((مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ .))[1]

''آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کا کوئی کام اس کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔''

یہ حدیث سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی براءت کی نص ہے کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کوئی ایسا کام ہو نہیں سکتا کہ جو اُن کے نقصان کا سبب بن سکے۔

زبانِ نبوت سے تو شہادت ملے آپ رضی اللہ عنہ کی پارسائی کی، لیکن ہمارے جدید مفکر اپنی عجیب و غریب منطق کے ساتھ اس پر اعتراض کرنے کی کوشش کریں۔ یہ کیسی عقل مندی ہے کہ زبانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر تو اعتبار نہ ہو۔ لیکن تاریخ کی جھوٹی روایات اور اپنے من گھڑت اصولوں پر انتہائی اعتماد ہو۔ یقیناً یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

عقل مند قطعاً ایسا نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ عقل مند تو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی یقین کرتا ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تو عثمان رضی اللہ عنہ کی پارسائی کی شہادت دیتی ہے۔

---

[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: 3701، مستدرك حاكم 102/3، رقم: 4609۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

کیونکہ اُن کی دین کے لیے خدمات ہی اتنی ہیں کہ جن کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہیں محسوس کر رہے ہیں کہ مسجد نبوی ﷺ چھوٹی پڑ رہی ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص مسجد کی توسیع کر دے، میں محمد ﷺ اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ یہاں بھی سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ فرمایا کہ یہ کام بھی میں کرتا ہوں۔ چنانچہ اپنی جیب سے زمین خرید کر مسجد نبوی ﷺ کی توسیع کی۔ آج بھی مسجد نبوی ﷺ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سخاوت کی زندہ تصویر بنی ہوئی ہے جو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سخاوت کی یاد دلاتی ہے۔

انہی خدمات کی وجہ سے دربارِ نبوی میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خاص مقام حاصل تھا۔ رسول اللہ ﷺ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی قدر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ ﷺ جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہی ہے جو عثمان رضی اللہ عنہ کو گالی دیتا تھا؟ لوگوں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا: میں اس کا جنازہ نہیں پڑھاتا۔ غور فرمایئے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مقام پر کہ نبی ﷺ کس قدر عثمان رضی اللہ عنہ کا خیال رکھتے ہیں کہ جو عثمان رضی اللہ عنہ کو گالی دے نبی ﷺ اس کا جنازہ پڑھانا گوارہ نہ کریں۔ لیکن آج عجیب حالت ہے۔ مسلمان بھی ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں بھی دیتے ہیں۔۔ ان کی برائیاں بھی بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کی قربانیوں کا حق تو یہ تھا کہ ان کے شکر گزار بنتے اور ان کے لیے دعائیں کرتے۔ کیونکہ یہ اُنہی کی کوششوں کا ہی نتیجہ ہے کہ آج ہم مسلمان ہیں۔

فضیلت:

کسی بھی شخص کا صحابی ہونا ہی اتنا بڑا شرف ہے کہ ساری دنیا بھی اللہ تعالیٰ کی راہ

میں خرچ کر کے کوئی اس شرف کو حاصل نہیں کرسکتا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے شب و روز رسول اللہ کے ساتھ گزارے ہیں، اور تعلیمات رسول ﷺ کو اپنے سینے سے لگایا، اور اپنے ماتھے پہ سجایا ہے، اوراس کے لیے جو قربانیاں انہوں نے پیش کی ہیں، وہ بس انہی کا مقدر اور نصیب ہے۔ شاید کوئی اور جماعت ان قربانیوں کی مثال قیامت تک نہ پیش کر سکے۔ اس بات کی طرف اشارہ آپ ﷺ نے اپنے اس فرمان میں کیا ہے:

((فَلَوْ أَنَّ اَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّا أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهُ.)) [1]

''کہ اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کردے، تو اس کا یہ سونا خرچ کرنا (میرے) ان صحابہ کے ایک پاؤ یا آدھا کلو (جو) کا مقابلہ بھی نہیں کرسکتا۔''

اس فرمان نبوی ﷺ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخلاص اور قربانیوں کا اعتراف ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سارے ہی افضل ہیں، لیکن کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان تمام پر بھی فضیلت حاصل ہے، اور یہ فضیلت ان کے ایمان وتقویٰ کی وجہ سے ہے۔

یہ ایسی عظیم شخصیت ہیں کہ جن کی بعض امتیازی فضیلتوں اور حیثیتوں میں کائنات کا کوئی دوسرا فرد شریک نہیں ہے۔ اور وہ امتیازی خصوصیت اور فضیلت یہ ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے ان کو یکے بعد دیگرے اپنی دو بیٹیاں نکاح میں دیں ہیں۔ یہ اتنا بڑا شرف ہے کہ اس شرف میں کائنات کا کوئی فرد و بشر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہمسر نہیں ہے۔

قارئین محترم! رسول اللہ ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد جس شخص سے رشتہ

---

[1] صحيح بخاري، كتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: 3673، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، رقم: 6488.

داری قائم کی اور جس کو اپنی دامادی کے لیے منتخب کیا ہے، وہ یہی بنو امیہ کا چشم و چراغ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو اپنا داماد بنا لینا ہی سب سے بڑا شرف اور ان کی عظمت کی دلیل ہے۔ کیونکہ کوئی شخص جب کہیں رشتہ کرنا چاہتا ہے تو لڑکے والوں اور لڑکے کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرتا ہے کہ کہیں ہمارے ساتھ فراڈ نہ ہو جائے۔ کہیں لڑکا بدچلن نہ ہو جو بعد میں پریشانی کا باعث بنے۔ الغرض ہر طرح سے اطمینان کر لینے کے بعد پھر رشتہ قائم کیا جاتا ہے۔ تو ذرا سوچیے کہ جس سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم رشتہ کرنے جا رہے ہوں وہ کیسا ہو گا۔ جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے راہنمائی بھی مل رہی ہے، پھر بھی عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی دامادی کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں اس سے عظیم کوئی نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیٹی کے فوت ہو جانے کے بعد دوسری بیٹی کا رشتہ بھی سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ہی دیا ہے۔ جو ان کے عظیم سے عظیم تر ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ غلط آدمی کو کوئی بھی شخص اپنی دامادی کے لیے پسند نہیں کرتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے کبھی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کردار سے ان کی بیٹیوں کے بارے میں تکلیف نہ دی، بلکہ کبھی اس کا تصور تک نہ ہونے دیا۔ اس عظیم انسان کے بارے میں غلط نظریات و عقائد رکھنے والا بد بخت تو ہو سکتا ہے، کبھی نیک بخت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اچھے لوگوں سے نفرت کرنے والے بدبخت ہی ہوا کرتے ہیں اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ تو ویسے ہی جنتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی خود بشارت سنائی ہے۔ چنانچہ سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَائِطٍ مِنْ حِيْطَانِ الْمَدِيْنَةِ ، فَجَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اُفْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ ،

فَفَتَحْتُ لَهُ فَإِذَا أَبُوبَكْرٍ فَبَشَّرْتُهُ بِمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ، فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ جَآءَ رَجُلٌ ، فَاسْتَفْتَحَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أُفْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ" فَفَتَحْتُ لَهُ ، فَإِذَا هُوَ عُمَرُ ، فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: فَحَمِدَ اللّٰهَ ، ثُمَّ اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ فَقَالَ لِيْ: اِفْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ . عَلَى بَلْوَى تُصِيْبُهُ فَإِذَا هُوَ عُثْمَانُ ، فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ ، فَحَمِدَ اللّٰهَ ، ثُمَّ قَالَ: اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ .)) [1]

''میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ کے ایک باغ میں موجود تھا۔ ایک شخص آیا اور اس نے دروازہ کھولنے کی استدعا کی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس کے لیے دروازہ کھول دو اور اسے جنت کی بشارت دو۔ چنانچہ میں نے اس کے لیے دروازہ کھول دیا۔ یہ ابوبکر تھے۔ نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق میں نے ان کو خوشخبری دی۔ اس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ پھر دوسرا شخص آیا اور دروازہ کھولنے کا مطالبہ کیا۔ نبی ﷺ نے اس کے لیے بھی دروازہ کھولنے کی ہدایت کی اور فرمایا کہ اس کو بھی جنت کی خوش خبری دو۔ چنانچہ میں نے دروازہ کھول دیا۔ اور یہ عمر تھے، میں نے انہیں نبی ﷺ کے ارشاد سے مطلع فرمایا، تو انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اور شکر ادا کیا۔ پھر ایک اور شخص نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ مجھے آپ ﷺ نے دروازہ کھولنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اسے بھی جنت کی

---

[1] صحيح بخاري، كتاب فضائل اصحاب النبيؐ، رقم: 3693، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، رقم: 6212.

بشارت دو البتہ انہیں بہت بڑی آزمائش سے دوچار ہونا پڑے گا۔ دروازہ کھولنے پر عثمان رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق خوش خبری دی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور شکرانے کے بعد فرمایا، اللہ ہی مدد کرنے والا ہے۔''

ایک اور حدیث میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَعِدَ أُحُدًا وَ مَعَهُ أَبُوبَكْرٍ وَ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ فَرَجِفَ بِهِمْ فَضَرَبَهُ بِرِجْلِهِ وَقَالَ: اثْبُتْ أُحُدُ! فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَ صَدِّيْقٌ وَ شَهِيْدَان.)) [1]

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمر اور عثمان اُحد پہاڑ پر چڑھے تو وہ کانپنے لگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پاؤں اس پر مارتے ہوئے فرمایا، اُحد ٹھہر جاؤ! کیونکہ تجھ پر ایک پیغمبر، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔''

یہ دونوں احادیث سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو کامیاب ترین شخص قرار دے رہی ہیں۔ کیونکہ جنت میں ناکام آدمی داخل نہیں ہوگا۔ اور مذکورہ حدیث نے یہ بھی خبر دی کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی کوشش و کاوش دین کے لیے ہوں گی۔ باطل کے لیے نہیں، کیونکہ باطل کا ساتھ دینے والا کبھی شہید نہیں ہوتا۔ اس حدیث سے ان لوگوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے اور اپنی آنکھیں کھولنی چاہیے کہ جو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات کو مطعون کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت داغ دار ہوتی تو پھر یہ شہید قرار نہ پاتے۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، رقم: 3686.

کو شہید قرار دے کر ہر کسی کی زبان کو بند کر دیا ہے۔ جو آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف کھلتی ہے۔ اور ان لوگوں کو بھی اپنے کردار پر نظر ثانی کرنی چاہیے کہ جو لوگ جھوٹی روایات کا سہارا لے کر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ کوشش انتہائی غلیظ ہے، کیونکہ ان میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ بلکہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے جھوٹ گھڑ کر عثمان رضی اللہ عنہ کے کردار کو داغ دار کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو کہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اہل حق ان کی حقیقت کو جانتے ہیں اور حقیقت کا ساتھ دیتے ہیں۔ چنانچہ سیّدنا عثمان بن عبید اللہ بن موہب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''اہل مصر میں سے ایک شخص حج کے ارادہ سے آیا اس نے کچھ لوگوں کو ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے پایا۔ تو اس نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ قریش ہیں۔ اس نے پوچھا ان کا سردار کون ہے؟ انہوں نے بتایا عبداللہ بن عمر۔ اس نے عبداللہ بن عمر سے عرض کیا، میں آپ سے کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں مجھے آپ ان کا جواب دیں۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ عثمان جنگ اُحد میں شریک نہیں ہو پائے تھے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا! ہاں۔ پھر اس نے پوچھا، کیا آپ کے علم میں ہے کہ وہ جنگ بدر میں بھی شریک نہیں ہو پائے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اثبات میں جواب دیا۔ اس شخص نے پوچھا کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ بیعت رضوان میں بھی حاضر نہ تھے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، ہاں۔ اس شخص نے تعجب سے کہا: اللہ اکبر۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ آیئے، میں آپ کو اصل حقیقت بیان کروں۔ چنانچہ احد میں شریک نہ ہونے سے متعلق فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس لغزش کو معاف کر دیا۔ (آل

عمران: 155)، جہاں تک بدر سے ان کی غیر حاضری کا تعلق ہے تو (اس کی حقیقت یہ ہے کہ) رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا ان کے نکاح میں تھیں اور وہ سخت بیمار تھیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ تمہیں جنگ بدر میں ایک شریک کے برابر ثواب اور مالِ غنیمت سے حصہ ملے گا، اور جہاں تک بیعت رضوان سے ان کے غیر حاضر ہونے کا تعلق ہے تو اگر مکہ میں عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی اثر و رسوخ والا ہوتا تو آپ ﷺ اس کو بھیجتے۔ پس رسول اکرم ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اور بیعت رضوان عثمان رضی اللہ عنہ کے مکہ جانے کے بعد ہوئی۔ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا اور اس کو دوسرے ہاتھ پر رکھتے ہوئے فرمایا کہ یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت ہے۔ پھر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب اس وضاحت کو اپنے ساتھ لے کر واپس جاؤ۔'' [1]

غور فرمایئے، سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے باطل کا منہ کس طرح بند کیا اور سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا دفاع کس خوبصورت انداز میں کیا اور ہمیں یہ بھی بتلا گئے کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اٹھنے والے کسی بھی اعتراض میں کوئی دم خم نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب جھوٹ اور تعصب کا پلندہ ہیں۔ جن سے ہر مومن اور مسلمان کا بچنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ ان کے فضائل ومحاسن رسول اللہ ﷺ کی زبانِ اطہر سے ثابت ہیں۔

خلافت سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت انتہائی عظیم شخصیت ہے کہ جس کا اندازہ پچھلی احادیث سے بھی ہوگیا ہوگا۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عظمت کی دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: 3699.

انہیں امت نے اپنا پیشوا و امام بنایا تھا۔ یقیناً امت کسی غلط آدمی کو اپنا امام و پیشوا نہیں بنا سکتی۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا متفق علیہ امام بننا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایک عظیم انسان ہیں۔ چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دس برس خلافت کے بعد تیئیس ہجری میں سفر آخرت اختیار کیا۔ مرض الموت میں لوگوں کے اصرار سے عہدہ خلافت کے لیے چھ آدمیوں کا نام پیش کیا کہ ان میں سے کسی کو منتخب کر لیا جائے۔ سیّدنا علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اور تاکید کی کہ تین دن کے اندر انتخاب کا فیصلہ ہونا چاہیے۔

سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تجہیز و تکفین کے بعد انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا اور دو دن تک اس پر بحث ہوتی رہی، لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو پایا۔ آخر تیسرے دن سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وصیت کے مطابق خلافت چھ آدمیوں میں دائر ہے۔ لیکن اس کو تین اشخاص تک محدود کر دینا چاہیے، اور جو اپنے خیال میں جس کو مستحق سمجھتا ہو اس کا نام لے۔ سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے سیّدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی نسبت رائے دی۔ سیّدنا سعد رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف کا نام لیا، سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو پیش کیا۔ سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا میں اپنے حق سے دست بردار ہوتا ہوں، اس لیے اب یہ معاملہ دو آدمیوں پر منحصر ہے اور ان دونوں میں سے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت شیخین کی پابندی کا عہد کرے گا اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی۔

اس کے بعد علیحدہ علیحدہ سیّدنا علی اور عثمان رضی اللہ عنہما سے کہا: آپ دونوں اس کا فیصلہ میرے ہاتھ میں دے دیں۔ اس پر ان دونوں کی رضا مندی لینے کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد میں جمع ہوئے۔ سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

نے ایک مختصر لیکن مؤثر تقریر کے بعد سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنا تھا کہ تمام حاضرین بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔ غرض چار محرم 24 ہجری دوشنبہ کے دن سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اتفاق عام کے ساتھ مسند نشین خلافت ہوئے اور دنیائے اسلام کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔

مسند خلافت پر جلوۂ افروز ہونے کے بعد تقریباً ایک سال تک سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نظم و نسق میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی، بلکہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے طریقۂ حکومت کے مطابق ہی حکومت کرتے رہے۔ لیکن خلیفۂ سابق کی وصیت کے مطابق سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی جگہ سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ یہ پہلی تقرری تھی جو خلیفہ ثالث کے ہاتھوں ہوئی۔ اس کے علاوہ بھی بوقت ضرورت حکومتی نظام کی اصلاح کے لیے تبدیلیاں کرتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جو کارہائے نمایاں ملکی فتوحات کے سلسلہ میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے دیے ان کی مثال ملنا مشکل ہے۔ عموماً یہ بات معروف ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سب سے بڑے حکمراں ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں تین گنا زیادہ ممالک فتح کیے۔ دنیائے اسلام میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بڑا حکمران پیدا ہی نہیں ہوا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فوجیں مشرق وسطیٰ کے درمیان تک پہنچی تھیں، جبکہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سارا افریقہ فتح ہو چکا تھا۔ روس، چین اور یورپ کے دروازوں پر دستک دی جارہی تھی۔ وہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہی زمانہ تھا۔ اور وہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہی کمانڈر تھا کہ جس نے کہا تھا کہ اگر مجھے معلوم ہو کہ اس سمندر کے پیچھے بھی کوئی مخلوق رہتی ہے تو رب کا پیغام ان تک پہنچانے کے لیے گھوڑے کو سمندر میں ڈال دوں یعنی خشکی پر تو اسلام کی ہی حکمرانی ہے اب کوئی

علاقہ نظر نہیں آتا جہاں اسلام کا پرچم نہ لہرا رہا ہو۔

فتوحات:

فتح طرابلس بیس ہجری میں مہم کا اہتمام کیا گیا۔ لیکن با قاعدہ حملہ ستائیس ہجری کو ہوا۔ کافی مدت تک اسلامی فوجیں طرابلس میں معرکہ آراء رہیں، لیکن جب اہل طرابلس نے دیکھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ ممکن نہیں ہے تو سیّدنا عبداللہ بن سرح رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر پچیس لاکھ دینار پر صلح کر لی۔

فتح افریقیہ:

افریقیہ سے مراد وہ علاقے ہیں، جن کو اب الجزائر اور مراکش کہا جاتا ہے۔ یہ ممالک چھبیس ہجری میں سیّدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ہمت و شجاعت اور حسن تدبیر سے فتح ہوئے اس سلسلہ میں بڑے بڑے معرکے پیش آئے اور بالآخر کامیابی اسلامی فوج کو حاصل ہوئی۔

اسپین پر حملہ:

افریقیہ کی فتح کے بعد اسپین کا دروازہ کھلا، چنانچہ ستائیس ہجری میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلامی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا اور سیّدنا عبداللہ بن نافع بن عبد قیس اور عبداللہ بن نافع بن حصین رضی اللہ عنہما دو صاحبوں کو اس مہم کے لیے نامزد کیا، جنہوں نے کچھ فتوحات حاصل کیں، لیکن پھر مستقل مہم روک دی گئی اور سیّدنا عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہما مصر واپس بھیجے گئے اور سیّدنا عبداللہ بن نافع بن عبد قیس افریقیہ کے حاکم مقرر ہوئے۔

فتح قبرص:

قبرص جس کو اب سائپرس کہتے ہیں بحرِ روم میں شام کے قریب ایک نہایت زرخیز

جزیرہ ہے اور یورپ اور روم کی طرف سے مصر وشام کی فتح کا دروازہ ہے اور مصر وشام کی حفاظت اس وقت تک نہیں ہوسکتی اور نہ رومیوں کا خطرہ اس وقت تک دور ہوسکتا تھا جب تک یہ بحری ناکہ بندی مسلمانوں کے قبضہ میں نہ ہو، اس لیے سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عہد فاروقی ہی میں اس پر فوج کشی کی اجازت طلب کی تھی، مگر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ بحری جنگ کے خلاف تھے، اس لیے انکار کر دیا، اس کے بعد اٹھائیس ہجری میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے، پھر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے اصرار کے ساتھ قبرص پر لشکر کشی کی اجازت طلب کی اور اطمینان دلایا کہ بحری جنگ کو جس قدر خوفناک سمجھا جاتا ہے اس قدر خوفناک نہیں ہے۔ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لکھ بھیجا کہ اگر تمھارا بیان صحیح ہے تو حملہ میں مضائقہ نہیں، لیکن اس مہم میں اسی کو شریک کیا جائے جو اپنی خوشی سے شرکت کرے۔ اس اجازت کے بعد سیّدنا عبداللہ بن قیس حارثی کی زیر قیادت اسلامی بحری بیڑہ قبرص پر حملہ کے لیے روانہ ہوا اور صحیح سلامت قبرص پہنچ کر لنگر انداز ہوا۔ سیّدنا عبداللہ بن قیس امیر البحر ناگہانی طور پر شہید ہوئے، لیکن سیّدنا سفیان بن عوف ازدی نے علم سنبھال کر اہل قبرص کو مغلوب کر لیا اور شرائط ذیل پر مصالحت ہوئی۔

1. اہل قبرص سات ہزار دینار سالانہ خرچ ادا کریں گے۔
2. مسلمان قبرص کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔
3. بحری جنگوں میں اہل قبرص مسلمانوں کو اُن کے دشمنوں کی نقل وحرکت کی اطلاع دیا کریں گے۔

اہل قبرص کچھ دنوں تک اس معاہدہ پر قائم رہے، لیکن تینتیس (33) ہجری میں انہوں نے اس کے خلاف رومی جہازوں کو مدد دی۔ اس لیے سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوبارہ قبرص پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر کے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا اور منادی کرا

دی کہ آئندہ سے یہاں کے باشندے رومیوں کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات نہ رکھیں۔ ❶

فتح طبرستان:

تیس ہجری میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ بصرہ کے نئے والی اور سیّدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے دو مختلف راستوں سے خراسان اور طبرستان کا رُخ کیا۔ سیّدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیّدنا حسن، حسین، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم جیسے اکابر شریک تھے۔ ان لوگوں نے پیش قدمی کر کے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے پہلے جرجان، خراسان اور طبرستان کو فتح کر لیا۔ اسی اثنا میں ولید بن عقبہ والیٔ کوفہ کے خلاف ایک سازش ہوئی اور ان پر شراب نوشی کا الزام لگایا گیا، یہ الزام ایسا تھا کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو انہیں معزول کرنا پڑا اور ان کی جگہ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کوفہ کے والی مقرر ہوئے۔

سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی مہم کو جاری رکھا اور ہرات، کابل اور سجستان کو فتح کر کے نیشاپور کا رخ کیا۔ بست، اشندورخ، خواف، اسبرائن، ارغیان وغیرہ فتح کرتے ہوئے خاص شہر نیشاپور کا رخ کیا۔ اہل نیشاپور نے چند مہینوں تک مدافعت کی، لیکن پھر مجبور ہو کر سات لاکھ درہم سالانہ پر مصالحت کر لی۔

سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے نیشاپور کے بعد عبداللہ بن حازم کو سرخس کی طرف روانہ کیا، اور خود ماوراء النہر کی طرف بڑھے۔ سرخس کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی۔ اہل ماوراء النہر نے بھی مصالحت پر آمادگی ظاہر کی اور بہت سے گھوڑے، ریشمی کپڑے اور مختلف قسم کے تحائف لے کر حاضر ہوئے۔ سیّدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے صلح کر لی اور قیس بن ہیثم کو اپنا قائم مقام بنا کر خود اسباب و سامان کے ساتھ دارالخلافہ

❶ ابن الاثیر، 7547/3.

کا رخ کیا۔

ایک عظیم الشان بحری جنگ:

اکتیس ہجری میں قیصر روم نے ایک عظیم الشان جنگی بیڑا کہ جس میں تقریباً پانچ سو جہاز تھے سواحل شام پر حملہ کے لیے بھیجا۔ مورخین کا بیان ہے کہ رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ایسی عظیم الشان قوت کا مظاہرہ اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ امیر البحر عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے مدافعت کے لیے اسلامی بیڑے کو آگے بڑھایا اور سطح سمندر پر دونوں آپس میں مل گئے ۔ دوسری صبح کو مسلمانوں نے اپنے کل جہاز ایک دوسرے سے باندھ دیے اور فریقین میں نہایت خونریز جنگ ہوئی بے شمار رومی مارے گئے ۔مسلمان بھی بہت سے شہید ہوئے، لیکن ان کے استقلال وشجاعت نے رومیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے اور ان کی بہت تھوڑی تعداد زندہ بچی۔ خود قسطنطین اس معرکہ میں زخمی ہوا اور اسلامی بیڑہ مظفر ومنصور اپنی بندرگاہ میں واپس آیا۔ ❶

ان فتوحات سے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی کامیابی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ نے کیسے لوگوں کو ذمہ داریاں سونپ رکھیں تھیں کہ جنہوں نے مشرق سے لے کر مغرب تک اسلامی پرچم بلند کر دیا تھا۔ ایسی کامیاب حکمرانی پر بھی اگر کوئی اعتراض کرے تو یقیناً یہ متعصب ہی ہوسکتا ہے یا پھر دنیا کا لالچی اور حریص، کیونکہ صاحب عقل وشعور تو قطعاً ایسے حکمران اور حکومت پر اعتراض کر ہی نہیں سکتا۔

ایک سازش:

پچھلے صفحات میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی مملکت کی سرحدیں بہت دور تک پھیل چکی تھیں اور کفر کے لیے کرۂ ارض تنگ ہو گئی تھی۔

❶ ابن الاثیر : 91/3.

چنانچہ کفر کو یہ کیفیت قطعاً برداشت نہ تھی۔لیکن مقابلہ کرنے کی ہمت بھی نہ تھی۔اب کرے تو کیا کرے۔ایسی حالت میں سازشیں اور مکر ہی باقی رہ جاتا ہے۔اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہوتا۔لہٰذا اس چال کو استعمال کرتے ہوئے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازشیں شروع کی گئیں اور ایسے لوگوں کو تلاش کیا گیا کہ جو ان سازشوں میں ان کے مددگار بھی بن سکیں اور ان سازشوں کو قبول بھی کر لیں۔چنانچہ قریشیوں کے دل و دماغ میں یہ بات بٹھائی گئی کہ حکومت پر سب سے زیادہ حق تمھارا ہے تمھارا حق چھین کر دوسروں کو دیا جا رہا ہے جو کہ تم پر ظلم ہے۔انسان لالچی اور کمزور ہوتا ہے۔کچھ لوگ اس سوچ کے اسیر بن گئے،اور ان سازشیوں کے آلۂ کار بن گئے،اور لوگوں کو اپنی مظلومیت کی داستانیں سنانے لگے،اور لوگوں میں فتنہ برپا کرنے لگے۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پورے ملک میں فتان لوگ پیدا ہو گئے اور مصر ان سازشوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ ایک یہودی النسل عبداللہ بن سبا نے اپنی حیرت انگیز سازشانہ قوت سے مختلف الخیال فسادیوں کو ایک نقطہ پر جمع کر دیا تھا اور اس کو زیادہ مؤثر بنانے کے لیے مذہب کے اندر عجیب وغریب قسم کے نظریات گھڑے۔کسی بھی قوم کو کمزور کرنے کے لیے یہودیوں نے ہمیشہ یہی چال چلی ہے کہ ان کے عقائد ونظریات کو بگاڑ دو خود ہی لڑ لڑ کر ختم ہو جائیں گے۔تمھیں لڑنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔اس سازش کے تحت انہوں نے عیسائیت کو بھی نقصان پہنچایا اور اسی کا نشانہ مسلمان بنے کہ جس کا نتیجہ چودہ سو سال سے بھگت رہے ہیں اور قیامت تک بھگتنا پڑے گا۔

شہادت:

یوم شہادت کو آپ رضی اللہ عنہ نے پاجامہ منگوا کر پہنا جو اس سے قبل کبھی نہیں پہنا تھا، پھر کہا میں نے آج کی رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے۔ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی

ساتھ ہیں، رسول اللہ ﷺ مجھ سے فرما رہے ہیں صبر کرو تم شام کو روزہ ہمارے پاس افطار کرو گے۔ اس کے بعد آپ نے قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی اور بحالت تلاوت ہی شہید کر دیے گئے، خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قطرے مندرجہ ذیل آیت مبارکہ پر ٹپکے:

﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ﴾ (البقرہ: 137)❶

سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر لگائے گئے اعتراضات اور ان کا جائزہ:

شر پسندوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت سے دستبردار کرنے کے لیے آپ پر حسب ذیل اعتراضات کیے۔

① کبار صحابہ کی معزولی اور ان کی جگہ اموی خاندان کے نااہل افراد کا تقرر۔

② بعض اکابر صحابہ کے ساتھ آپ کا ناروا سلوک۔

③ بقیع کی چراگاہ کو اپنے لیے مخصوص کر لینا۔

④ بدعتوں کی ترویج۔

⑤ اموی عمال کے ساتھ نرمی۔

⑥ قرآن مجید کے نسخوں کو جلا دینا۔

⑦ رسول اللہ ﷺ کے جلاوطن کیے ہوئے افراد کو واپس مدینہ بلا لینا۔

⑧ بیت المال کا غلط استعمال۔

⑨ اقارب واعزہ میں تقسیم اراضی۔

⑩ حدود کے نفاذ میں تساہل۔

⑪ مصری وفد سے بدعہدی۔

---

❶ اسد الغابة، ذكر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ.

(1) اعتراض:...... آپ رضی اللہ عنہ پر سب سے پہلا الزام یہ تھا کہ آپ نے جلیل القدر صحابہ مغیرہ بن شعبہ، ابوموسیٰ اشعری، عبد اللہ بن ارقم اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کو ان کے عہدوں سے معزول کر دیا تھا۔

اعتراض کا جائزہ:...... معزولی کے اسباب معقول ہوں تو بڑی سے بڑی شخصیت کو بھی اس کی ذمہ داری سے سبکدوش کیا جا سکتا ہے۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت کی بنا پر معزول کیا گیا، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ گورنر بصرہ کو معزول کرنے کی وجہ وہاں کے عوام کا مطالبہ تھا، سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیت المال کی رقم واپس نہ کرنے کی بناء پر معزول کیے گئے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر جیسے سرخیز علاقہ میں آمدنی میں غیر معمولی کمی کی وجہ سے فارغ کر دیا گیا اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ضعف پیری کی وجہ سے ان کے عہدہ سے ہٹا دیا گیا۔ الغرض تمام معزولی معقول وجوہ کی بنا پر عمل میں آئی تھیں۔ نیز یہ اعتراض بھی غلط ہے کہ آپ نے ان عہدوں پر بنوامیہ کے نا اہل افراد کا تقرر فرمایا۔ بلکہ جن لوگوں کو ان مناصب کی ذمہ داری سونپی گئی انہوں نے وسعت سلطنت اور انتظام سے اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کیا۔

(2) اعتراض:...... مفسدین کا آپ پر الزام تھا کہ آپ نے ابوذر غفاری، عمار بن یاسر اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے ساتھ ناروا سلوک برتا۔

اعتراض کا جائزہ:...... حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو جلاوطن کرنے کا الزام سراسر بے بنیاد ہے بلکہ انہوں نے خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اختلاف کی بنا پر مکہ کے قریب ایک ویرانہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس لیے سختی کی گئی کہ وہ سبائی جماعت سے متاثر ہو کر اس کے ساتھ مل گئے تھے، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وظیفہ اس لیے بند کر دیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امت کو ایک قرآن پر متحد

رکھنے کے لیے ان کے پاس موجودہ نسخہ قرآن بھی تلف کر دینا چاہتے تھے لیکن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے لیے تیار نہ تھے اس مقصد کی اہمیت کے پیش نظر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انکار کرنا قطعاً نامناسب تھا۔

(3) اعتـــــراض:......آپ پر الزام لگایا گیا کہ آپ نے بقیع کی چراگاہ اپنے جانوروں کے لیے وقف کر رکھی ہے اور عوام الناس کو اس میں تصرف کی اجازت نہیں۔

اعتــراض کــا جــائزہ: ......آپ نے وضاحت فرمادی کہ یہ چراگاہ حسب سابق بیت المال کے جانوروں کے لیے ہی مخصوص ہے اور مجھے اس میں ذاتی تصرف کا حق حاصل نہیں ہے۔

(4) اعتــــراض:......آپ پر بدعتوں کو رواج دینے کا الزام لگایا گیا کہ آپ منیٰ میں دو کی بجائے چار رکعت نماز ادا کرتے ہیں۔

اعتــــراض کــا جــائــزہ: ......حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی وضاحت یوں فرمائی: ''میں نے مکہ میں قیام کی نیت کرلی تھی اس لیے پوری نماز دا کی یہ زیادہ سے زیادہ اجتہادی اختلاف ہوسکتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نیت میں قطعاً کوئی شبہ نہ تھا۔

(5) اعتراض:......اموی عمال کے ساتھ نرمی کرنے کا الزام ہے۔

اعتــراض کــا جــائزہ:......اموی عمال کے خلاف کاروائی نہ کرنے کا الزام بھی بے بنیاد ہے، آپ نے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ عمال کے خلاف شکایات پیش کریں۔ آپ کے علم میں جو بدعنوانی آتی تھی آپ اس کا ضرور تدارک فرماتے تھے جب کسی عہدہ دار کے خلاف لوگوں کو شکایت ہوتی اور وہ اس کی معزولی کا مطالبہ کرتے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فوراً اسے معزول کر دیتے تھے۔ اہل کوفہ کی شکایت پر ہی آپ نے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ صحابی کو مقرر کیا۔

(6) اعتراض:......آپ پر مصحف صدیقی کے علاوہ قرآن مجید کے باقی نسخوں کو جلانے کا بھی الزام تھا۔

اعتراض کا جائزہ: ......درحقیقت یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی دینی خدمت اور مسلمانوں پر احسان عظیم ہے کہ انہوں نے ساری امت کو ایک قرآن مجید پر متحد کر دیا اور قرآن مجید کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہونے کے تمام دروازے بند کر دیے اگر آپ یہ خدمت سرانجام نہ دیتے تو آج مسلمان بھی اہل کتاب کی طرح بے شمار اختلافات کا شکار ہو جاتے۔

(7) اعتراض:......آپ پر ایک بے بنیاد الزام یہ بھی تھا کہ آپ نے حکم بن العاص رضی اللہ عنہ کو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلا وطن کر دیا تھا واپس بلا لیا تھا۔

اعتراض کا جائزہ: ......آپ نے وضاحت فرمائی کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حکم بن العاص رضی اللہ عنہ کو واپس بلانے کی اجازت طلب کر لی تھی۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو اس اجازت کا علم نہ تھا، لہٰذا انہوں نے حکم کو واپس آنے کی اجازت نہ دی۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں ان کو واپس بلا لیا اور صلہ رحمی کرتے ہوئے اسے عطیات سے نوازا۔ مفسدین نے اصل واقعہ کو توڑ موڑ کر پیش کیا۔

(8) اعتراض:...... بیت المال سے اپنے خاندان والوں کو وظیفہ دینے کا الزام بھی سراسر غلط اور بے بنیاد تھا۔

اعتراض کا جائزہ: ......حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بے پناہ فیاضی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنا رزق دیا تھا کہ بیت المال سے لینے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ ہمیشہ اپنے کنبہ والوں کی سرپرستی کرتے تھے اور اپنی گرہ سے ان کی امداد کرتے تھے۔ اس الزام کی وضاحت آپ نے یوں فرمائی: ''میں اپنے خاندان والوں کو جو کچھ دیتا

ہوں وہ اپنے ذاتی مال سے دیتا ہوں۔ مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لیے حلال سمجھتا اور نہ کسی دوسرے کے لیے' عبد اللہ بن ابی سرح اور عبد اللہ بن خالد رضی اللہ عنہ کی خدمات کے صلہ میں آپ نے ان کی حوصلہ افزائی ضرور فرمائی لیکن جب لوگوں نے اعتراض کیا تو ان سے رقم واپس لے کر بیت المال میں جمع کروادی۔

(9) اعتراض:...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اپنے عزیز و اقارب کو جاگیریں عنایت کرنے کا بھی الزام تھا۔

اعتراض کا جائزہ:......اس کی حقیقت یہ تھی کہ اہل یمن آبادکاری کے لیے مدینہ آئے تو ان کو مدینہ میں زمین کے قطعے دیے گیے اور اس کے بدلہ میں ان کی یمن کی زمینیں لے لی گئیں۔ عراق کی بے آباد زمینیں ان لوگوں کو دے دی گئیں جنہوں نے اس کی آبادکاری میں کوشش کی تھی۔

(10) اعتراض:...... حدود میں تساہل برتنے کا الزام۔

اعتراض کا جائزہ:...... حدود میں تساہل برتنے کے سلسلہ میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے خلاف ہرمزان اور جفینہ کو اس شبہ میں قتل کر دیا تھا کہ یہ دونوں حضرات اس کے باپ کے قتل میں شریک ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے سب سے پہلے یہی مقدمہ پیش ہوا۔ صحابہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قصاص لینے کی رائے دی۔ لیکن دوسرے بزرگوں نے اختلاف کیا اور کہا یہ مناسب نہیں کہ کل امیر المومنین قتل ہوئے ہیں۔ آج ان کے بیٹے کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قصاص کو دیت میں بدل دیا اور اپنی جیب سے دیت ادا فرمائی۔ ان خاص حالات میں دانشمندانہ فیصلہ یہی ہوسکتا تھا۔ ولید بن عقبہ کی حد میں تاخیر ضرور ہوئی لیکن غفلت نہیں برتی گئی چونکہ مطلوبہ شرعی شہادت فوری طور پر میسر نہ تھی اس لیے تاخیر ہوئی جونہی شہادت میسر آ گئی اس پر شرعی

حد جاری کردی گئی۔

(11) اعتراض:......آپ پر آخری الزام بدعہدی کا تھا۔

اعتراض کا جائزہ: ......اس کی تفصیل یہ ہے کہ مصر کے مفسدین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سمجھا بجھا کر واپس کر دیا۔ راستے میں انہوں نے سرکاری قاصد سے ایک خط برآمد کیا جس میں گورنر کو امیر المومنین کی طرف سے ہدایت کی گئی تھی کہ ان تمام مفسدین کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر اس خط سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس وضاحت پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کسی قسم کے شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہ تھی۔

خلیفہ چہارم: سیّدنا علی رضی اللہ عنہٗ بن ابی طالب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آپ کے اہل بیت میں سے ایک عظیم شخصیت سیّدنا علی رضی اللہ عنہٗ بن ابی طالب کی ہے جو خلفاء ثلاثہ کے بعد امت کی افضل ترین شخصیت ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بھی خصوصی پیار اور تعلق تھا۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہٗ کی ذات اوصاف حمیدہ کی مجموعہ تھی۔ چنانچہ جو بھی خوبیاں کسی بھی اچھے انسان میں ہونی چاہیے۔ وہ ساری کی ساری خوبیاں سیّدنا علی رضی اللہ عنہٗ کے اندر موجود تھیں۔ مثلاً امانت و دیانت، زہد وتقویٰ، یہ ایسی خوبیاں ہیں جو کسی بھی انسان کے اچھے ہونے کے لیے کافی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہٗ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زانوئے ادب طے کرتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی ان پر اثر انداز ہوتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہم کی عظمت کے نقوش ان کی زندگی کی راہنمائی کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاکیزہ اور روشن ضمیر اور طرزِ عمل حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کی حیات مبارکہ کی خصوصی صلاحیتیں اجاگر کرتا ہے، ظاہر ہے مربی کے معیار کے مطابق ہی تربیت یافتگان ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمہ کو ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سبحان اللہ اور دس مرتبہ الحمدللہ اور دس مرتبہ اللہ اکبر پڑھنے کا حکم دیا، نیز سوتے وقت تینتیس تینتیس مرتبہ پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کلمات کو کبھی بھی نہیں

چھوڑا۔ آپ سے کہا گیا کہ جی یہ کلمات آپ نے صفین کی رات بھی نہیں چھوڑے؟ فرمایا کہ نہیں۔ [1]

نام،نسب اور خاندان:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب کچھ اس طرح ہے علی بن ابی طالب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی ہے۔ آپ کی ایک کنیت ابوالحسن جبکہ دوسری کنیت ابوتراب ہے۔ اور آپ کا لقب حیدر ہے۔

ابو طالب کی شادی چونکہ اپنے ہی خاندان میں ہوئی تھی۔ اس وجہ سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ دونوں جانب یعنی ننھال اور دھدیال کی طرف سے ہاشمی ہیں۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچازاد بھائی ہیں۔

خاندان بنو ہاشم کو عرب میں کیا اہمیت و مقام حاصل تھا، وہ محتاج تعارف نہیں ہے۔ خانۂ کعبہ کی خدمت کی وجہ سے اہل عرب ان کو انتہائی عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی سیادت و قیادت ہمیشہ ہی ابو ہاشم کے پاس رہی۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے والد محترم جناب ابو طالب مکہ کے با اثر بزرگوں میں سے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کی آغوش میں پرورش پائی اور انہوں نے دین اسلام کی ہر طرح سے خدمت بھی کی۔ اور تکالیف بھی برداشت کیں۔ لیکن کبھی بھی اپنے عزیز بھتیجے کے سر سے دست شفقت نہیں اٹھایا۔ بلکہ اپنی طاقت سے بڑھ کر دین اسلام کی خدمت کی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی کوشش کی۔ کہ کسی طرح میرا چچا مسلمان ہو جائے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کان میں ہی کلمہ پڑھنے کی درخواست کی۔ لیکن پوری نہ ہوسکی۔ جس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دکھ ہوا۔

---

[1] صحيح بخاري، كتاب النفقات، رقم: 5361، 5362.

جناب ابو طالب کثیر العیال تھے۔ لیکن معاشی حالت کوئی زیادہ بہتر نہ تھی قحط اور خشک سالی نے اس میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ چنانچہ ابو طالب کی معاشی حالت انتہائی کمزور ہو گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ ان کی حالت دیکھی نہ گئی۔ ایک دن آپ ﷺ نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہمیں چچا کی مشکل میں اس کا ساتھ دینا چاہیے۔ چنانچہ طے یہ پایا کہ جعفر رضی اللہ عنہ کی پرورش اور کفالت کی ذمہ داری عباس رضی اللہ عنہ کے ذمہ ہے۔ اور علی رضی اللہ عنہ کی کفالت کی ذمہ داری خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے سر لی۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بعثت نبوی سے تقریباً دس سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ جب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال ہوئی۔ تو آپ ﷺ کے سر مبارک پر نبوت کا مبارک تاج سجا دیا گیا۔

قبول اسلام:

اس دوران سیّدنا علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ ہی رہے۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک دن آپ ﷺ اور سیّدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو عبادت میں مصروف دیکھا۔ اور بچگانہ حیرانگی سے پوچھا کہ آپ لوگ یہ کیا کر رہے تھے۔ آپ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو منصب نبوت کی خبر دی۔ کفر کی مذمت کی اور توحید کی دعوت دی۔ چونکہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ ایسی چیز سے نا آشنا تھے، اس لیے کہا کہ میں اپنے والد محترم سے مشورہ کروں گا۔ آپ نے ان کو منع کر دیا، کیونکہ ابھی تک آپ ﷺ دین کی تبلیغ چھپ چھپا کر کر رہے تھے۔ لیکن اس واقعہ کے دو دن بعد ہی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا کہ:

﴿ وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ﴾ (الشعراء : 214)

''کہ آپ ﷺ قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں۔''

تو آپ نے ایک دعوت کا انتظام کروایا۔ اس دعوت میں مکمل ذمہ داری علی رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی، چنانچہ دعوت کا خوب اچھا انتظام کیا۔ باوجود اس بات کہ علی رضی اللہ عنہ کی عمر ابھی بالکل تھوڑی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ولی کو بے پناہ صلاحیتیں عطا کر رکھیں تھیں۔ بہرحال جب قریش دعوت سے فارغ ہوئے تو آپ نے ان کے سامنے دعوت اسلام یعنی توحید کی دعوت رکھی۔ اور لوگوں کو فرمایا کہ میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی کامیابی لے کر آیا ہوں۔ تو کون ہے جو تم میں سے میرا ساتھ دے۔ اس آواز پر کسی نے لبیک نہیں کہا۔ بلکہ ابولہب نے کہا۔

((تَبًّا لَكَ يَا مُحَمَّدُ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا؟))

''اے محمد! تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں تو نے اس لیے ہمیں یہاں جمع کیا تھا۔''

اس موقعہ پر علی رضی اللہ عنہ جن کی عمر بمشکل پندرہ سال ہوگی۔ کہنے لگے۔ اللہ کے رسول! میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری مرتبہ قریش والوں کو وہی دعوت دی۔ لیکن کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ علی رضی اللہ عنہ نے پھر کہا: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو بچہ سمجھ کر پھر بٹھا دیا۔ تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اہل قریش کو دعوت دی۔ اہل قریش نے کوئی جواب نہ دیا، علی رضی اللہ عنہ نے پھر کہا: میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ رسول اللہ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ تم میرے بھائی اور میرے وارث ہو۔ [1]

اس واقعہ سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بہادری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا مقام آپ کے نزدیک انتہائی اعلیٰ تھا۔ جس کا اظہار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرامین سے بھی کیا۔ اور اپنی سب سے چہیتی اور لاڈلی بیٹی

[1] مسند احمد : 100/1 .

سیّدہ نساء اہل الجنۃ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا کو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دے کر کیا۔ اہل عقل وخرد جانتے ہیں کہ صاحب شعور رشتہ ان سے قائم کیا کرتے ہیں، جو بلند ترین اوصاف حمیدہ سے متصف ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ دینا ہی سب سے بڑی دلیل ہے۔ کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بلند ترین انسان ہیں ۔ جو کہ داماد نبی کے لیے منتخب ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرامین سے واضح کیا۔ کہ میرے نزدیک علی رضی اللہ عنہ انتہائی اہم شخص ہیں آپ کا ارشاد پاک ہے:

((اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ .)) ❶

''تم میرے نزدیک وہی مقام رکھتے ہو۔ جو مقام موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک ھارون کا تھا۔ البتہ میرے بعد کوئی نبی ہوگا۔''

اس حدیث سے اندازہ لگایئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا کیا مقام ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنایا اسی طرح جس طرح موسی علیہ السلام نے طور پر جاتے ہوئے بنی اسرائیل کی اصلاح کی ذمہ داری ہارون کے سپرد کی تھی۔

اس لیے بعض کوتاہ فکر ونظر لوگوں نے یہ استدلال کرنے کی کوشش کی ہے کہ خلافت کا حق علی رضی اللہ عنہ کا تھا۔ دیکھئے مذکورہ حدیث میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو سیّدنا ھارون علیہ السلام کی خلافت سے تشبیہ دی گئی ہے، حالانکہ ھارون علیہ السلام سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے حکومت میں خلیفہ نہ تھے۔ بلکہ دینی امور کی ذمہ داری میں خلیفہ تھے۔ کیونکہ ھارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے چالیس سال قبل فوت ہوئے تھے۔ اس وجہ سے حکومت میں خلافت کا تو

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: 3706، 4416، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6217.

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب صرف اور صرف عارضی امور چلانے کے لیے بنایا تھا تاکہ اپنے بعد مستقل خلیفہ ہونے کی ضمانت دی تھی۔ کیونکہ یہی مقام ھارون علیہ السلام کا ہے۔ جیسا کہ قرآن نے اس کی خود وضاحت کی ہے:

﴿ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَ اَصْلِحْ ﴾ (الاعراف : 142)

''اے ھارون! میرے بعد قوم میں میرا خلیفہ بن جا اور ان کی اصلاح کر۔ فساد کرنے والوں کے پیچھے مت لگنا۔''

اس آیت نے واضح کیا کہ سیّدنا ہارون علیہ السلام کا اصل کام اصلاح کا تھا تاکہ حکومت کرنا اور نہ ہی یہ ذمہ داری سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے ھارون کے سپرد کی تھی۔ بس یہی ذمہ داری علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کی گئی، جیسا کہ دوسری احادیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے کہ تم مدینہ میں رہ کر عورتوں اور بچوں کا خیال کرو۔

لہٰذا اس حدیث سے مبارکہ سے خلافت پر استدل نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کے نزدیک عظیم مقام ہے۔ اور انتہائی قابل اعتماد ہیں۔ اسی لیے آپ نے ان کو بھی اپنا قائم مقام بنایا۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ:

((إِنَّ عَـلِيًّـا مِـنِّـى، وَأَنَـا مِنْ عَلِيٍّ، وَهُوَ وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ بَعْدِيْ.))[1]

''علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں، اور وہ میرے بعد ہر مومن کا دوست ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے:

[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: 3712۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

((مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ .)) ❶

''جس شخص کے ساتھ میں دوستی رکھتا ہوں، اس سے علی بھی دوستی رکھتا ہے۔''

یہ ساری کی ساری روایات سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو واضح کر رہی ہیں۔ اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کیا مقام ہے۔ اس کا بھی ان سے اظہار ہو رہا ہے۔ اور اس کے ساتھ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کو بھی ضروری قرار دے رہی ہیں۔ کیونکہ اُن سے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی دلیل ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت فرض ہے۔ جب تک آپ سے محبت نہ ہوگی۔ کوئی شخص مومن کہلانے کا قطعاً حق دار نہیں۔ اس وجہ سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے مومن تو محبت ہی کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے۔

((وَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسْمَةَ اِنَّهٗ لَعَهِدَ النَّبِیُّ الْاُمِّیُّ ﷺ اِلَیَّ: اَنْ لَّا یُحِبَّنِیْ اِلَّا مُؤْمِنٌ ، وَلَا یُبْغِضَنِیْ اِلَّا مُنَافِقٌ .)) ❷

''اس ذات کی قسم! جس نے دانے کو پھاڑا اور ہر جاندار چیز کو پیدا فرمایا کہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے تاکیداً کہا تھا کہ مجھ سے صرف مومن ہی محبت کرے گا اور منافق کے سوا اور کوئی مجھ سے بغض نہیں رکھے گا۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ مومن تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہیں۔ اور منافق سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت نہیں کرتے، کیونکہ علی رضی اللہ عنہ اللہ کے محبوب ہیں۔ اور جو اللہ کا محبوب ہوتا ہے اس سے محبت لازم ہوتی ہے۔ بصورت دیگر اللہ اس شخص سے ناراض ہو جاتا ہے کہ جو اللہ کے محبوبوں سے محبت نہ کرے۔ جیسا کہ حدیث قدسی ہے:

❶ سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: 3713۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔
❷ صحیح مسلم، کتاب الإیمان، رقم: 240.

((مَنْ عَادَى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ .))❶

''جو میرے کسی دوست سے دشمنی کرتا ہے تو میں اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں۔''

ذرا غور فرمائیے کہ اللہ کے محبوبوں سے دشمنی اللہ سے جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ اور یقینی بات یہ ہے کہ اللہ سے جنگ کرنے والا کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ لہٰذا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت اس حیثیت سے بھی لازم ہے۔ کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں، یہی وجہ ہے کہ تمام مومن ان سے محبت کرتے ہیں۔

چنانچہ سیّدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن فرمایا: ''کل میں اس شخص کو جھنڈا دوں گا، جس کے ہاتھ پر اللہ خیبر کو فتح کرے گا، وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوگا اور اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُس سے محبت رکھتے ہوں گے، صبح ہوتے ہی سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ہر ایک کو یہ امید تھی کہ شاید جھنڈا مجھے ملے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان کی آنکھوں میں (درد کی) شکایت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی طرف کسی کو بھیجو، خیر انہیں لایا گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں پر اپنا لعابِ دہن مبارک لگا دیا اور اُن کے لیے دعا کی، پھر وہ اس سے تندرست ہوگئے، جیسے کوئی شکایت ہی نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا اُن کے حوالے کیا، کہنے لگے: یارسول اللہ! میں اُن سے اُس وقت تک لڑوں گا جب تک وہ ہماری طرح مسلمان نہ ہوجائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو ایسا کرتا چلا جا جب تو اُن کی زمین پر پہنچے تو اُن کو اسلام کی دعوت دینا اور اللہ کی طرف جو ان پر حق

❶ صحيح بخاري، رقم : 6502، المشكاة، رقم : 2266.

واجب ہیں اُن کو بتلا دینا، اللہ کی قسم! اگر تیری وجہ سے اللہ ایک شخص کو راہ ہدایت پر لے آئے تو وہ تیرے حق میں سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔'' ❶

اس حدیث میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو اللہ کا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب قرار دیا گیا ہے۔ نیز علی رضی اللہ عنہ بھی ان دونوں سے ہی محبت کرتے ہیں۔ لہٰذا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ حقیقی مومن ہیں کہ جن سے محبت کرنا لازم ہے۔

لیکن اس محبت میں غلو (انتہائی زیادتی) سے بچنا ضروری ہے۔ جیسا کہ آج بعض لوگوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی آڑ میں شرکیہ عقائد اختیار کر رکھے ہیں۔ یعنی ایسی باتیں ان کی طرف منسوب کر دی ہیں جو کہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، جو اس کے علاوہ کسی اور کو نہیں دی جاسکتیں ہیں۔ مثلاً علی رضی اللہ عنہ مشکل کشا ہے، ہر ضرورت کو پورا کرتا ہے، اس کے نام کی نذر دی جائے جس سے بیماریوں اور پریشانیوں سے نجات ملتی ہے، کوئی علی رضی اللہ عنہ کو مدد کے لیے پکار رہا ہے۔ حالانکہ یہ ساری صفات اور خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لیے مختص ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ (النمل : 62)

''(کیا یہ بت بہتر ہیں) یا وہ (اللہ) جو مجبور و لاچار کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے، اور وہ اس کی تکلیف دور کر دیتا ہے، اور وہ تمھیں زمین میں جانشین بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے؟ تم کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو۔''

---

❶ صحيح بخاری، كتاب المغازی، رقم: 4210، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، رقم: 6223.

غور فرمائیے !مشکلات و مصائب میں کام آنے والی ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے علاوہ کسی کو حق نہیں ہے کہ کوئی کسی کی پریشانی بلا واسطہ حل کر سکے۔ یہ بات ذہن نشین کر لیں بلا واسطہ کا مطلب ہے۔ کہ دونوں کے درمیان بظاہر کوئی تعلق موجود نہیں ہے۔ ایسی حالت میں مدد کرنا صرف اور صرف اللہ کا کام ہے۔ یہی انداز اگر اللہ کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی اپنایا جائے۔ اور یہ سوچ رکھی جائے کہ فلاں بھی بلا واسطہ مدد کر سکتا ہے۔ تو ایسی سوچ شرکیہ اور کفریہ سوچ ہوگی کہ جس کی قرآن و حدیث قطعاً اجازت نہیں دیتے۔ ہاں ایک مدد ہوتی ہے بالواسطہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ذات یا شخص سے مدد حاصل کی جائے کہ جس سے آپ کا کوئی تعلق ہے۔ مثلاً ایک شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ مجھے روٹی دو۔ استاد اپنے شاگرد سے کہتا ہے کہ میرا فلاں کام کر دو۔ آپ اپنے کسی دوست سے کہتے ہیں جو کہ کوئی بڑا افسر ہے کہ میرا فلاں کام کر دہ وغیرہ وغیرہ یہاں بھی آپ مدد طلب کر رہے ہیں۔ لیکن یہ مدد آپ بالواسطہ مانگ رہے ہیں۔ اس طرح کی مدد طلب کرنا قطعاً شرک نہیں ہے۔ بلکہ شریعت کے اندر پسندیدہ چیز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ﴾ (المائدہ : 2)

''نیکی اور تقویٰ کے کاموں پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔''

ہاں جس مدد کو کفریہ یا شرکیہ فعل کہا جاتا ہے، وہ ایسی مدد ہے کہ جو بلا واسطہ ہو۔ اس کو خوب سمجھ لیجئے۔ یقیناً آپ بہت سے غلط عقائد و نظریات سے بچ جائیں گے۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ یا ان کے علاوہ دوسرے بزرگوں، اولیاء اللہ، درختوں اور پتھروں سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ اور ان سے مشکل کشائی طلب کی جاتی ہے۔ یہ وہی مدد کی صورت ہے کہ جس کی وجہ سے ایک انسان شرکیہ اور کفریہ کام کر بیٹھتا ہے۔ جس سے

بچنا از حد ضروری ہے۔اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ جو عقیدہ بنایا ہوا ہے کہ مشکل کشا ہیں، حاجت روا ہیں، اور مدد کرنے والے ہیں، یقیناً یہ ان سے محبت اور فضیلت میں غلو کا نتیجہ ہے۔ جس سے بچنا بہت ضروری ہے۔ جیسا کہ شیعہ حضرات کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے سب کچھ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو ہی سمجھ رکھا ہے۔ الٰہی صفات بھی ان میں پیدا کر دی ہیں۔ جبکہ دوسرا گروہ کہ جو ان کی شان میں گستاخی کرنے والا ہوگا۔ چنانچہ شیعہ کا ہی ناصبی فرقہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو انتہائی برا کہتا ہے۔ اور ان سے نفرت کرتا ہے۔

یہ دونوں ہی غلط ہیں ان دونوں کے بیچ ایک گروہ اہل حق کا گروہ ہے جو کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت ایمان سمجھتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کو صفات الٰہی سے متصف نہیں کرتا۔ اور ان سے نفرت کرنے کو انتہائی جرم سمجھتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((مَنْ سَبَّ عَلِيًّا فَقَدْ سَبَّنِي .)) [1]

''کہ جس نے علی رضی اللہ عنہ کو گالی دی تو اس نے مجھے گالی دی۔''

غور فرمائیں! کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو گالی دینا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے کے مترادف ہے اور رسول اللہ کو گالی دینے والے کا انجام کیا ہوگا۔ بایں وجہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ گستاخی قطعاً جرم ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آپس کے تنازعات کو پیش کر کے کسی صحابی کی بھی شان میں تنقیص نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ ان کے اختلاف کو اجتہادی غلطی قرار دے کر ان کو اس غلطی سے بری قرار دینا چاہیے۔ کیونکہ اجتہاد کرنے والے کو دونوں صورتوں میں چاہے مقصودہ تک پہنچ جائے۔ یا غلطی کر

---

[1] مسند احمد: 333/6، رقم: 26748، مستدرك حاكم: 121/3، رقم: 4673۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے۔

جائے۔ثواب ہی ملا کرتا ہے، لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آپس کے اختلاف کو اجتہادی غلطی ہی قرار دینا چاہیے۔تاکہ وہ اس سے بری ہو جائیں۔اور ہماری زبانیں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی سے محفوظ ہو جائیں۔

غزوات:

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی مدنی زندگی بڑی ہی مصروف زندگی تھی۔ کیونکہ یہ زمانۂ عہد شباب تھا، اور اس کے ساتھ ساتھ سیّدہ نساء اهل الجنۃ کے ساتھ شادی بھی ہوگئی تھی۔ اس وجہ سے بھی یہ وقت بڑا ہی مصروف گزرا۔گھریلو ضروریات کو پورا بھی کرنا ہوتا تھا، اور دین اسلام کی تبلیغ کے لیے محنت اور کوشش بھی کرنا ہوتی تھی، چونکہ کفار کو دین کا پھلنا پھولنا پسند نہ تھا، اس وجہ سے دین کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتے تھے۔ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے کئی دفعہ کفار سے نبرد آزمائی ہوئی اور فرزندانِ اسلام نے اسلام کے لیے اپنے خون کے نذرانے دینے سے بھی کبھی گریز نہ کیا، بلکہ ہر معرکہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جناب سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بھی تقریباً سب ہی معرکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور انتہائی قابل قدر کارنامے سرانجام دیئے، جن کی مختصر تفصیل سطور ذیل میں بیان کی جاتی ہے۔

غزوۂ بدر:

سلسلۂ غزوات میں یہ سب سے پہلا غزوہ ہے، جس میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی، جبکہ کفار کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔اس جنگ میں بھی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے انتہائی اہم خدمات انجام دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کفار کی نقل وحرکت اور قوت کے اندازہ لگانے کے لیے بھیجا، انہوں نے یہ کام بخوبی سرانجام دیا۔

جنگ بدر میں دو جھنڈے تھے، ان میں سے ایک جھنڈا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں

تھا، عربوں کے طریقۂ کار کے مطابق دونوں فوجیں جب آمنے سامنے آ گئیں، تو مشرکین کے تین بہادروں نے آگے بڑھ کر مسلم فوج کو مقابلہ کے لیے چیلنج کیا، تو تین انصار مقابلہ کے لیے نکلے، مشرکین نے تعارف کے بعد کہا کہ ہمیں تم سے سروکار نہیں ہے، ہمارے مقابلے کے لیے ہمارے چچازاد کو بھیجو۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حمزہ، علی اور عبیدہ کھڑے ہو جائیں، تینوں میدان میں آ گئے۔ علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ ولید سے ہوا، ایک ہی وار میں اس کو واصل جہنم کیا اور آگے بڑھ کر عبیدہ رضی اللہ عنہ کے حریف شیبہ کو بھی قتل کر دیا۔ جبکہ امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے مدمقابل کو قتل کر چکے تھے۔ اس کے بعد جنگ عام شروع ہوگئی، اس میں بھی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے بہت سے کفار کو جہنم واصل کیا۔ الغرض اس جنگ میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے کارنامے نمایاں تھے۔ [1]

غزوۂ اُحد:

یہ جنگ تین ہجری شوال کے مہینہ میں ہوئی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو شروع میں فتح ہوئی، تاہم معمولی کوتاہی کی وجہ سے انتہائی پریشان کن حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ ستر سے بھی زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ خود رسول اللہ ﷺ کو چوٹیں لگیں۔ کفار نے سارا زور رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے لگا رکھا تھا۔ لیکن جانثار رسول ﷺ کفار کو آپ ﷺ تک نہیں پہنچنے دے رہے تھے۔ چنانچہ سیّدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے کفار کو آخر وقت تک روکے رکھا۔ جب وہ شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوگئے، تو آگے بڑھ کر جھنڈا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے تھاما اور آپ ﷺ کا خوب دفاع کیا، اور کسی کافر کو آپ ﷺ کے قریب نہیں آنے دیا، اور جب کفار کے علم بردار ابوسعد بن ابی طلحہ نے مقابلہ کے لیے للکارا۔ تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اس مردار

[1] سیرت ابن ہشام، غزوہ بدر۔

کے جسم کو ایک ہی وار میں خاک وخون میں نہلا دیا۔

مشرکین کا زور کم ہوا تو آپ ﷺ کو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ چند صحابہ کے ساتھ مل کر پہاڑی پر لے گئے، زخم دھوئے گئے، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ پانی لاتے تھے، سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا زخم دھوتی تھیں اور چٹائی جلا کر زخم کو بھر دیا گیا، الغرض کہ اس جنگ میں بھی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمات اہم رہیں۔

غزوۂ خندق:

یہ جنگ پانچ ہجری میں پیش آئی، کفار کبھی کبھی خندق میں گھس کر حملہ کرتے تھے، اس طرح ایک دفعہ کفار نے حملہ کیا، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر ان کو بھگا دیا۔ کافروں کے سردار عمرو بن عبدود نے مقابلہ کی دعوت دی، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے مقابلہ کی دعوت قبول کی، اس نے کہا کہ میں تم کو قتل کرنا چاہتا ہوں، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو قتل کرنا چاہتا ہوں، وہ برہم ہو کر گھوڑے سے نیچے کود پڑا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک ہی وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بقیہ ساتھی انجام دیکھ کر بھاگ گئے۔ [1]

بنو قریظہ:

یہ یہودیوں کی ایک بستی تھی۔ آپ ﷺ کے ساتھ ان کا معاہدہ تھا، لیکن انہوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور کفار قریش کا ساتھ دیا۔ جس کی وجہ سے ان پر حملہ کیا گیا۔ اس جنگ میں بھی علم سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔

صلح حدیبیہ:

چھ ہجری میں آپ ﷺ نے چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ زیارت کعبہ کا

[1] البداية والنهاية : 106/4 .

پروگرام بنایا۔ لیکن کفار نے اس کی اجازت نہ دی اور آپ ﷺ کو حدیبیہ کے مقام پر روک دیا۔ اس مقام پر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت لی گئی، تو علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی۔ پھر جب صلح نامہ لکھا گیا تو تحریر علی رضی اللہ عنہ ہی کر رہے تھے، انہوں نے حسبِ سابق یہ لکھا:

((هَذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ .))

''کہ یہ صلح ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے کی ہے۔''

مشرکین نے اعتراض کیا کہ لفظ ''رسول اللہ ﷺ'' کو مٹا دیجئے، کیونکہ ہم آپ ﷺ کو اگر رسول اللہ ﷺ مانتے ہوتے تو پھر لڑائی کس بات کی؟ چنانچہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے فرمایا کہ لفظ ''رسول اللہ'' کو مٹا دو، لیکن علی رضی اللہ عنہ کی غیرت نے گوارہ نہ کیا، کہنے لگے: اللہ کی قسم، میں اس کو مٹا نہیں سکتا، آپ ﷺ نے خود لفظ رسول اللہ ﷺ کو مٹا دیا۔ [1]

فتح خیبر:

سات ہجری میں ہوا۔ اس موقع پر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو شان اور عزت نصیب ہوئی، جو بہت کم لوگوں کا مقدر اور نصیب ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا محبوب قرار دیا، نیز یہ بھی بتایا کہ اُس کے بھی محبوب اللہ اور رسول ہی ہیں۔ جب خیبر کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا گیا تو مرحب جو کہ یہودیوں کا مغرور سردار تھا یہ رمز پڑھتا ہوا آگے بڑھا:

قد علمت انی مرحب شاکی السلاح بطل مجرب

''خیبر مجھ کو جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، اسلح پوش ہوں، بہادر ہوں اور تجربہ کار ہوں۔''

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلح، رقم: 2699.

اذا الـحـروف اقبـلـت تهـلـت

''جبکہ لڑائی کی آگ بھڑکتی ہے۔''

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس رمز کا جواب یوں دیا:

انا الذی سمّتنی امی حیدرة   کلیث غابات کریه المنظرة

''میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا حیدر نام رکھا ہے، جھاڑی کے شیر کی طرح مہیب اور ڈراؤنا ہوں۔''

أو فيهـم بـالـصـالع كيل السدرة

''میں دشمنوں کو بڑی تیزی سے قتل کر دیتا ہوں۔''

اور جھپٹ کر ایک ہی وار کیا اور مرحب کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد آگے بھڑ کر حملہ کیا اور حیرت انگیز شجاعت و بہادری کے ساتھ اس کو فتح کر لیا۔

قارئین محترم! سیّدنا علی رضی اللہ عنہ تقریباً تمام غزوات میں شریک رہے اور انتہائی حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیئے، فتح مکہ کے موقع پر آپ رضی اللہ عنہ کی خدمات قابل تحسین ہیں۔ غزوہ حنین کے موقعہ پر ایک مشکل پیش آئی، اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حواس باختہ ہوگئے، لیکن ان جانثاروں کے جو ثابت قدم رہے، ان میں ایک سیّدنا علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ الغرض سیّدنا علی رضی اللہ عنہ ہر معرکہ میں نمایاں نظر آئیں گے اور انفرادی حیثیت رکھتے تھے۔

انہی خصوصیات کی وجہ سے امت مسلمہ ان کا بے حد ادب و احترام کرتی ہے اور ان کو ایک خاص مقام دیتی ہے۔ چنانچہ جب سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کا مسئلہ درپیش ہوا تو انصار و مہاجرین نے اتفاق سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے منتخب کیا۔ جو کہ ان کی عظیم خدمات کا اعتراف تھا۔ سیّدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ جنگ خیبر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے تھے، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی

آنکھیں درد کرتی تھیں دل میں سوچنے لگے، میں اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پیچھے رہوں؟ چنانچہ مدینہ منورہ سے نکلے اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے جب فتح والے دن کی رات ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کل میں اُس شخص کو جھنڈا دوں گا جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو محبت ہے، اور اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں فتح عطا فرمائے گا۔ اچانک ہم نے دیکھا کہ علی رضی اللہ عنہ آ رہے ہیں ہمیں ان کے آنے کی امید نہیں تھی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا علی رضی اللہ عنہ آ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں جھنڈا عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں فتح فرمائی۔''[1]

خلافت:

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تین روز بعد علی رضی اللہ عنہ کو سیّدنا عثمان کا خلیفہ مقرر کر لیا گیا۔ اگرچہ اس منصب جلیلہ کو قبول کرنے سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے پس و پیش سے کام لیا تاہم انصار و مہاجرین کے اصرار پر یہ منصب قبول کرنا پڑا۔

شہادت:

سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سترہ رمضان المبارک چالیس ہجری کی صبح کو بد بخت ابن ملجم کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسير، رقم: 2975، صحيح مسلم كتاب الجهاد، رقم: 1807.

باب 9

عشرہ مبشرہ

(دس مبشر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم)

عشرہ مبشرہ میں سے چار صحابہ یعنی خلفائے ثلاثہ کا ذکر باب نمبر 2 میں ملاحظہ فرمائیے، باقی چھ مبشرہ بالجنۃ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر خیر ذیل کی سطور میں آ رہا ہے:

(1) سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ:

سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے ہیں، سولہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا، اسلام کے لیے بے پناہ تکالیف برداشت کیں اور مشکل ترین حالات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ چونسٹھ سال کی عمر میں صفوان کے مقام پر چھتیس ہجری کو عمرو بن جرموز نے شہید کیا۔ آپ سے آپ کے بیٹے عبداللہ، اوران کے علاوہ دیگر اصحابِ علم نے بھی احادیث روایت کی ہیں۔

سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب کے روز فرمایا:

((مَـنْ يَاتِيْنَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ؟ فَقَالَ الزُّبَيْرُ رضی اللہ عنہ أَنَا، ثُمَّ قَالَ: مَنْ يَّـاتِيْـنَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ؟ فَقَالَ الزُّبَيْرُ رضی اللہ عنہ أَنَـا، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ صلی اللہ علیہ وسلم حَوَارِيًّا وَإِنَّ حَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ.)) [1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسير، رقم: 2846، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابه، رقم: 6243.

''قوم کی خبر کون جا کر لاتا ہے، زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، میں خبر لاتا ہوں، اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر پیغمبر کا ایک حواری (رفیق یا وزیر) ہوتا ہے، میرا حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔''

امام ابوالاسود رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ سیّدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سولہ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے اور اٹھارہ سال کی عمر میں ہجرت کی۔ ان کے چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر دھونی دیتے تھے اور کہتے تھے کہ کفر کی طرف لوٹ آؤ ،سیّدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کہتے کہ کبھی کافر نہ بنوں گا۔

امام حفص خالد علیہما السلام کہتے ہیں کہ موصل سے ایک بڑی عمر کے بزرگ ہمارے پاس آئے اور انہوں نے ہمیں بتایا کہ میں ایک سفر میں زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، ایک چٹیل میدان میں ان کو نہانے کی ضرورت پیش آ گئی، جہاں نہ پانی تھا نہ گھاس اور نہ کوئی انسان تھا۔ انہوں نے کہا (میرے نہانے کیلئے) ذرا پردے کا انتظام کرو، میں نے ان کے لیے پردے کا انتظام کیا (نہانے کے دوران) میری نگاہ اچانک ان کے جسم پر پڑ گئی تو میں نے دیکھا کہ ان کے سارے جسم پر تلوار کے زخموں کے نشان ہیں، میں نے ان سے کہا۔ میں نے آپ کے جسم پر اتنے زخموں کے نشان دیکھے ہیں کہ اتنے میں نے کسی کے جسم پر نہیں دیکھے، سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم نے دیکھ لیا، میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم، ان میں سے ہر زخم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اور اللہ کی راہ میں لگا ہے۔

سیّدنا علی بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس آدمی نے سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا اس نے مجھے بتایا کہ ان کے سینے پر آنکھ کی طرح نیزے اور تیر کے زخموں کے نشان ہیں۔

امام سعید بن میسّب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی خاطر سب سے پہلے تلوار سونتنے

والے سیّدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ ہیں۔ ایک دن وہ دوپہر کو قیلولہ کررہے تھے کہ اچانک انہوں نے یہ آواز سنی کہ اللہ کے رسول ﷺ کو قتل کردیا گیا ہے۔ تو یہ آواز سنتے ہی ننگی تلوار لے کر باہر آئے تو رسول اللہ ﷺ سے راستے میں ملاقات ہوگئی، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: زبیر تجھے کیا ہوگیا ہے تو سیّدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول، میں نے سنا ہے کہ آپ کو شہید کردیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! تو زبیر تیرا کیا ارادہ ہے؟ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، میرا یہ ارادہ تھا کہ آنکھیں بند کرکے مکہ والوں پر ٹوٹ پڑوں، رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سن کر دعائے خیر فرمائی۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

هَـذٰاكَ اَوَّلُ سَيْفٍ سُـلَّ فِـىْ غَضَبٍ
لِـلّٰـهِ سَيْفُ الـزُّبَيْـرِ الْـمُـرْتَضٰى اَنْفَا
حَـمِيَّةٌ سَبَـقَـتْ مِـنْ فَـضْلِ نَجْدَتِـهٖ
قَـدْ يَجْسُ النَّجْدَاتِ الْمُجْسُ الْاَرْفَا

”سیّدنا زبیر مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سردار کی تلوار ہی وہی تلوار ہے جو اللہ کی خاطر غصہ کرنے میں سب سے پہلے سونتی گئی ہے۔ یہ دینی حمیت ہے جو ان کے زیادہ بہادر ہونے کی وجہ ظاہر ہوئی اور کبھی زیادہ سننے والا کئی قسم کی بہادریوں کو جمع کرلیتا ہے۔“

اس چیز کا اقرار سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کے موقع پر کیا تھا کہ جب ان کا سر مبارک علی رضی اللہ عنہ کو دکھایا گیا، فرمانے لگے: یہ وہ شخص ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ سے مشکلات کے بادلوں کو کئی دفعہ چھانٹا، اور رسول ﷺ کا بھرپور دفاع کیا، قاتل کے

بارے میں کہا کہ وہ جہنمی ہے، اس کو جہنم کی خوشخبری سنا دو۔ آپ رضی اللہ عنہ کو سینتیس ہجری کو صفوان کے مقام پر شہید کر دیا گیا۔ مذکورہ روایات واقوال سے سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی فضیلت واضح ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہیں کہ جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے جنت کی بشارت دی اور ان کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے۔

(2) سیّدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

عامر بن عبداللہ بن الجراح الضمری القرشی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس امت کا امین قرار دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((اِنَّ لِـكُـلِّ أُمَّةٍ اَمِيـنًـا وَاِنَّ أَمِيـنَـنَا أَيَّتُهَا الْأُمَّةُ أَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الجَرَّاحِ .)) ❶

''ہر امت میں ایک امین گزرا ہے، اور اس مت کے امین ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہیں۔''

نیز سیّدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((جَـاءَ أَهْـلُ نَجْرَانَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَـقَـالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰه! اِبْعَثْ اِلَيْنَا رَجُلًا أَمِيـنًا فَقَالَ: لَأَبْعَثَنَّ إِلَيْكُمْ رَجُلًا أَمِيْنًا حَقَّ أَمِيْنٍ، فَاسْتَشْرَفَ لَهُ النَّاسُ فَبَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ ابْنَ الْجَرَّاحِ)) ❷

❶ صحيح بخاری، كتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: 3744، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، رقم: 6252.

❷ صحيح بخاری، كتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: 3745، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة رقم: 6254.

''اہل نجران نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، پس انہوں نے کہا ہمارے لیے ایک ایسا آدمی بھیجئے جو امین ہو، پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہاری طرف سب سے زیادہ امین آدمی کو بھیجوں گا، پس لوگوں نے اس عہدے کے لیے رغبت کی (کہ وہ اس اعزاز کے مستحق ٹھہریں) اتنے میں آپ ﷺ نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو روانہ کر دیا۔''

ان دونوں احادیث نے واضح کیا ہے کہ ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اس امت کے امین ہیں اور امانت مسلمان کی خاص پہچان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ اگر کسی کو خلیفہ بناتے تو کس کو بناتے، فرماتی ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر عمر رضی اللہ عنہ اور اس کے بعد ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناتے۔ چنانچہ سیّدنا ابوملیکہ رضی اللہ عنہ سے یہی بیان مروی ہے۔ [1]

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی بیماری کی حالت میں کہا تھا:

((لَوْ كَانَ اَبُوْعُبَيْدَةَ حَيًّا لَفَوَّضْتُ هَذَا الْأَمْرَ إِلَيْهِ .))

''کہ اگر ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو میں خلافت اس کے سپرد کر دیتا۔''

کیونکہ یہ امانت داری کا کام ہے اور امانت داری ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے اندر بدرجہ اتم موجود ہے۔

آپ عثمان بن مظعون کے ساتھ ایمان لائے اور حبشہ کی طرف ہجرت کی، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ اور انتہائی گرانقدر خدمات سرانجام دیں، اُحد کے دن جب عموماً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حواس باختہ ہوگئے تھے، سیّدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ انتہائی ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پہاڑ کی طرح ڈٹ گئے۔ ڈاکٹر

---

[1] صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، رقم: 6178.

علامہ محمد اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

سیّدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ عمواس کے مقام پر طاعون کی وجہ سے فوت ہوئے، اس وقت آپ کی عمر اٹھاون سال کی تھی۔ آپ کا جنازہ سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے پڑھایا۔ آپ سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔

(3) سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ:

آپ رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں، شروع شروع میں مسلمان ہوئے ان کا اپنا قول ہے کہ میں اسلام قبول کرنے والوں میں سے تیسرا تھا، انہوں نے جب اسلام قبول کیا تب ان کی عمر سترہ سال کی تھی۔ سیّدنا سعد بن ابی وقاص سب سے پہلے شخص ہیں کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر چلایا۔ یہی وہ عظیم انسان ہیں کہ جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: "اِرْمِ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ"[1] "کہ اے سعد کافروں کو تیر مارو میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی یہ الفاظ دو یا تین صحابہ کے لیے استعمال کیے ہیں، یعنی سیّدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے۔ ان کے علاوہ کسی اور کے لیے یہ الفاظ استعمال نہیں کیے۔ جس سے سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور مقام و مرتبہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، آپ عمر و عثمان کی خلافت میں کوفہ کے گورنر رہے۔

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، رقم: 4059.

آپ پچپن ہجری میں عقیق کے مقام پر اپنے گھر میں پچھتر یا چھہتر سال کی عمر میں فوت ہوئے اور ان کو بقیع کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

آپ سے بہت سے لوگوں نے حدیث بیان کی ہے۔ آپ انتہائی صاحب فضل صحابہ کرام میں سے ایک ہیں، جس کا اندازہ آنے والے واقعات و احادیث سے لگایا جاسکتا ہے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مدینہ منورہ میں آمد کے ابتدائی دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَيْتَ رَجُلاً صَالِحًا يَحْرُسُنِيْ ، اِذْ سَمِعْنَا صَوْتَ سِلَاحٍ فَقَالَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: اَنَا سَعْدٌ ، قَالَ: مَاجَاءَ بِكَ؟ قَالَ: وَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ خَوْفٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَجِئْتُ اَحْرُسُه ، فَدَعَا لَه رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ نَامَ .))[1]

"کاش کوئی صالح آدمی میری حفاظت کرتا۔ اسی وقت ہم نے ہتھیاروں کی جھنکار سنی۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟ کہا، میں سعد ہوں۔ آپ نے پوچھا کس مقصد کے لیے آیا ہے؟ جواب دیا، میرے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خوف پیدا ہوا، چنانچہ میں آپ کی حفاظت کے لیے آ گیا۔ اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی اور سو گئے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجاز کے علاقہ رابغ کی جانب ایک جماعت کو بھیجا، جس میں سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔ مشرکین مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے، اس دن سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے تیروں سے مسلمانوں کی خوب حفاظت کی اور وہ سب

---

[1] صحيح بخاری، كتاب الجهاد، رقم: 2885، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، رقم: 6230.

سے پہلے مسلمان ہیں، جنھوں نے اللہ کی راستے میں تیر چلایا اور یہ اسلام کی سب سے پہلی جنگ تھی، اور سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے تیر چلانے کے بارے میں یہ اشعار کہے:

اَلَا هَلْ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنِّیْ
حَمَيْتُ صَحَابَتِىْ بِصَدُوْرِ نَبَلِى
اَذُوْدُبِهَا عَدُوَّهُمْ زِيَادًا
بِكُلِّ حُزُونَةٍ وَبِكُلِّ سَهْلٍ
فَمَا يَعْتَدُّ رَامٍ فِىْ عُدُوِّ
بِسَهْمٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَبْلِى

''ذرا غور سے سنو! کیا یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ گئی ہے کہ میں نے اپنے تیروں کی نوک سے اپنے ساتھیوں کی حفاظت کی۔ ہر سخت اور ہر نرم زمین میں میں نے مسلمانوں کے دشمنوں کو اچھی طرح بھگایا ہے۔ یارسول اللہ کوئی بھی مسلمان مجھ سے پہلے دشمن پر، پہلے تیر چلانے والا شمار نہیں کیا جاتا۔''

سیّدنا سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس حال میں مکہ دیکھا کہ میں ایک رات پیشاب کرنے نکلا، جہاں میں پیشاب کرر ہا تھا، وہاں کسی چیز کی کھڑ کھڑاہٹ کی آواز سنی، میں نے غور سے دیکھا تو وہ اونٹ کی کھال کا ایک ٹکڑا تھا۔ میں نے اس کو اٹھالیا پھر اسے دھو کر جلایا پھر اسے دو پتھروں کے درمیان رکھ کر سفوف سا بنالیا۔ پھر اسے پھانک کر میں نے پانی پی لیا اور میرے تین دن اسی سے گزرے۔

سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عربوں میں سب سے پہلے اللہ کی راہ

میں میں نے تیر چلایا، ہم لوگ غزوات میں حضور کے ساتھ جایا کرتے تھے، ہمارا کھانا صرف ببول اور کیکر کے پتے ہوا کرتے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم بکریوں کی طرح مینگنیاں کرنے لگے۔ جو علیحدہ علیحدہ ہوتیں ان میں چپکاہٹ نہ ہوتی تھی۔

(4) سیّدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ:

طلحہ بن عبید القرشی، کنیت ابومحمد، آپ رضی اللہ عنہ شروع میں اسلام لائے۔ کہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی یعنی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شہید ہونے کی ضمانت خود دی ہے، چنانچہ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ عَلٰى حِرَاءٍ، وَاَبُوْبَكْرٍ رضی اللہ عنہ وَّعُمَرُ وَعُثْمَانُ رضی اللہ عنہ وَعَلِیٌّ وَطَلْحَةُ رضی اللہ عنہ وَالزُّبَيْرُ رضی اللہ عنہ، فَتَحَرَّكَتِ الصَّخْرَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ: اهْدَأْ فَمَا عَلَيْكَ اِلَّا نَبِیٌّ ﷺ أَوْصَدِّيْقٌ اَوْ شَهِيْدٌ وَزَادَ .))[1]

''ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حرا پر تھے۔ آپ کے ساتھ ابوبکر، عمر، عثمان ،علی، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ چٹان حرکت کرنے لگی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھم جا۔ تجھ پر نبی، صدیق اور شہید کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ شہید ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے، سوائے بدر کے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قریش کے قافلہ کی خبر حاصل کرنے کے لیے سیّدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجا تھا، اس وجہ سے بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے۔ جنگ اُحد میں اس عظیم جانثار صحابی نے اپنی جان پر

---

[1] صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، رقم: 6247.

کھیل کر رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی تھی اور اپنے ہاتھ پر تیروں کے وار روکتے تھے کہ جس کے نتیجے میں ان کا ہاتھ شل ہوگیا۔ اور اس پر پچیس زخم لگے تھے۔ نیزوں اور تیروں کے زخموں کی تعداد پچھتّر کے قریب تھی، چنانچہ غزوۂ اُحد میں نبی رحمت رضی اللہ عنہ کے ساتھ ثابت قدم رہے اور عظیم الشان کارکردگی دکھائی، جب مسلمان بکھر گئے اور کفار نبی کریم ﷺ کی شہادت کے ارادے سے آپ ﷺ کے گرد جمع ہوگئے تو وہ طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ ہی تو تھے، جنہوں نے اپنی موت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ کا دفاع کیا تھا، حتیٰ کہ کافروں کی ہر ضرب کو اپنے ہاتھ پر برداشت کیا اور آپ ﷺ پر آنچ نہ آنے دی، نتیجتاً سیّدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہمیشہ کے لیے شل ہوگیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''طلحہ نے اپنے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضامندی اور جنت کو واجب کرلیا۔'' ❶

آپ جنگ جمل میں جمعرات کے روز شہید ہوئے۔ آپ کی عمر اس وقت 64 سال کی تھی اور آپ کی تدفین بصرہ میں ہوئی، آپ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے حدیث روایت کی ہے۔

(5) سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ:

سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف بن عبد حارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ قریشی بھی عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں آپ کا نام عبد عمرو تھا، ایمان لانے کے بعد نبی کریم ﷺ نے یہ نام بدل کر عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے انہیں دنیا میں ہی جنت کی خوشخبری سنا دی تھی۔ چنانچہ خود سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

❶ السيرة النبويه ، لابن هشام : 21/3، الاصابة: 290/3، 292.

((عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ .)) ❶

''عبدالرحمٰن بن عوف جنتی ہے۔''

ایک اور روایت سے بھی سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف کی فضیلت واضح ہوتی ہے۔ اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج سے فرمایا کرتے تھے:

((إِنَّ اَمْرَكُنَّ لَمِمَّا يُهِمُّنِي بَعْدِي، وَلَنْ يَصْبِرَ عَلَيْكُنَّ إِلَّا الصَّابِرُوْنَ، ثُمَّ تَقُولُ عَائِشَة: فَسَقَى اللّٰهُ أَبَاكَ مِنْ سَلْسَبِيْلِ الْجَنَّةِ، تُرِيْدُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، وَقَدْ كَانَ وَصَلَ اَزْوَاجَ النَّبِيِّ ﷺ بِمَالٍ، يُقَالُ بِيْعَتْ بِأَرْبَعِيْنَ أَلْفًا .)) ❷

''یقیناً تمہارا معاملہ ایسا ہے کہ جس کا مجھے فکر ہے کہ میرے بعد تمہارا کیا ہوگا اور تمہاری مشکلات پر تمہارا ساتھ صرف صبر کرنے والے دیں گے۔ بعد ازاں عائشہ رضی اللہ عنہا نے (ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے) کہا، اللہ تیرے والد کو جنت کے چشمہ سے سیراب کرے، اس لیے کہ انہوں نے ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گزر اوقات کے لیے ایک باغ صدقہ کیا تھا، جو چالیس ہزار (درہم) میں فروخت ہوا۔''

آپ نے تیس ہجری کو پچھتّر (75) سال کی عمر پا کر وفات پائی۔

(6) سیّدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ:

سیّدنا سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بھی عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ آپ کی

❶ سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: 3747۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

❷ سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: 3749۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

کنیت ''ابوالاعور'' ہے۔آپ رضی اللہ عنہ آغاز بعثت میں ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔

سیّدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ اُن دس خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہیں کہ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں ہی جنت کی خوشخبری سنا دی تھی۔ چنانچہ سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَبُـوْبَـکْـرٍ فِـی الْـجَـنَّةِ ، وَعُـمَرُ فِی الْجَنَّةِ ، وَعُثْمَانُ فِی الْـجَنَّةِ ، وَعَلِیٌّ فِی الْجَنَّةِ ، وَطَلْحَةُ فِی الْجَنَّةِ ، وَالزُّبَیْرُ فِی الْجَنَّةِ ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِی الْجَنَّةِ ، وَسَعْدُ بْنُ اَبِی وَقَـاصٍ فِـی الْجَنَّةِ ، وَسَعِیْدُ بْنُ زَیْدٍ فِی الْجَنَّةِ ، وَاَبُوْعُبَیْدَةُ بْنِ الْجَرَاحِ فِی الْجَنَّةِ .))[1]

''ابوبکر جنتی ہے،عمر جنتی ہے،عثمان جنتی ہے،علی جنتی ہے،طلحہ جنتی ہے،زبیر جنتی ہے،عبدالرحمٰن بن عوف جنتی ہے،سعد بن ابی وقاص جنتی ہے،سعید بن زید جنتی ہے اور ابوعبیدہ بن جراح جنتی ہے۔''

آپ رضی اللہ عنہ نے پچپن ہجری میں بمقام عقیق انتقال فرمایا۔

[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: 3747۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

باب 10

چند جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(1) سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند، سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے پھول اور جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور اہل بیت کے عظیم فرد ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بے پناہ محبت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دلجوئی کرتے تھے، نیز سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ اللہ کے بھی محبوب ہیں۔ چنانچہ سیّدنا براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((رَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہما عَلٰی عَاتِقِہٖ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ .)) ❶

''انہوں نے سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر سوار دیکھا اور آپ نے یہ دعا مانگی، اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت فرما۔''

اور سیّدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((اَنَّہٗ کَانَ یَاْخُذُہٗ وَالْحَسَنَ رضی اللہ عنہ فَیَقُوْلُ: اَللّٰھُمَّ اَحِبَّھُمَا فَاِنِّیْ اُحِبُّھُمَا ، وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَاخُذُوْنِیْ فَیُقْعِدُنِیْ عَلٰی فَخِذِہٖ ، وَیُقْعِدُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِیٍّ عَلٰی فَخِذِہٖ

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: 3749، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6258.

الْاُخْرٰی، ثُمَّ یَضُمُّهُمَا ثُمَّ یَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُمَا فَاِنِّیْ اَرْحَمُهُمَا .)) ❶

''آپ ﷺ اسے اور سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اٹھاتے اور فرماتے، اے ہمارے اللہ! ان دونوں سے محبت فرما! بے شک مجھے یہ دونوں محبوب ہیں۔ ایک روایت میں بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ مجھے پکڑتے، اور اپنی ران پر بٹھاتے۔ اور سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو پکڑتے اور اسے دوسری ران پر بٹھاتے پھر دونوں کو (سینے سے) اپنے ساتھ لگاتے ہوئے دعا کرتے۔ یا اللہ! ان دونوں پر رحم فرما، بے شک میں ان دونوں پر شفقت کرتا ہوں۔''

اور سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ طَائِفَةٍ مِّنَ النَّهَارِ حَتّٰی اَتٰی خِبَاءَ فَاطِمَةَ فَقَالَ: ((اَثَمَّ لُكَعُ اَثَمَّ لُكَعُ)) يَعْنِیْ حَسَنًا فَلَمْ يَلْبَثْ اَنْ جَاءَ يَسْعٰی حَتَّی اعْتَنَقَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا صَاحِبَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهٗ فَاَحِبَّهٗ وَاَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهٗ .)) ❷

''میں دن کے کسی وقت رسول ﷺ کے ساتھ باہر نکلا یہاں تک کہ آپ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئے۔ فرمایا یہاں چھوٹا بچہ ہے؟ یعنی سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ۔ ابھی تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ وہ فوراً دوڑتے ہوئے آ گئے۔

❶ صحیح بخاری، کتاب الأدب، رقم: 6003.

❷ صحیح بخاری، کتاب البیوع، رقم: 2122، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6257.

ان میں سے ہر ایک اپنے صاحب کے گلے ملا۔ اور دنوں یعنی نبی کریم ﷺ اور حسن رضی اللہ عنہ گلے ملے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اے ہمارے پروردگار! بلاشبہ میں اسے محبوب رکھتا ہوں تو بھی اسے محبوب رکھ اور جولوگ اس سے محبت کریں تو بھی ان سے محبت فرما۔''

آپ ﷺ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ اس لیے گھر میں داخل ہوتے ہی اُن کے بارے میں پوچھتے۔ اور یہ بھی فرمایا کرتے۔ کہ یہ میرا بیٹا سردار ہے۔ جو اپنے بڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔ چنانچہ سیّدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَی الْمِنْبَرِ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہما اِلٰی جَنْبِهٖ وَهُوَ یُقْبِلُ عَلَی النَّاسِ مَرَّةً وَّعَلَیْهِ أُخْرٰی وَیَقُوْلُ: اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ .)) [1]

''میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر جلوۂ افروز تھے اور سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما ان کے پہلو میں ہیں۔ کبھی آپ لوگوں کی طرف رخ فرماتے اور کبھی سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرف۔ اور آپ نے فرمایا، میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔''

چنانچہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے عین میدانِ جنگ میں سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرکے اپنے عظیم نانا کی عظیم پیشین گوئی کو سچ ثابت کر دکھایا۔ جو ان کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے جو کہ بڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی خلافت سے

دست بردار ہو گئے۔

(2) سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ :

سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرح سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی بڑے ہی عظیم مرتبہ کے حامل تھے۔ یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اور بڑے ہی پیارے نواسے تھے۔ اور ان سے محبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبت قرار دیا ہے۔ چنانچہ سیّدنا یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((حُسَيْنٌ مِنِّيْ وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ ، أَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا ، حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِّنَ الْأَسْبَاطِ .))❷

''سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے ہیں اور میں حسین رضی اللہ عنہ سے ہوں، اللہ اس سے محبت کرے جو حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کرے حسین رضی اللہ عنہ میری نسل کی ایک عظیم الشان لڑی ہیں۔''

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ أَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فَقَدْ أَحَبَّنِيْ ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمَا فَقَدْ أَبْغَضَنِيْ .))❸

''جو شخص حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے محبت کرے گا، پس تحقیق اُس نے مجھ سے محبت کی اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ مجھ سے بغض رکھے گا۔''

---

❶ صحيح بخاری، كتاب الصلح، رقم: 2704.

❷ سنن ابن ماجه، باب فضائل الحسن والحسين رضی الله عنهما، رقم: 144- علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

❸ سنن ابن ماجه، باب فضائل الحسن والحسين رضی الله عنهما، رقم: 143- علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ دونوں شہزادوں سے محبت کرے۔ ان کے لیے عقیدت و محبت کے جذبات اپنے اندر پیدا کرے ہر قسم کے بغض و نفرت سے اپنے آئینہ دل صاف کرے۔ کیونکہ یہ کامیابی و کامرانی کے لیے ضروری ہے۔

(3) سیّدنا سعد بن معاذ الانصاری رضی اللہ عنہ:

آپ قدیم الاسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں، عقبہٰ اولیٰ اور ثانیہ کے درمیان اسلام قبول کیا، ان کا گھرانہ انصار میں سب سے پہلے مسلمان ہونے والا گھرانہ ہے۔ چونکہ انصار میں ان کو ایک خاص مقام اور عزت حاصل تھی۔ اسی وجہ سے جیسے ہی یہ گھرانہ مسلمان ہوا، تو بنو عبدالاشھل کے سارے کے سارے لوگ مسلمان ہو گئے۔ کیونکہ لوگ ان کو اپنا سردار اور بڑا مانتے تھے۔ یہی وجہ تھی، آپ ﷺ نے بھی ان کو سیّدالقوم یعنی قوم کا سردار کہا، آپ عظیم الشان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہیں، رسول ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ خندق کے روز ان کی رگ اکحل (ہاتھ کی رگ) میں تیر لگا، جس سے ان کا بہت زیادہ خون بہہ گیا جو کہ رکنے کا نام نہ لیتا تھا، اس موقعہ پر سیّدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کہ اے اللہ، مجھے بنو قریظہ کا انجام دکھائے بغیر موت نہ دینا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی، خون بہنا رک گیا، ادھر بنو قریظہ کا محاصرہ کیا جا چکا تھا، محاصرہ سے تنگ آ کر انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس شرط کے ساتھ کہ ہمارے بارے میں سعد رضی اللہ عنہ جو بھی فیصلہ کریں گے، وہ فیصلہ ہمیں قبول ہوگا، چنانچہ سیّدنا سعد رضی اللہ عنہ کی چارپائی منگوائی گئی اور ان سے فیصلہ کروایا گیا، آپ نے فیصلہ کیا کہ جو شخص لڑنے کے قابل ہے اس کو قتل کر دیا جائے، بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو غلام بنالیا جائے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ سعد رضی اللہ عنہ نے جو فیصلہ زمین پر کیا ہے، وہی فیصلہ

اللہ نے آسمانوں پر کیا ہے۔ ❶ اس سے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی فضیلت واضح ہورہی ہے۔ سیّدنا برا ابن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((أُهْدِيَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حُلَّةُ حَرِيْرٍ ، فَجَعَلَ اَصْحَابُهٗ يَمَسُّوْنَهَا وَيَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ لِيْنِهَا ، فَقَالَ: اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ لِيْنِ هٰذِهٖ لَمَنَادِيْلُ سَعْدِبْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنْهَا وَاَلْيَنُ .))❷

''رسول کریم ﷺ کو ایک ریشمی حلّہ تحفہ دیا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو چھوتے تھے اور اس کی نرمی پر تعجب کا اظہار کرتے تھے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا، تم لوگ اس کی نرمی پر حیران ہوتے ہو؟ حالانکہ جنت میں سیّدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے رومال اس سے اچھے اور نرم ہیں۔''

اور سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا

((اِهْتَزَّ الْعَرْشُ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ ، وَفِي رواية اِهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ .))❸

''سعد بن معاذ کی وفات پر عرش کانپ اٹھا، ایک اور روایت میں ہے کہ سعد بن معاذ کی موت پر رحمٰن کا عرش کانپ اٹھا۔''

مذکورہ احادیث سیّدنا معاذ کی شان و مقام اور اہمیت کو واضح کررہی ہیں کہ سعد رضی اللہ عنہ

---

❶ یہ واقعہ قریب قریب صحیح بخاری میں ہے۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: 3804.

❷ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: 3802، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6348.

❸ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: 3803، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6346.

جنتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بڑا مقام ہے کہ جن کی موت کی وجہ سے رحمٰن کا عرش کانپ اٹھا۔

(4) سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ :

آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے، آپ ہذیل قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں، شروع شروع میں اسلام قبول کیا۔ اور ایک قول کے مطابق یہ چھٹے مسلمان ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ان کو اپنے ساتھ رکھا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش پیش رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتا، مسواک اور وضو کے پانی کا انتظام خاص ان کی ذمہ داری ہوتی تھی۔

جناب علقمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب میں شام پہنچا تو میں نے دو رکعت نماز ادا کر کے دعا مانگی: اے اللہ! مجھے کسی صالح مرد کی صحبت عطا فرما۔ اس کے بعد میں لوگوں کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ تو ایک بزرگ میرے پہلو میں آ کر تشریف فرما ہوئے۔ میں نے پوچھا یہ بزرگ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ ابودرداء ہیں۔ میں نے بتایا، میں نے کسی مردِ صالح کی صحبت کی اللہ سے دعا کی تھی۔ چنانچہ مجھے آپ کی صحبت اللہ تعالیٰ نے میسر فرما دی۔ ابودرداء نے پوچھا، آپ کون ہیں؟ میں نے بتایا میں اہل کوفہ سے ہوں۔ انہوں نے فرمایا: کیا تمہارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتا، تکیہ اور وضو کا برتن اٹھانے والے یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نہیں ہیں؟ اور کیا تم میں وہ شخصیت نہیں، جس کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے شیطان سے اللہ کی پناہ میں دیا تھا۔ یعنی عمار بن یاسر؟ اور کیا تم میں راز دان رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جس کے علاوہ راز کسی کو معلوم نہیں، یعنی حذیفہ بن یمان۔'' [1]

---

[1] صحيح بخاري، كتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: 3761.

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کو خاص تعلق تھا، اسی وجہ سے بعض صحابہ کرام کو شبہ تھا کہ شاید ابن مسعود رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے گھر کے فرد ہیں، چنانچہ سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((قَـدِمْتُ اَنَا وَاَخِيْ مِنَ الْيَمَنِ ، فَمَكَثْنَا حِيْنًا مَّا نَرٰى اِلَّا اَنَّ عَبْـدَالـلّٰـهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ ﷺ ، لِمَا نَرٰى مِنْ دُخُوْلِهٖ وَدُخُوْلِ اُمِّهٖ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ .)) ❶

''میں اور میرا بھائی یمن سے آئے، ہم مدینہ میں قیام کے دوران ایک عرصہ تک یہی سمجھتے رہے کہ عبداللہ بن مسعود نبی کریم ﷺ کے اہل بیت ہیں، کیونکہ ہم عبداللہ بن مسعود اور ان کی والدہ کو اکثر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں دیکھا کرتے تھے۔''

غور فرمائیں، کہ کس قدر تعلق ہے آپ رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ، یہ اس تعلق کا ہی نتیجہ تھا کہ ان کا کردار رسول اللہ ﷺ کے کردار کے مطابق تھا اور اس کا اعتراف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی تھا، چنانچہ سیّدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((اِنَّ اَشْبَـهَ النَّاسِ دَلًّا وَّسَمْتًا وَهَدْيًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَابْنِ اُمِّ عَبْـدٍ مِنْ حِيْنَ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهٖ اِلٰى اَنْ يَّرْجِعَ اِلَيْهِ لَا نَدْرِيْ مَايَصْنَعُ فِيْ اَهْلِهٖ اِذَا خَلَا .)) ❷

''اخلاق ،سیرت اور نیکی کے لحاظ سے سب انسانوں سے زیادہ رسول

---

❶ صحيح بخاری، كتاب فضائل اصحاب النبیؐ رقم: 3763، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، رقم: 6326.

❷ صحيح بخاری، كتاب الأدب، رقم: 6097.

کریم ﷺ سے مشابہ عبداللہ بن مسعود ہیں۔ان کی یہ کیفیت گھر سے نکلنے سے لے کر اپنے گھر لوٹنے تک رہتی ہے۔ہم نہیں جانتے کہ جب وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ تنہا ہوتے تھے،تو کیا کرتے تھے۔''

اس مشابہت کی وجہ سے آپ انتہائی صالح بن گئے تھے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی نیک اور صالح نہ تھا تو جو ان کی مشابہت اختیار کرے گا، یقیناً وہ بھی نیک اور صالح ہی ہوگا۔ سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کی رفاقت نے سنت کا انتہائی پابند بنادیا تھا اور سنتِ رسول ﷺ کو انتہائی اہمیت دیتے تھے۔

چنانچہ سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جسم گودنے والیوں اور گدوانے والیوں، چہرے کے بال اکھاڑنے والیوں اور اکھڑوانے والیوں پر،خوبصورتی کے لیے دانت (رگڑ کر) کھلے کروانے والیوں پر (نیز) اللہ تعالیٰ کی بناوٹ کو تبدیل کرنے والیوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔ بنی اسد کی ایک عورت ام یعقوب نے یہ بات سنی جو کہ قرآن پڑھا کرتی تھی تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہا، میں نے سنا ہے تم نے جسم گدوانے اور گودنے والیوں پر، چہرہ کے بال اکھاڑنے اور اکھڑوانے والیوں پر، دانتوں کو کشادہ کروانے والیوں اور اللہ کی بناوٹ کو بدلنے والیوں پر لعنت کی ہے؟ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں، جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہو اور یہ تو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں موجود ہے۔اس عورت نے کہا: میں نے (اپنے پاس محفوظ) دو تختیوں کے درمیان سارا قرآن پڑھ ڈالا ہے، لیکن مجھے تو اس میں کہیں اس بات کا ذکر نہیں ملا،عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو قرآن غور سے پڑھتی تو تجھے یہ بات مل جاتی۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: رسول ﷺ جس بات کا حکم دے اس پر عمل کرو، اور جس سے منع کرے اس سے باز آجاؤ۔'' (الحشر: 7) پھر وہ

بولی ان باتوں میں سے بعض باتیں تو تمہاری بیوی میں بھی ہیں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جاؤ جا کر دیکھ لو۔ وہ عورت گئی تو ان کی بیوی میں ایسی کوئی بات نہ پائی۔ تب وہ واپس آئی اور کہنے لگی: ان میں سے تو کوئی بات میں نے تمہاری بیوی میں نہیں دیکھی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر وہ ایسا کرتی تو ہم کبھی اس سے صحبت نہ کرتے۔ ❶

یہ واقعہ سیّدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سنت سے محبت کی واضح دلیل ہے کہ آپ کی نگاہ میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی مقام تھا۔

نیز سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے، جنگ بدر میں بھی شامل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی جنت کی بشارت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے جس کو ام عبد اس امت کے لیے پسند کرتا ہے، میں بھی اس کو اس امت کے لیے پسند کرتا ہوں، اور جس کو ام عبد ناپسند کرتا ہے، میں بھی اس کو ناپسند کرتا ہوں۔ آپ کوفہ کے قاضی بھی رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ ساٹھ یا چونسٹھ سال کی عمر پا کر بتیس ہجری کو وفات پائی۔ آپ رضی اللہ عنہ بقیع میں دفن کیے گئے، آپ سے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے صحابہ نے بھی روایت کی ہے۔

(5) سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

سیّدنا عبداللہ بن عمر بن الخطاب القرشی العدوی نے اپنے والد ماجد کے ساتھ چھوٹی عمر میں ہی اسلام قبول کیا، بدر اور اُحد میں شریک نہیں ہوئے، کیونکہ ان کی عمر اس وقت چودہ سال کی تھی۔ پہلی جنگ، جس میں وہ شریک ہوئے ہیں وہ خندق ہے، اور

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، رقم: 4886، صحیح مسلم، کتاب اللباس، رقم: 5573.

اس کے بعد تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں۔ آپ بڑے ہی عابد اور زاہد قسم کے صحابی ہیں، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم میں سے ہر شخص دنیا کی طرف مائل ہوگیا۔ سوائے عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے کے۔ اسی بات کی گواہی میں سیّدنا میمون رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ایک نوجوان بیٹے نے آپ سے لنگی مانگی اور کہا میری لنگی پھٹ گئی ہے۔ سیّدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا لنگی جہاں سے پھٹی ہے وہاں سے کاٹ دو اور باقی کو سی کر پہن لو۔ اس نوجوان کو یہ بات اچھی نہ لگی۔ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا تیرا بھلا ہو اللہ سے ڈرو اور ان لوگوں میں سے ہرگز نہ بنو جو اللہ تعالیٰ کے رزق کو اپنے پیٹوں میں اور اپنی پشتوں میں ڈال دیتے ہیں، یعنی اپنا سارا مال کھانے اور لباس پر خرچ کر دیتے ہیں۔ ❶

اس کے ساتھ ساتھ ایثار اور ہمدردی بھی سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اندر بدرجہ اتم موجود تھی۔ چنانچہ جناب میمون بن مہران رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بیوی پر کچھ لوگ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ناراض ہوئے اور ان سے کہا کہ کیا تم ان بڑے میاں پر ترس نہیں کھاتی ہو کہ یہ کمزور ہوتے جا رہے ہیں (انہیں کچھ کھلایا پلایا کرو) انہوں نے کہا میں ان کا کیا کروں؟ جب بھی ہم ان کے لیے کھانا تیار کرتے ہیں تو وہ اور لوگوں کو بلا لیتے ہیں جو سارا کھانا کھا جاتے ہیں (یوں دوسروں کو کھلا دتے ہیں خود کھاتے نہیں) ابن عمر رضی اللہ عنہ جب مسجد سے نکلتے تو کچھ غریب لوگ ان کے راستے میں بیٹھ جاتے تھے (جن کو سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ گھر لے آتے اور ان کو اپنے کھانے میں شریک کر لیتے) ان کی بیوی نے ان غریبوں کے پاس مستقل کھانا پہلے سے بھیج دیا اور ان سے کہلا بھیجا کہ تم یہ کھانا کھا لو اور چلے جاؤ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کے راستہ میں نہ بیٹھو، ابن

❶ حلیة الاولیا: 301/1.

عمر رضی اللہ عنہ مسجد سے گھر آ گئے (انہیں راستے میں کوئی غریب بیٹھا ہوا نہ ملا) تو فرمایا فلاں اور فلاں کے پاس آدمی بھیجو (تاکہ وہ کھانے کے لیے آ جائیں آدمی ان کو بلانے گئے، لیکن ان میں سے کوئی نہ آیا، کیونکہ) ان کی بیوی نے غریبوں کو کھانے کے ساتھ یہ پیغام بھی بھیجا تھا کہ اگر تمہیں ابن عمر رضی اللہ عنہ بلائیں تو مت آنا (جب کوئی نہ آیا) تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تم لوگ چاہتے ہو کہ میں آج رات کھانا نہ کھاؤں، چنانچہ اس رات کھانا نہ کھایا۔ ❶

جناب سعید بن ابی بلال رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جحفہ مقام پر قیام فرمایا، اور وہ بیمار بھی تھے انہوں نے کہا، مچھلی کھانے کو میرا دل چاہ رہا ہے، ان کے ساتھیوں نے بہت تلاش کیا بس صرف ایک مچھلی ملی۔ ان کی بیوی صفیہ بنت ابی عبید نے اس مچھلی کو لیا اور اسے تیار کر کے ان کے سامنے رکھ دیا۔ اتنے میں ایک مسکین ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے اس مسکین سے کہا تم یہ مچھلی لے لو۔ اس پر ان کی بیوی نے کہا سبحان اللہ! ہم نے آپ کی خاطر بڑی محنت سے یہ مچھلی خاص طور پر آپ کے لیے تیار کی ہے، اس لیے (اسے تو آپ خود کھائیں) ہمارے پاس سامان سفر ہے اس میں سے اس مسکین کو دے دیں گے۔ انہوں نے اپنا نام لے کر کہا عبداللہ کو یہ مچھلی بہت پسند آ رہی ہے، اس لیے اس مسکین کو یہی مچھلی دینی ہے۔

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ ان کی بیوی نے کہا ہم اس مسکین کو ایک درہم دے دیتے ہیں، یہ درہم اس مچھلی سے زیادہ اس کے کام آئے گا، آپ یہ مچھلی کھائیں اور اپنی چاہت پوری کریں۔ انہوں نے کہا میری چاہت وہ ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔ ❷

---

❶ حلية الاولياء: 298/1.

❷ حياة الصحابة: 211/2.

غور کریں کہ جب تک کوئی کھانے والا نہ ملتا کھانا نہ کھاتے اور جب مل جاتا تو خود معمولی کھا کر گزارہ کر لیتے اور دوسروں کو کھلا دیتے، تاکہ دوسروں کو خوشی میسر آ جائے۔ اپنے آپ کو بھوکا رکھتے تھے۔

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عبادت و ریاضت کے اندر بھی بے مثال تھے، عبادت کرتے ہوئے قطعاً دوسروں کی طرف توجہ نہ کرتے تھے، بلکہ مکمل یکسوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرائض کے ساتھ نوافل کا بھی خوب اہتمام کرتے تھے۔ خصوصاً نمازِ تہجد کا اہتمام ضرور کرتے تھے۔

جناب ابوغالب رحمہ اللہ کہتے ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما مکہ میں ہمارے ہاں ٹھہرا کرتے اور رات کو تہجد پڑھا کرتے۔ ایک رات صبح صادق سے کچھ دیر پہلے مجھ سے فرمایا: اے غالب! کیا تم کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھتے؟ کیا ہی اچھا ہو اگر تم تہائی قرآن پڑھ لو؟ میں نے کہا کہ صبح ہونے والی ہے میں اتنی دیر میں تہائی قرآن کیسے پڑھ سکتا ہوں؟ انہوں نے فرمایا: سورت اخلاص تہائی قرآن کے برابر ہے۔ [1]

غور فرمائیں کہ تہجد کو کسی بھی حالت میں نہ چھوڑتے تھے، بلکہ اس نیکی کے کام کو کرنے کی پوری کوشش کرتے تھے، اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اپنے زہد و ورع کے اعتبار سے معروف تھے، بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نیک اور صالح ہونے کی گواہی دی۔ چنانچہ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

((رَأَیْتُ فِی الْمَنَامِ کَانَ فِیْ یَدِیْ سَرَقَةً مِّنْ حَرِیْرٍ ، لَااَهْوِیْ بِهَا اِلٰی مَکَان فِی الْجَنَّةِ اِلَّا طَارَتْ بِیْ اِلَیْهِ ، فَقَصَصْتُهَا عَلٰی حَفصةَ فَقَصَّتْهَا حَفْصَةُ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ ، فَقَالَ: اِنَّ

[1] حلیة الاولیاء : 305/1.

اَخَاكِ رَجُلٌ صَالِحٌ اَوْ اِنَّ عَبْدَاللّٰهِ رَجُلٌ صَالِحٌ .)) ❶

''میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھ میں ریشم کا ٹکڑا ہے، جنت میں جس جگہ جانے کی خواہش کرتا ہوں یہ اڑا کر مجھے وہاں پہنچا دیتا ہے۔ میں نے اس خواب کا ذکر حفصہ رضی اللہ عنہا سے کیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کردیا۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا، بلاشبہ تمہارا بھائی صالح انسان ہے۔ یا بلاشبہ عبداللہ رضی اللہ عنہ نیک آدمی ہے۔''

اس عبادت کے ساتھ ساتھ اللہ کا خوف اور ڈر بھی بہت زیادہ تھا۔ اس لیے ان کے تقویٰ اور ورع کو بھی تسلیم کیا جاتا تھا، چنانچہ میمون بن مہران کہتے ہیں کہ:

((مَا رَأَيْتُ اَوْرَعَ مِنِ ابْنِ عُمَرَ .))

''کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ تقویٰ والا کسی کو نہ دیکھا۔''

''جناب ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مروہ پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی آپس میں ملاقات ہوئی وہ دونوں کچھ دیر آپس میں بات کرتے رہے، پھر عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ چلے گئے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وہاں روتے ہوئے رہ گئے، تو ایک آدمی نے ان سے پوچھا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ صاحب یعنی عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ابھی بتا کر گئے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے چہرے کے بل آگ میں ڈال

---

❶ صحيح بخاری، كتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: 3738، 3739، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، رقم: 6369.

دیں گے۔'' ❶

ایک مرتبہ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہیں جا رہے تھے، راستہ میں ایک اعرابی ملا، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سلام کیا اور سواری کا گدھا اور سر کا عمامہ اتار کر اس کو دے دیا۔ ابن دینار ساتھ تھے، یہ فیاضی دیکھ کر بولے، اللہ آپ کو صلاحیت دے یہ اعرابی تو معمولی چیزوں سے خوش ہو جاتے ہیں یعنی اتنی فیاضی کی ضرورت نہ تھی فرمایا، ان کے والد میرے والد کے دوست تھے، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ سب سے بڑی نیکی اپنے باپ کے احباب کے ساتھ صلہ رحمی ہے۔ ❷

اس واقعہ سے بھی آپ کا تقویٰ ہی ظاہر ہو رہا ہے، ڈر ہے کہ اگر اپنے باپ کے دوستوں کی عزت نہ کی، کہیں حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہ ہو جائے جو کہ بربادی کا سبب بن سکتی ہے۔

جناب محمد بن ابی قیلہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو خط لکھ کر علم کے بارے میں پوچھا، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے یہ جواب لکھا کہ تم نے مجھے خط لکھ کر علم کے بارے میں پوچھا ہے۔ علم تو بہت زیادہ ہے میں سارا لکھ کر تمہیں بھیج نہیں سکتا، البتہ تم اس بات کی پوری کوشش کرو کہ تمہاری اللہ سے ملاقات اس حال میں ہو کہ تمہاری زبان مسلمانوں کی آبروریزی سے رکی ہوئی ہو اور تمہاری کمر پر ان کے ناحق خون کا بوجھ نہ ہو اور تمہارا پیٹ ان کے ناحق مال سے خالی ہو اور تم مسلمانوں کی جماعت سے چمٹے ہوئے ہو۔ ❸

اس ڈر اور خوف کی وجہ صرف اور صرف علم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تھی، کیونکہ علم

---

❶ الترغيب والترهيب : 345/4 . ❷ سيرة الصحابه: 41/3 .

❸ حياة الصحابه : 202/3 .

انسان کو اللہ کے قریب کرتا ہے۔ اللہ کا تعارف حاصل ہوتا ہے۔ جنت اور جہنم کے بارے میں معلومات ملتی ہیں، اس علم کی وجہ سے آپ کے دل میں بہت زیادہ خوف تھا، کیونکہ آپ کا شمار سات بڑے اہل علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا تھا۔

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سات بڑے صحابہ، جن میں سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے زیادہ احادیث کو یاد کرنے والے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ سے دو ہزار چھ سوتیس (2630) احادیث مروی ہیں۔ لیکن اس علم کے باوجود اگر کسی بات کا علم نہ ہوتا تو فرما دیتے کہ مجھے نہیں معلوم جیسا کہ ان واقعات سے بھی ظاہر ہو رہا ہے۔

جناب مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کسی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اولاد کی میراث کے بارے میں پوچھا، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ کسی نے ان سے کہا آپ اس کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے فرمایا ابن عمر سے وہ چیز پوچھی گئی جو اسے معلوم نہیں اس نے کہہ دیا میں نہیں جانتا۔

سیّدنا عروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا مجھے معلوم نہیں ۔ جب وہ پوچھنے والا پشت پھیر کر چل پڑا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے آپ سے کہا ابن عمر سے ایسی چیز پوچھی گئی جو اسے معلوم نہیں تو اس نے کہہ دیا مجھے معلوم نہیں۔ (1)

ابن عمر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی زیادہ محبت تھی۔ یہی وجہ تھی، اکثر و بیشتر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر کے رونے لگ جایا کرتے تھے۔

''جناب محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے تو رو پڑتے اور جب بھی (اپنے مکہ

(1) طبقات ابن سعد: 144/4 .

والے) مکان کے پاس سے گزرتے تو اپنی آنکھیں بند کر لیتے۔'' ❶

سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تین مہینے بعد فوت ہوئے، فوت ہونے سے پہلے انہوں نے وصیت کی تھی کہ مجھے حل میں دفن کیا جائے، لیکن حجاج کی وجہ سے ایسا ممکن نہیں ہوسکا تھا۔ کیونکہ حجاج کی نگاہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ بڑی بری طرح کھٹکتے تھے۔ لیکن کچھ کر نہ پائے تھے، کیونکہ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی ان کو ان کی غلط حرکات پر ٹوکا اور روکا کرتے تھے۔ لیکن بامر مجبوری حجاج ان کو برداشت کررہا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ان کی عزت بہت زیادہ تھی۔ چنانچہ اس نے خفیہ چال چلی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے راستے میں زہر آلود کیل ٹھکوا دیئے، ان کے پاؤں میں کیل لگا اور وہی ان کی موت کا سبب بنا۔ ایک قول یہ ہے کہ حجاج نے نیزے کو زہر آلود کر دیا تھا اور موقع پا کر عمر رضی اللہ عنہ کے پاؤں کے اوپر والے حصے پر رکھ دیا۔ اس کا زہر جسم میں پھیل گیا۔ اس سے ان کی موت واقع ہوئی۔ اس وقت سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی عمر چوراسی یا چھیاسی سال کی تھی۔ سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بہت سے لوگوں نے حدیث بیان کی ہے۔

(6) سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ:

آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں، ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، تو ان کی عمر چودہ یا پندرہ سال کی تھی، اس امت کے بہترین افراد میں سے ہیں اور اس امت کے فقیہ اور انتہائی بڑے عالم تھے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اس چیز کی خاص دعا کی تھی۔ چنانچہ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ:

((اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ دَخَلَ الْخَلَاءَ فَوَضَعْتُ لَهٗ وَضُوْءًا، فَلَمَّا

❶ حياة الصحابة : 482/1.

خَـرَجَ ، قَـالَ: مَـنْ وَضَعَ هٰذَا؟ فَأُخْبِرَ فَقَالَ: اَللّٰهُـمَّ فَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ .))❶

''نبی مکرم ﷺ بیت الخلاء گئے تو میں نے آپ ﷺ کے لیے وضو کا پانی رکھ دیا۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو فرمایا: یہ کس نے رکھا ہے؟ جب آپ کو بتلایا گیا تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ اے اللہ! اسے دین کی سوجھ بوجھ عطا فرما۔''

اور نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے،

((ضَمَّنِىُّ ﷺ اِلٰـى صَـدْرِهٖ . فَقَالَ: اَللّٰهُـمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ ، وَفِىْ رِوَايَةٍ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ .))❷

''نبی کریم ﷺ نے مجھے اپنے سینے سے چمٹاتے ہوئے یہ دعا فرمائی، یااللہ! اسے دین کی حکمت کا علم عطا فرما۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ کتاب اللہ کا علم عطا فرما۔''

اس دعا کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم وحکمت سے منور فرما دیا تھا، چنانچہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کو بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اپنے قریب بٹھایا کرتے تھے اور مشکل مسائل میں ان سے رائے لیا کرتے تھے۔ اور ان کی رائے کو اہمیت بھی دیا کرتے تھے۔

سب کچھ آپ ﷺ کی دعا کا نتیجہ تھا کہ رب نے علم وحکمت ان کی زبان پر

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الوضوء، رقم: 143، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6368.

❷ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: 3756.

جاری کر دیا تھا، چنانچہ جناب شقیق رحمہ اللہ بہت بڑے تابعی گزرے ہیں اور سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، فرماتے ہیں، ایک مرتبہ حج مبارک کے موقع پر سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک عظیم خطبہ دیا اور اس میں سورہ نور کی تفسیر فرمائی میں کیا بتاؤں کہ وہ تفسیر کیا تھی اس سے پہلے نہ میرے کانوں نے سنی نہ آنکھوں نے دیکھی تھی (یعنی پڑھی تھی) اگر اس تفسیر کو فارس اور روم والے سن لیتے تو پھر انہیں اسلام لانے سے کوئی چیز نہ روک سکتی تھی۔ ❶

اس وجہ سے مسروق کہتے ہیں جب میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھتا تو میں کہتا کہ یہ لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت ہیں اور جب ان کو گفتگو کرنے سنتا تو میں سمجھتا کہ لوگوں میں سب سے بڑے محدث یہی ہیں۔

آخری عمر میں آپ کی بینائی جاتی رہی اور آپ طائف میں اڑسٹھ ہجری کو فوت ہوئے، جبکہ آپ کی عمر اس وقت اکہتر سال کی تھی۔ آپ سے صحابہ اور تابعین کی بہت بڑی جماعت نے حدیث روایت کی ہے۔

(7) سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ افضل ترین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہیں۔ آپ کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس وجہ سے کہتے تھے کہ ان کے پاس ایک چھوٹی سی بلی تھی۔ اس سے ان کی کنیت پڑ گئی ابو ہریرہ (بلی کا باپ یا بلی والا) آپ نے خیبر کے سال اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر میں شریک ہوئے، اس کے بعد رسول اللہ کا ساتھ ایسا اپنایا کہ سفر وحضر میں ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ یا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں رہتے تھے اور اس انتظار میں اکثر اوقات بھوکے اور پیاسے بھی پڑے رہتے

❶ مستدرك حاكم: 536/3، رقم: 6344، سير الصحابه: 249/2.

تھے۔ کیونکہ آپ کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سننے اور یاد کرنے کا بہت زیادہ شوق تھا، اس شوق کے لیے اپنی ہر آسائش کو قربان کر دیا تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ کی احادیث سب سے زیادہ یاد تھیں، چنانچہ ان سے پانچ ہزار تین سو چوالیس احادیث مروی ہیں۔

یہ حدیثیں محض آپ کے شوق اور محنت کا نتیجہ تھیں، چنانچہ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ مجھے بہت سی احادیث بھول جاتی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی چادر بچھاؤ، میں نے چادر بچھائی، آپ ﷺ نے بہت سی حدیثیں اس کے بعد بیان کیں، لیکن میں کبھی نہیں بھولا۔ ❶

یہ آپ کا حدیث کو سننے کا شوق تھا اور آپ نے اس کے لیے خوب محنت کی۔ اس کے لیے اپنی ہر قسم کی راحت قربان کر دی۔ چنانچہ جب لوگوں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ ابو ہریرہ بہت حدیثیں بیان کرتا ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ کی قسم! اگر قرآن کی یہ دو آیتیں نہ ہوتیں:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴾

(البقرة: 159)

"بے شک جو لوگ ہمارے نازل کردہ صریح دلائل اور ہدایت کی باتوں کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے لوگوں کے لیے ان کو کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے، وہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے

❶ صحيح بخاری، كتاب المناقب، رقم: 3648.

والے لعنت کرتے ہیں۔''

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚۖ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾ (البقرة : 174)

''بے شک جو لوگ اللہ کی نازل کی گئی کتاب میں سے کچھ (باتیں) چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے تھوڑا سا مول لیتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں آگ کے سوا کچھ نہیں بھرتے اور قیامت کے دن اللہ ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ انھیں پاک ہی کرے گا اور ان کے لیے بہت درد ناک عذاب ہے۔''

میں تمہیں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا، تم کہتے ہو ابو ہریرہ بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتا ہے۔ کبھی اپنی اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حالت کا اندازہ لگایا ہے، انصار کو کھیتی باڑی سے فرصت نہ ملتی تھی۔ جبکہ مہاجرین بازاروں کے شور شرابے میں مشغول تھے اور ابو ہریرہ بھوکے پیٹ مسجد میں لیٹے ہوتے تھے۔ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سننے کے لیے بسا اوقات بھوک کی وجہ سے غش طاری ہو جاتا، لوگ دیوانہ سمجھ کر ٹھوکریں مارتے تھے۔ [1]

یہ وجہ تھی سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے زیادہ احادیث کو یاد کرنے کی کہ ہر طرح کی مشکلات اٹھائیں، لیکن حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق کو کمزور نہ ہونے دیا، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے خاص محبت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے دعائیں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ:

((اَللّٰهُمَّ! حَبِّبْ عُبَيْدَكَ هٰذَا يَعْنِيْ اَبَا هُرَيْرَةَ وَاُمَّهٗ اِلٰى عِبَادِكَ

---

[1] صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، رقم: 6397.

الْمُؤْمِنِيْنَ ، وَحَبِّبْ اِلَيْهِمُ الْمُؤْمِنِيْنَ .)) ❶

''اے اللہ! اپنے بندے یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور اس کی والدہ کو مومنین کا محبوب بنا اور مومنین کو ان کا محبوب بنا۔''

غور فرمائیے! کہ دعا کی جا رہی ہے کہ یہ لوگوں کا محبوب اور پیارا بن جائے، کیونکہ انہوں نے دین کے لیے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرنے کے لیے بڑی ہی تکالیف اٹھائی ہیں۔ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کی قسم! میں بھوک کی وجہ سے اپنے جگر کو زمین پر چپٹا دیتا اور پیٹ پر پتھر باندھتا تھا۔

سیّدنا عبداللہ بن شقیق فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک سال رہا۔ ایک دن ہم لوگ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ شریف کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ ہم لوگوں نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا ہے کہ ہمارے کپڑے صرف موٹی اور کھردری چادریں ہوا کرتے تھے۔ ہمیں اتنا کھانا بھی نہ ملتا تھا کہ ہم اپنی کمر سیدھی کرلیں، ہمارا پیٹ اندر کی طرف پچکا ہوا ہوتا تھا۔ اس پر پتھر رکھ کر ہم اسے کپڑے سے باندھ لیا کرتے تھے، تاکہ ہم اپنی کمر سیدھی کرسکیں۔

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تو حفظ حدیث کے لیے اس قدر قربانیاں دیں، لیکن حسد اور بغض کی بنا پر طرح طرح کے الزام لگاتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ حدیثیں بہت بیان کرتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غیر فقیہ ہے۔ یہ محض حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رد کرنے کے لیے ایسے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ یہ مان لینے کے بعد کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سب سے بڑے محدث ہیں، تو پھر غیر فقیہ کیسے ہوگئے؟ حالانکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی فقاہت کی ضمانت تو خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ ایک دفعہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے

❶ صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، رقم: 6396.

آپ ﷺ سے سوال کیا کہ سب سے زیادہ آپ ﷺ کی شفاعت کا حق دار قیامت کے دن کون ہوگا؟ آپ ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: میں اس بارے میں سوچتا تھا کہ کون مجھ سے اس بارے میں سوال کرے گا۔ پھر مجھے یقین بھی تھا کہ یہ سوال مجھ سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کرے گا، کیونکہ اس کو حدیث کے ساتھ لگن ہی اتنی ہے۔ میری شفاعت کا سب سے زیادہ حق دار وہ ہوگا، جو اللہ کی توحید کا خالص دل سے اقرار کرنے والا ہوگا۔

غور فرمایئے کہ اگر فقاہت نہ تھی تو سوال کیوں کیا؟ اور وہ سوال کیا کہ جو کوئی بھی نہ کرسکا، اگر یہ فقاہت نہیں تو اور کیا ہے؟

پھر دیکھئے کہ ان کو مدینہ کا گورنر بھی بنایا گیا، اگر فقاہت نہ تھی تو اتنی اہم ذمہ داری کیوں سونپی گئی، جس کا جواب یہ ہے کہ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو تو فقاہت تھی ۔لیکن جنہوں نے اعتراض کیا ہے۔ وہ عقل و خرد سے خالی ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی فقاہت نہ سمجھ سکے کہ جس کی گواہی حدیث رسول ﷺ بھی دیتی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آٹھ سو سے زیادہ افراد نے جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ میں سے تھے ان سے حدیث روایت کی ہے، انہی میں سے ابن عباس ،ابن عمر، جابر اور انس رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں انسٹھ ہجری کو فوت ہوئے۔ اس وقت ان کی اٹھہتر سال تھی۔ بقیع میں تدفین ہوئی، آپ کا جنازہ ولید بن عقبہ نے پڑھایا، جو اس وقت مدینہ کے گورنر تھے۔ [1]

(8) سیّدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ:

ثابت بن قیس بن شماس الانصاری الخزرجی رضی اللہ عنہ، یہ انصاری صحابہ کرام میں عظیم

[1] الاستیعاب لابن عبدالبر .

الشان ہیں اوران کی پہچان ان کی خطابت تھی، جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہورہا ہے۔

سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''جب یہ آیت اتری' اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند نہ کرو (آخر آیت تک)' ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور کہا کہ میں اہل جہنم سے ہوں اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی رُکے رہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے ابوعمرو، ثابت کو کیا کوئی تکلیف ہے؟ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: بیشک، وہ میرا ہمسایہ ہے، مگر میں اس کی تکلیف کو نہیں جانتا، کہا کہ سعد رضی اللہ عنہ اس کے پاس آئے، اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا، تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اتری ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ (الحجرات: 2)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنی آوازیں نبی کی آواز کے اوپر بلند نہ کرو اور نہ بات کرنے میں اس کے لیے آواز اونچی کرو، تمھارے بعض کے بعض کے لیے آواز اونچی کرنے کی طرح، ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم شعور نہ رکھتے ہو۔''

اور تم جانتے ہو، بے شک میں تم سے اونچی آواز والا ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر، پس میں تو اہل جہنم سے ہوں، سعد رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بیان کیا' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بلکہ وہ تو اہل جنت سے ہے۔''[1]

[1] مسند احمد: 137/3، رقم: 12399۔ شیخ شعیب ارناؤط نے مسلم کی شرط پر اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔

مذکورہ حدیث سیّدنا ثابت رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے لیے کافی ہے کہ آپ ﷺ نے ثابت رضی اللہ عنہ کو مومن اور جنتی قرار دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ثابت کی رسول ﷺ سے احترام، محبت اور عقیدت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ گستاخی کے ڈر سے اپنے گھر میں ہی بیٹھ گئے کہ کہیں میری اونچی آواز سے آپ ﷺ کی گستاخی نہ ہوجائے اور اعمال ضائع نہ ہوجائیں۔ اس سے سیّدنا ثابت رضی اللہ عنہ کے تقویٰ کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ جو کہ مومن کی کامیابی کی دلیل ہے۔

سیّدنا ثابت رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ اُحد اور بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے، اور مسیلمہ کذاب کے ساتھ جو جنگ یمامہ ہوئی تھی بارہ ہجری میں اس میں بھی شریک تھے اور سیّدنا ثابت رضی اللہ عنہ سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کی ہے۔

(9) سیّدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ:

ابو یوسف عبداللہ بن سلام اسرائیلی، آپ کا تعلق یوسف بن یعقوب علیہما السلام کی اولاد سے ہے۔ آپ کا اسلام قبول کرنے سے پہلے یہودیوں کے بڑے عالموں میں شمار ہوتا تھا۔ یہود ان کی انتہائی عزت وتکریم کرتے تھے۔ جیسا کہ اس کا شاہد وہ واقعہ بھی ہے کہ جب یہ مسلمان ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی آپ ﷺ یہود کو بلا کر میرے بارے میں پوچھ لیں، کیونکہ مجھے ڈر ہے کہیں وہ آپ ﷺ کو میرے بارے میں بدظن نہ کریں، یا میری برائیاں کرتے پھریں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے یہودیوں کو بلا کر پوچھا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کیسا شخص ہے؟ یہودیوں نے جواب دیا، "سیّدنا وابن سیّدنا" کہ "وہ ہمارا سردار ہے اور سردار کا ہی بیٹا ہے۔" آپ ﷺ نے پوچھا کہ اگر وہ مسلمان ہوجائے تو یہودیوں نے کہا ایسا نہیں ہوسکتا۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پیچھے سے کلمہ پڑھتے ہوئے باہر آ گئے۔ یہودی فوراً بدل گئے، کہنے لگے: یہ بھی گھٹیا اس کا باپ بھی گھٹیا تھا۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہودیوں میں ان کی خاص عزت وتکریم تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو خاص عزت و مقام دیا کہ اپنی زبان مبارک سے ان کے لیے جنت کی ضمانت فراہم کی۔ چنانچہ سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((مَا سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ لِاَحَدٍ یَّمْشِیْ عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ اَنَّهٗ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ ، اِلَّا لِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ .))[1]

''انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے علاوہ سطح زمین پر چلنے والے کسی شخص کے بارے میں یہ فرماتے نہیں سنا کہ وہ جنتی ہے۔''

آپ رضی اللہ عنہ تینتالیس ہجری کو مدینہ میں فوت ہوئے۔ آپ کے دونوں بیٹوں یوسف اور محمد کے علاوہ دیگر اصحاب نے بھی آپ سے حدیث روایت کی ہے۔

(10) سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ:

ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ مکہ میں شروع شروع میں اسلام لائے، حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حبشہ سے کشتی والوں کے ساتھ واپس اس وقت میں آئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے مقام پر تھے۔

آپ صاحب فضل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی توصیف میں فرمایا تھا:

((یَا اَبَا مُوْسٰی! لَقَدْ اُعْطِیْتَ مِزْمَارًا مِّنْ مَزَامِیْرِ اٰلِ

[1] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، رقم: 3812، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6380.

دَاوُدَ .)) ❶

''ابوموسیٰ ! بے شک تجھے آل داؤد کی خوش الحانی عطا کی گئی ہے۔''

یہ ارشاد آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا تھا کہ جب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ قرآن کی تلاوت بڑے ہی خوبصورت انداز میں فرمارہے تھے۔ آپ ﷺ کی اس توصیف کوسن کر انہوں نے عرض کیا کہ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ آپ ﷺ میری تلاوت سن رہے ہیں، تو میں اور بھی زیادہ خوبصورت آواز میں قرآن پڑھتا۔

مذکورہ حدیث سے آپ رضی اللہ عنہ کی قرآن کے ساتھ محبت اور وابستگی کا بھی پتہ چلتا ہے۔

(11) سیّدنا انس رضی اللہ عنہ:

ابوحمزہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بن النضر الانصاری الخزرجی عظیم الشان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہیں، اور ان کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ انہوں نے دس سال تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی ، ان کی والدہ محترمہ رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور آ کر کہا کہ اللہ کے رسول! یہ آپ کی خدمت کے لیے وقف ہے، آپ ﷺ اس کے لیے برکت کی دعا کریں چنانچہ آپ ﷺ نے برکت کی دعا کی ، جس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

((وَعَنْ أُمِّ سُلَيْمٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! أَنَسٌ خَادِمُكَ أُدْعُ اللّٰهَ لَهٗ قَالَ: اَللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ ، وَبَارِكْ لَهٗ فِيْمَا أَعْطَيْتَهٗ . قَالَ أَنَسٌ: فَوَاللّٰهِ إِنَّ مَالِيْ لَكَثِيْرٌ ، وَّإِنَّ وَلَدِيْ

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، رقم: 5048، صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین، رقم : 1851.

وَوَلَدَ وَلَدِیْ لَیَتَعَادُّوْنَ عَلٰی نَحْوِالْمِائَةِ الْیَوْمَ .)) ❶

''سیّدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں درخواست کی کہ انس آپ ﷺ کے خادم ہیں، ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں، آپ ﷺ نے دعا فرمائی، اے اللہ! اس کو مال اور اولاد میں برکت دے، اور اس پر اپنی عطا کو بابرکت بنادے۔

سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے، اللہ کی قسم! میرا مال کثیر ہے اور میری اولاد کی تعداد آج پوتوں سمیت سو سے بھی زیادہ ہے۔''

جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کے پاس مال بہت زیادہ تھا اور ان کی اولاد کی تعداد پوتوں سمیت ایک سو سے بھی زیادہ تھی۔ جس کا اقرار مذکورہ حدیث میں بھی کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال کی تھی، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک مدینہ میں رہے۔ پھر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ان کو بصرہ بھیج دیا۔ یہ بصرہ میں بھی رہے۔ یہاں تک کہ اکانوے ہجری میں فوت ہوئے۔ بصرہ میں فوت ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے آخری یہی ہیں۔ ان کی عمر ایک سو تین سال یا ننانوے سال تھی۔ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں کہا ہے، ان کی اولاد کی تعداد سو تھی۔

(12) سیّدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

ابی بن کعب الاکبر الانصاری الخزرجی انتہائی افضل ترین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے ایک ہیں، کاتب وحی ہیں اور ان چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہیں کہ جنہوں

❶ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، رقم: 6378، 6379، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6372.

نے رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ مبارک میں ہی قرآن کریم مکمل حفظ کرلیا تھا۔

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((قَالَ: اسْتَقْرِءُوا الْقُرْآنَ مِنْ اَرْبَعَةٍ: مِّنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَسَالِمٍ مَوْلٰی اَبِیْ حُذَيْفَةَ، وَاُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ، وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ.)) ❶

''قرآن مجید چار اشخاص سے پڑھا کرو، عبداللہ بن مسعود، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم۔''

اور سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَكْرٍ، وَّاَشَدُّهُمْ فِیْ اَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ، وَاَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ، وَاَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَاَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ اُبَیِّ بْنُ كَعْبٍ، وَاَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، وَّلِكُلِّ اُمَّةٍ اَمِيْنٌ وَاَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْعَبَيْدَةُ بْنُ الْجَرَّاحِ)) ❷

''میری امت میں سے میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور امر الٰہی میں سب سے زیادہ مضبوط عمر رضی اللہ عنہ، اور سچی حیا میں سب سے بڑھ کر عثمان رضی اللہ عنہ، فرائض کا سب سے زیادہ واقف زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سب سے بڑھ کر قاری ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، اور حرام وحلال کا

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: 3758، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6338.

❷ مسند احمد 281/3، رقم: 13990، سنن ترمذی کتاب المناقب، رقم: 3791۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

سب سے زیادہ عالم معاذ بن جبل ہے۔ ہر امت کے لیے ایک امین ہوتا ہے، اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہے۔''

یہ دونوں حدیثیں ان کے ماہر قاری القرآن ہونے پر دلالت کرتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ.)) [1]

''تم میں بہترین انسان وہ ہے کہ جو قرآن کو سیکھتا اور سکھاتا ہے۔''

اس سے بھی واضح ہوا کہ سیّدنا اُبی رضی اللہ عنہ عظیم ترین انسان ہیں۔ کیونکہ آپ ایک بہت بڑے قاری القرآن تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نماز تراویح کے لیے امام مقرر کرنا چاہا، تو سیّدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ہی مقرر فرمایا تھا۔

قرآن کے علم کے ساتھ ساتھ آپ کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی خوب علم تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ ان فقہا میں سے ایک ہیں کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابوالمنذر رکھی تھی، اور ان کو انصار کا سردار قرار دیا تھا۔ آپ مدینہ میں انیس ہجری کو فوت ہوئے۔ آپ سے بہت بڑی ایک جماعت نے حدیث روایت کی ہے۔

(13) سیّدنا اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ:

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ ان کی والدہ کا نام برکہ جو کہ ام ایمن کے نام سے معروف تھیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم عبداللہ بن عبدالمطلب کی لونڈی تھیں۔ اور اسامہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور غلام کے ہی بیٹے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسامہ رضی اللہ عنہ اور اس کے باپ زید رضی اللہ عنہ سے بے پناہ محبت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو

[1] صحيح بخاري، كتاب فضائل القرآن، رقم: 5027.

اپنا منہ بولا بیٹا بنا رکھا تھا جس کا اندازہ اس روایت سے بھی ہو سکتا ہے۔ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((اِنَّ زَیْدَ بْنَ حَارِثَةَ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَاكُنَّا نَدْعُوْهُ اِلَّا زَیْدَ بْنَ مُحَمَّدٍ ، حَتّٰی نَزَلَ الْقُرْاٰنُ: اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ . (الاحزاب 5/33) .))❶

''رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ہم لوگ زید بن محمد کہہ کر ہی پکارا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ قرآن میں یہ حکم نازل ہوا کہ ''تم لوگوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارا کرو۔''

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ بَعْثاً وَاَمَّرَ عَلَيْهِمْ اُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ ، فَطَعَنَ بَعْضُ النَّاسِ فِیْ اِمَارَتِهٖ ، فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: اِنْ كُنْتُمْ تَطْعَنُوْنَ فِیْ اِمَارَتِهٖ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُوْنَ فِیْ اِمَارَةِ اَبِيْهِ مِنْ قَبْلُ ، وَاَيْمُ اللّٰهِ اِنْ كَانَ لَخَلِيْقًا لِلْاِمَارَةِ ، وَاِنْ كَانَ لَمِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَیَّ ، وَاِنَّ هٰذَا لَمِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَیَّ بَعْدَهٗ . ❷ وَ فِی رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ نَحْوَهٗ وَفِیْ اٰخِرِهٖ اُوْصِيْكُمْ بِهٖ فَاِنَّهٗ مِنْ صَالِحِيْكُمْ .)

''رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر تیار کیا اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اس کا

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر رقم: 4782، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6262.

❷ صحیح بخاری، کتاب المغازی، رقم: 4469، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6264.

امیر مقرر فرمایا۔ بعض لوگ ان کی امارت پر معترض ہوئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم ان کی امارت پر اعتراض کر چکے ہو۔ اللہ کی قسم! بلاشبہ وہ امارت کے لائق تھا۔ بلاشک وشبہ زید مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھا اور اس کے بعد یہ اسامہ مجھے سب سے زیادہ پیارا ہے اور مسلم کی ایک روایت میں اسی طرح ہے اور اس کے آخر میں ہے میں تم کو اسامہ بن زید کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ وہ تمہارے نیک لوگوں میں سے ہے۔''

نیز خود سیّدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

((أَنَّـهُ كَـانَ يَـأْخُـذُهُ وَالْـحَسَـنُ فَيَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ أَحِبَّهُمَا فَإِنِّي أُحِبُّهُمَا .)) ❶

''آپ ﷺ مجھ کو اور حسن رضی اللہ عنہ کو اٹھاتے اور کہتے اے میرے اللہ، میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، تو بھی ان دونوں سے محبت فرما۔''

ایک اور روایت میں ہے:

''اے اللہ تو ان دونوں پر رحم فرما۔ اس لیے کہ میں ان دونوں سے شفقت کرتا ہوں۔'' ❷

غور فرمایئے ! آپ ﷺ ان کے محبوب ہونے اور اللہ کی رحمت کے لیے دعائیں کر رہے ہیں اور یہ بھی بتا رہے ہیں، یہ اسامہ اور اس کا والد عظیم ترین انعام یافتہ لوگ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کی قدر کرتے تھے اور اسی محبت کی

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: 3735.

❷ صحیح بخاری، کتاب الادب، رقم: 6003.

وجہ سے ان کا خاص خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''خلیفۃ المومنین والمسلمین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا وظیفہ مجھ سے زیادہ مقرر فرمایا میں نے وجہ پوچھی تو فرمانے لگے۔ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھ سے زیادہ محبوب تھا اور اس کا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرے باپ سے بھی زیادہ محبوب تھا۔'' [1]

غور کیجئے! کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے پر ترجیح اس وجہ سے دی کہ سیّدنا اسامہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے والد ماجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ہی زیادہ محبوب تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد 54ھ میں فوت ہوئے۔ آپ سے ایک جماعت نے حدیث روایت کی ہے۔

(14) سیّدنا حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ:

حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ عظیم الشان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہیں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد بدر و خندق اور ان کے درمیان ہونے والے تمام کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جنتی قرار پائے چنانچہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے، زبیر اور مقداد کو ایک مہم پر بھیجتے ہوئے فرمایا، روانہ ہو جاؤ! جب روضہ خاخ پہنچو گے تو تمہیں اونٹ کے ہودج میں بیٹھی ہوئی ایک عورت ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہے وہ اس سے حاصل کر لینا۔ چنانچہ ہم چل پڑے اور ہمارے گھوڑے ایک دوسرے سے سبقت

[1] الاصابة : 497/2.

لیتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، حتی کہ ہم روضہ خاخ جا پہنچے۔ وہاں اونٹ کے ''ہودج'' میں سوار ایک عورت موجود تھی۔ ہم نے اسے حکم دیا، وہ خط نکالو۔ اس نے کہا، میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے اسے ڈانٹا کہ خط نکال دو ورنہ تلاشی کے لیے کپڑے اتار دیں گے۔ چنانچہ اس عورت نے اپنے سر کے بالوں سے خط نکال دیا۔ ہم وہ خط لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس لائے۔ اس خط میں لکھا تھا ''حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے سرداران مشرکین کی طرف۔ وہ رسول ﷺ کے بعض امور سے مشرکین مکہ کو مطلع کرتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے حاطب سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے اس معاملے میں جلدی نہ فرمائیں! میں نے قریش میں باہر سے آکر سکونت اختیار کی ہے اور میری ان سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے، جبکہ آپ ﷺ کے اور دیگر مہاجرین کے، مکہ میں رشتہ دار واہل قبیلہ موجود ہیں۔ جو ان کے اموال اور اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے یہ چاہا کہ ان پر اس طرح احسان کروں کہ وہ میرے اہل وعیال کا لحاظ کریں، اور میں نے کفر، یا اپنے دین سے ارتداد کی بنا پر، یا اسلام کے بعد کفر پر راضی ہو کر یہ کام نہیں کیا ہے۔

اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ حاطب نے تمہارے سامنے سچ بیان کیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں۔ رسول رحمت ﷺ نے فرمایا، بلاشبہ اس نے جنگ بدر میں حصہ لیا اور تمہیں کیا معلوم کہ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ نے بدر والوں پر اپنی رحمت نچھاور کی ہے، اور ان کے حق میں فرمایا ہے، تم جو چاہو کرو،

تمہارے لیے جنت واجب ہو گئی ہے۔ اور دوسری روایت ہے کہ میں نے تمہاری مغفرت فرما دی ہے اور تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو اپنا دوست نہ بناؤ۔'' ❶

اس حدیث سے ان کا جنتی ہونا واضح ہوا۔ اگرچہ سیّدنا حاطب رضی اللہ عنہ سے کچھ لغزشیں بھی ہوئیں۔ تاہم ان کی نیکیوں کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہی وجہ تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا خوب دفاع کیا۔ چنانچہ سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((اِنَّ عَبْدَ الْحَاطِبِ رضی اللہ عنہ جَآءَ اِلَی النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم یَشْکُوْا حَاطِبًا اِلَیْهِ ، فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! لَیَدْخُلَنَّ حَاطِبٌ النَّارَ ، فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم! کَذَبْتَ لَا یَدْخُلُهَا ، فَإِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا وَالْحُدَیْبِیَّةَ .)) ❷

''سیّدنا حاطب کا غلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حاطب کے بارے کہنے لگا۔ اے اللہ کے رسول! حاطب ضرور جہنم میں داخل ہو گا۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو جھوٹا ہے وہ دوزخ نہیں جائے گا، کیونکہ وہ بدر اور حدیبیہ کی جنگ میں شامل تھا۔''

یہ حدیث بھی سیّدنا حاطب رضی اللہ عنہ کے مرتبہ اور مقام کو واضح کرتی ہے۔ کیونکہ بدر والوں کو رب تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے۔ جیسا کہ پہلی حدیث سے واضح ہے اور ویسے بھی حدیبیہ والوں سے رب راضی ہو چکا ہے۔ سیّدنا حاطب رضی اللہ عنہ ان دونوں موقعوں پر

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، رقم: 4890، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6401.

❷ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة ، رقم: 6403.

موجود تھے۔ جس سے ان کی عزت وشرف واضح ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ پینسٹھ سال کی عمر پا کر مدینہ میں فوت ہوئے۔

(15) سیّدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ :

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ القرشی الصدوی جلیل القدر اور افضل ترین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ انتہائی قدیم الاسلام ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں جانے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔آپ رضی اللہ عنہ اسلام سے پہلے انتہائی نعمتوں والی زندگی گزارتے تھے۔لباس اور خوشبوں کا استعمال خوب کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جس گلی سے گزر جاتے، وہ گلی کافی دیر تک مصعب رضی اللہ عنہ کے گزر جانے کی خبر دیتی رہتی تھی۔لیکن جب اسلام قبول کیا تو پھر دنیا سے کنارہ کش ہو گئے اور کافی مشکل زندگی گزاری کہ ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا کہ بوریے کا لباس پہنا ہوا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس منظر کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا: اسلام سے پہلے کس قدر پر عیش زندگی تھی اب یہ حالت ہے کہ لباس بھی بوریے کا ہے۔ جو ان کی مشکلات کا پتہ دیتا ہے۔ انہوں نے انہی مشکلات سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کو عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ کی طرف قرآن پڑھانے اور دین کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تھا۔

(16) سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ :

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ہمیں اپنے سینے صاف رکھنے چاہیں، ان میں سے ایک صحابی رسول کا نام عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ السہمی القرشی ہے، جو انتہائی خوبصورت آنکھوں والے چھوٹے قد اور بڑے مرتبہ والے گورے رنگ کے تھے۔آپ بلا کے زیرک اور دانشمند تھے،اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے سات سال بڑے تھے۔آپ رضی اللہ عنہ ہجرت کے

پانچویں سال ایمان لائے۔ ان کے متعلق رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((أَسْلَمَ النَّاسُ وَ آمَنَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ .)) ❶

''لوگ اسلام لائے اور عمرو بن العاص ایمان لایا۔''

یعنی ان کے اسلام لانے کو اتنی اہمیت دی گویا ایک جماعت ایمان لے آئی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ لوگ ایمان لاتے، جبکہ عمرو اکیلا ہی ایمان لایا، یعنی اس اکیلے کا ایمان لانا۔ بہت سے لوگوں کے ایمان لانے کے مترادف ہے۔

یہ خیبر والے سال ایمان لائے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر، اہل و عیال اور گھر بار چھوڑ کر مدینہ چلے آئے، اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے۔ جب آپ ﷺ نے ان سے بیعت لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا جب آپ ﷺ نے ان سے ایسا کرنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے درخواست کی کہ میں اس شرط کے ساتھ بیعت کرتا ہوں کہ میرے سابقہ گناہ معاف کردیے جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمرو! تجھے پتہ نہیں کہ اسلام پہلے والے گناہ معاف کر دیتا ہے، اور ہجرت بھی پہلے والی غلطیاں مٹا دیتی ہے، چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

غور فرمائیں، کہ اپنی غلطیوں کے معاف ہو جانے کا کتنا احساس اور فکر ہے۔ کہ کہیں گناہ باقی نہ رہ جائیں۔ اسی وجہ سے بیعت کے لیے بڑھایا ہوا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ جس سے ان کا خوفِ الٰہی بھی ثابت ہوتا ہے۔

ایک آدمی نے ان سے قبول اسلام میں تاخیر کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم ایسی قوم کے ساتھ تھے، جسے ہم پر برتری حاصل تھی اور ان کی عقلوں پر دیوانگی اور

❶ سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: 3844۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

خرابی سوار تھی، چنانچہ جب محمد ﷺ مبعوث ہوئے تو اس نے آپ کو پیغمبر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ہم نے ان کی پناہ لی، اور جب وہ قوم انجام کو پہنچ گئی، اور معاملہ ہمارے ہاتھ میں آیا، اور ہم نے غور وفکر سے کام لیا تو ہمیں حق واضح نظر آ گیا، اور میرے دل میں اسلام جا گزیں ہو گیا، چنانچہ جب قریش مکہ نے مجھ میں اپنی حمایت میں وہ سرگرمی نہ دیکھی جو کبھی میں دکھایا کرتا تھا تو انہوں نے اپنے ایک نوجوان کو میری طرف بھیجا اور اس نے مجھ سے مناظرہ کیا۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا: میں تجھے اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جو تیرا اور تیرے سے پہلوں اور بعد والوں کا رب ہے، کیا ہم زیادہ ہدایت یافتہ ہیں یا روم اور فارس والے؟

اس نے کہا: ہم

میں نے کہا: کیا ہم زیادہ خوش حال ہیں یا وہ؟

اس نے کہا: وہ

تو میں نے کہا: ہمیں دنیا میں ان پر اپنی فضیلت سے کیا حاصل ہوا، کیونکہ اس دنیا میں تو وہ ہر اعتبار سے ہم سے مستحکم ہیں۔ سو میرے دل میں یہ بات آ گئی کہ جو بات محمد (ﷺ) فرماتے ہیں کہ موت کے بعد اٹھنا ہے تا کہ نیک کو اس کی نیکی اور بُرے کو اس کی برائی کا بدلہ ملے، یہ حق ہے اور باطل کی دلدل میں دھنستے جانے میں کوئی خیر نہیں ہے۔ چنانچہ میں آپ ﷺ پر ایمان لے آیا۔

اس واقعہ سے ثابت ہوا، سیّدنا عمرو رضی اللہ عنہ انتہا کے زیرک انسان تھے۔ اور اسی زیرک پن کی وجہ سے اسلام قبول کیا۔ اور ان کا بہترین منتظم اور سربراہ ہونا بھی اسی زیرک پن کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جس کی وجہ سے ان کو اہم ذمہ داریاں سونپی گئیں۔

رسول کریم ﷺ سے بے حد محبت کرتے تھے، لیکن حیا کی وجہ سے آپ کی

آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہ کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں ان کی شجاعت اور دانشمندی کی وجہ سے ''غزوہ ذات السلاسل'' میں اسلامی افواج کا امیر مقرر کیا، اور ابوبکر وعمر اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم کو ان کی مدد کے لیے روانہ فرمایا۔

ایک مرتبہ اہل مدینہ بڑے خوفزدہ ہو گئے تو آپ سالم مولیٰ ابی حذیفہ کے ہمراہ مسلح ہو کر مسجد میں آ گئے، تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: لوگو! تمہارا اللہ اور اس کا رسول کی طرف رجوع کیوں نہ ہوا؟ اور تم نے ان دو مومن آدمیوں کی طرح کیوں کیا؟ [1]

علقمہ بن رمثہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بحرین کی طرف بھیجا، پھر وہ کسی فوجی مہم پر گئے اور ہم بھی ان کے ساتھ تھے، چنانچہ رسول کریم ﷺ کو اونگھ آئی اور پھر آپ جاگ پڑے اور فرمایا:

((رَحِمَ اللّٰهُ عَمْرًوا .))

''کہ اللہ تعالیٰ عمرو پر رحم فرمائے۔''

آپ ﷺ نے تین مرتبہ یوں ہی فرمایا، اور ہم نے تین مرتبہ عمرو نام والے صحابہ کو یاد کیا (لیکن پتہ نہ چلا کہ آپ کون سے عمرو کا نام لے رہے ہیں۔) چنانچہ ہم نے سوال کیا کہ کون سا عمرو اے اللہ کے رسول ﷺ؟ آپ نے فرمایا: عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

قارئین محترم! یہ دونوں روایات سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بہترین نیک و صالح مسلمان ہونے کی گواہی دے رہی ہیں، نیز آپ رحمت الٰہی کے مستحق ترین فرد ہیں، کیونکہ رسول ﷺ نے ان کے لیے دعا کی ہے یہ ممکن نہیں کہ رسول ﷺ کی

---

[1] مسند احمد، 203/4، رقم: 17810۔ شیخ شعیب ارناؤط نے اس کی سند کو مسلم کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے۔

دعا ان کے حق میں قبول نہ ہوئی ہو، لہٰذا ان لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ جو ان کو برا بھلا کہتے ہیں۔ کہیں سیّدنا عمرو رضی اللہ عنہ کی دشمنی میں آخرت خراب نہ ہو جائے۔

سیّدنا رسول کریم ﷺ نے انہیں عمان کا گورنر مقرر کیا۔ آپ ﷺ نے جہاد فلسطین اور جہاد قنسرین میں حصہ لیا، اور مصر کو فتح کیا، اور وہاں کے گورنر مقرر ہوئے، تا آنکہ سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کر کے عبد اللہ بن سعد کو گورنر بنا دیا۔ بعد ازاں آپ دوبارہ گونر مصر بنا دیے گئے، اور تینتالیس ہجری تک گورنری کے عہدے پر ہی فائز رہے۔ آپ نے نوے سال عمر پائی اور اسی سال وفات پائی۔

(17) سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان قریشی اموی رضی اللہ عنہ:

دوسرے صحابی، جنہیں ناحق بدنام کیا جاتا ہے، وہ رسول کریم ﷺ کے برادرِ نسبتی سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان قریشی اموی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے متعلق رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِبِهِ .)) [1]

''اے اللہ! اسے ہدایت دینے والا، ہدایت یافتہ بنا اور اس کے ذریعے ہدایت نصیب فرما۔''

امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی جیسے محدثین اور امام ابن عساکر دمشقی اور قاضی محمد سلیمان منصور پوری جیسے بلند پایہ مؤرخین کی تحقیق کے مطابق آپ ''عمرۃ القضاء'' سے پہلے اسلام لائے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر اپنا گھر بار، مال و دولت اور مال دار والدین کو چھوڑ کر اس حال میں مدینہ پہنچے کہ انہیں پاؤں میں پہننے کے لیے جوتا بھی میسر نہ تھا۔ ''منتقی من منهاج الا عتدال'' میں متفق علیہ حدیث سے ثابت

[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: 3842۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

ہے کہ ذیقعد آٹھ ہجری میں ''عمرۃ القضاء'' کے موقع پر آپ کو رسول کریم ﷺ کے موئے مبارک تراشنے کا شرف حاصل ہوا۔ رسول کریم ﷺ نے انہیں کاتبینِ وحی الٰہی میں شامل فرمایا، اور یہ آپ کو اکثر و بیشتر وضو کروایا کرتے تھے اور آپ ﷺ نے ان کو اپنی قمیص پہنائی تھی جو انہوں نے مرض الموت تک اپنے پاس چھپا کر رکھی۔

رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد جب مکہ اور مدینہ اور ان کے آس پاس کی چند بستیوں کے سوا باقی اہل عرب مرتد ہو گئے، تو آپ رضی اللہ عنہ مومنین کے اس قلیل گروہ میں شامل تھے، جس نے مرتدین کے خلاف جہاد میں حصہ لیا، تا آنکہ مدعیان نبوت کے عساکر باطلہ کی قوت پارہ پارہ ہوگئی۔ مسیلمہ کذاب اور اس کی چالیس ہزار سپاہیوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ بلکہ آپ ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں شامل تھے، جنہوں نے مسیلمہ کذاب کی لاش کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔

بعد ازاں سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کے بڑے بھائی یزید الخیر کے ہمراہ جہاد شام پر بھیج دیا، چنانچہ وہاں آپ اپنے بھائی کی کمان میں مختلف محاذوں پر جہاد کرتے رہے۔ اسی دوران سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی اور سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین بن گئے، انہوں نے سیّدنا عمیر بن سعد کو معزول کر کے انہیں حمص کا عامل (کمشنر) مقرر کر دیا، سیّدنا عمیر رضی اللہ عنہ بڑے عابد و زاہد صحابی تھے اور لوگوں میں بے حد مقبول تھے۔ جب لوگوں نے ان کی معزولی اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تقرری کا حکم سنا تو وہ کہنے لگے: عمیر بن سعد کو معزول کر کے معاویہ کو عامل (کمشنر) مقرر کر دیا گیا ہے، یہ سن کر عمر بن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((لَا تَذْكُرُوا مُعَاوِيَةَ إِلَّا بِخَيْرٍ ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ

ﷺ يَقُوْلُ : اَللّٰهُمَّ اهْدِ بِهٖ .))❶

"معاویہ کو اچھے لفظوں کے علاوہ کسی لفظ سے یاد نہ کرنا، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ اے اللہ! اس کے ذریعے ہدایت نصیب فرما۔"

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بذات خود یہ حدیث بیان کی تھی۔ اس کے بعد جب طاعونِ عمواس میں سیّدنا ابو عبیدہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور گورنر شام یزید الخیر بن ابی سفیان اموی شہید ہو گئے، تو امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں شام کا گورنر مقرر کر دیا۔ اسی دور میں آپ نے یونانی جزیرے قیساریہ پر فیصلہ کن حملہ کیا اور نوے ہزار رومیوں کو قتل کر کے اسے فتح کر لیا۔ چنانچہ یہ ان کے عہد حکومت میں بارہ سال تک اتنی خوش اسلوبی سے حکومت کرتے رہے کہ ان کی رعایا ان پر فدا ہونے لگی۔

بعد ازاں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں وہاں برقرار رکھا، اور اس دور میں انہوں نے قسطنطنیہ پر بحری بیڑوں پر سوار ہو کر لشکر کشی کی، اور سیّدنا رسول کریم ﷺ کے اس رؤیائے صادقہ کا مصداق قرار پائے، جو آپ کو ام حرام بنت ملحان کے گھر دکھایا گیا تھا کہ آپ کے امتی سمندر کی پشت پر اس انداز سے سوار ہو کر قسطنطنیہ پر حملہ کرنے جا رہے ہیں، جیسے دو تختوں پر بیٹھے ہوئے بادشاہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا ہے، ان میں سیّدہ ام حرام بنت ملحان بھی تھیں جو قبرص کے گھوڑے سے گر کر شہید ہو گئی تھیں، اور ان کی قبر آج بھی قبرص میں موجود ہے۔

انہوں نے اپنے دور حکومت میں جس قدر عدل و انصاف کیا، اس کی شہادت مبشر بالجنۃ صحابی سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح قادسیہ کی زبانی سنئے۔ سیّدنا بشر بن سعید

❶ سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: 3843۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے "صحیح" کہا ہے۔

مدنی نے فاتح ایران، مبشر بالجنۃ، مستجاب الدعوات سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا کہ:

((مَا رَأَيْتُ بَعْدَ عُثْمَانَ اَقْضَى بِحَقٍّ مِنْ صَاحِبِ هَذَا الْبَابِ ، يَعْنِيْ مُعَاوِيَةَ))❶

''میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اس دروازے والے (معاویہ رضی اللہ عنہ) سے زیادہ کسی کو حق کے ساتھ فیصلہ کرنے والا نہ دیکھا۔''

ایک مرتبہ جناب سلیمان بن مہران (اعمش) کے پاس سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف کا ذکر ہوا تو انہوں نے فرمایا: اگر تم سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور پا لیتے تو کیا یاد کرتے؟ انہوں نے کہا: کیا آپ ان کے حلم کے بارے میں فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں اللہ کی قسم! بلکہ ان کے عدل و انصاف کے بارے میں۔

بلکہ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد امام المفسرین مجاہد بن جبیر اور قتادہ سدوسی اور ابواسحاق سبیعی جیسے خیار امت بیان کرتے ہیں کہ اگر تم معاویہ بن ابی سفیان کا دور پا لیتے تو تم بول اٹھتے کہ یہ مہدی ہے۔ ❷

اور یقیناً ایسا ہی ہونا تھا، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق ان لفظوں سے دعا فرمائی تھی:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا وَاهْدِ بِهٖ .)) ❸

تمام مورخین اور محدثین، مخالف و موافق اس بات پر متفق ہیں کہ سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رعیت ان سے بے حد محبت کرتی تھی، اور آپ بہ مصداق حدیث نبوی:

---

❶ البدایه والنهایة: 133/8. ❷ المنتقی، از ابن تیمیه.

❸ صحیح سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: 3842.

((خِيَارُكُمْ ائِمَتَكُمْ الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ ، وَتُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْكُمْ .))

''اپنی رعایا سے محبت کرتے تھے اور اس کے لیے دعا کرتے تھے اور وہ آپ کے لیے دعا کرتے تھی۔''

سیّدنا میمون بن مہران اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ سیّدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ قریشی اموی نے اپنے مرض وفات میں فرمایا:

''ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کروا رہا تھا، آپ نے اپنی قمیص مبارک اتاری اور مجھے پہنا دی، پس میں نے اسے مرمت کرلیا اور آپ کے ناخنوں کے تراشوں کی شیشی میں چھپا کر رکھ لیا، چنانچہ جب میں فوت ہو جاؤں تو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی) قمیص کو میرے بدن پر بچھا دینا، امید ہے کہ اللہ ان کی برکت سے مجھ پر رحم فرمائے گا۔'' [1]

(18) سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب:

وہ مومن صحابی کہ جس کے متعلق بد گمانی پھیلائی جاتی ہے، وہ ہے سیّدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ۔ سیّدنا ابوسفیان (صخر) بن حرب بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر اور جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ تھے۔ قبول اسلام سے قبل یہ سرداران مکہ میں سے ایک سردار تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا تو ان کی طرف سے اس کے خلاف اتنا ردعمل سامنے نہیں آیا جتنا کہ ابولہب، ابوجہل وغیرہ کی طرف سے آیا۔

اور اس آیت ﴿ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ﴾ (الشوریٰ:23)

[1] تاريخ الاسلام للذهبي : 316/4 .

کے مخاطبین میں ایک تھے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے ان کو حالت کفر کے دور میں عمرو بن امیہ بن خولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ عجوہ کھجوروں کا ہدیہ بھیجا، جو انہوں نے قبول کر لیا، اور اس کے بدلے میں نبی کریم ﷺ کی طرف چمڑے کا تحفہ ارسال کیا جو آپ ﷺ نے بھی قبول فرمایا اور جب ان کی مومنہ بیٹی سیّدہ ام حبیبہ سے رسول کریم ﷺ نے سیّدنا عمرو بن امیہ ضمری کی وساطت سے نکاح کر لیا تو انہوں نے اپنا ردعمل ان الفاظ میں ظاہر کیا:

((ذَلِكَ الْفَحْلُ لَا مَقْدُوحٌ أَنْفُهُ .))

''وہ ایسے شریف النسل مرد ہیں، جنہیں کسی رشتے سے جواب نہیں دیا جا سکتا۔''

جب جنگ بدر میں سرداران مکہ مارے گئے تو انہوں نے کفار مکہ کی قیادت کی، اور جب رسول کریم ﷺ کے ساتھ جنگ احد لڑی اور فتح مکہ پر فوج کشی کی تو بنو ہاشم کے بزرگ سیّدنا عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم نے اپنے اس قدیم دوست کو اپنے خچر پر بٹھا کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا، اور انہوں نے وہاں اسلام قبول کر لیا، لیکن ابھی تک ایمان دل میں داخل نہ ہوا تھا۔ اس لیے جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ آپ ﷺ پر فدا ہو رہے ہیں اور آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں، تو ان کے دل میں حسد آیا اور انہوں نے دل میں سوچا کہ کاش میں اس شخص کے مقابلہ کے لیے لشکر اکٹھا کر لاتا تو فوراً رسول کریم ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا۔ ''تب اللہ تجھے رسوا کر دیتا!'' تو انہوں نے کہا: ''أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ'' اور مزید یہ کہا کہ مجھے اسی گھڑی اس بات کا یقین آیا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں، کیونکہ یہ وسوسہ ابھی تک میرے دل میں ہی تھا اور زبان پر نہ آیا تھا (کہ اللہ نے آپ کو اس سے مطلع کر دیا)۔ اس کے بعد انہوں نے سیّدنا رسول

کریم ﷺ کے سامنے تین مطالبات پیش کر دیے: ایک یہ کہ میرے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا سیکرٹری بنا لیجیے، اور دوسرے یہ کہ میرے گھر کو دارالامن قرار دیجیے، اور تیسرے یہ کہ میرے بیٹی کزۃ بنت ابی سفیان سے نکاح کر لیجئے اور اس سلسلے میں اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے بھی تعاون طلب کیا۔ آپ ﷺ نے دو مطالبات تو منظور فرمائے اور تیسرے کے متعلق فرمایا کہ وہ میرے لیے حلال نہیں، کیونکہ اس نکاح سے دونوں بہنوں نے ایک شوہر کے نکاح میں آجانا تھا اور یہ اسلام میں یہ جائز نہیں ہے۔ اس کے بعد انہوں نے جنگ حنین میں حصہ لیا اور رسول کریم ﷺ نے انہیں مال غنیمت سے بہت سا مال دیا۔

اس کے بعد انہوں نے جہاد طائف میں حصہ لیا اور اس میں ان کی ایک آنکھ شہید ہوگئی تو رسول کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: اگر آپ چاہیں تو میں اللہ سے دعا کر دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ آپ کی آنکھ صحیح سلامت کر دے گا اور اگر صبر کریں تو آپ کے لیے جنت ہے تو انہوں نے شدید تکلیف کے باوجود کہا کہ میں جنت کو پسند کرتا ہوں۔

بعد ازاں رسول کریم ﷺ نے انہیں نجران کا گورنر مقرر کر دیا اور یہ آپ کی وفات تک گورنری کے منصب پر فائز رہے اس کے بعد انہوں نے اپنے بیٹوں کے ہمراہ مرتدینِ عرب کے خلاف کامیاب جہاد میں حصہ لیا۔ چنانچہ سیّدنا ابوہریرہ دوسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((اَوَّلُ مَنْ قَتَلَ أَهْلُ الرَّدَّةِ عَلٰى إِقَامَةِ دِيْنِ اللّٰهِ أَبُوْ سِفْيَانَ بْنُ حَرَبِ .)) ❶

''اللہ کے دین کی اقامت کی خاطر مرتدین کے خلاف لڑائی کرنے میں ابو

❶ تفسیر مردویہ.

سفیان بن حرب نے پہل کی۔'' (بلکہ ایک مرتد کو بروقت قتل بھی کر دیا تھا۔)

اور جب جنگ یرموک کا میدان سجا تو انہوں نے اپنی بیوی ہندہ اور بیٹی جویریہ سمیت اس میں حصہ لیا۔ جناب سعید مخزومی کے والد سیّدنا مسیّب رضی اللہ عنہ (جنہیں بیعت رضوان کا شرف بھی حاصل ہوا تھا) فرماتے ہیں، کہ جب گھمسان کا رن پڑا اور جنگ کی چکی گھومنے لگی تو ایک آواز کے سوا باقی سب آوازیں خاموش ہو گئیں اور وہ آواز یہ تھی:

''اے اللہ کی مدد، قریب آ تو''

میں نے آواز لگانے والے شخص کی طرف دیکھا تو وہ ابوسفیان تھے، جو اپنے بیٹے یزید کے جھنڈے تلے جنگ لڑ رہے تھے۔ لہٰذا فتنہ ''ارتداد ایمان باللہ و رسولہٗ'' کی سرکوبی کے لیے ثابت قدم رہنے اور پھر بڑھاپے کی حالت میں بھی یرموک کے محاذ پر اپنے اہل خانہ سمیت جہاد میں حصہ لیا۔

یہ اس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ انہوں نے صدق دل سے ایمان قبول کیا تھا۔ اور یہ ساری زندگی اس پر قائم رہے اور اسی پر ہی فوت ہوئے تھے، اس لیے ہمیں ان کے متعلق بھی لب کشائی سے بچنا چاہیے، کیونکہ ان کے حق میں زبان درازی کرنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے کے مترادف ہے۔

ابوسفیان واقعہ فیل سے دس سال قبل پیدا ہوئے۔ رؤسائے قریش میں سے آپ تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ چونتیس کو مدینہ میں فوت ہوئے۔ جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔ آپ سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے جو کہ مفسر قرآن اور حافظ الحدیث تھے۔

(19) جناب طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ

جناب طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں قبیلہ دوس کے سردار، عرب کے

قابل ذکر اشراف اور معدودے چند اصحاب مروت میں سے تھے۔ وہ بڑے مہمان نواز اور صاحب جود وسخا آدمی تھے۔ مہمانوں کی بکثرت آمد کی وجہ سے ان کے یہاں کھانے کی دیگیں ہمیشہ چولہوں پر چڑھی رہتیں اور ان کے دروازے آنے والے مہمانوں کے استقبال کے لیے ہر وقت کھلے رہتے، وہ بھوکوں کو کھانا کھلاتے، خوف زدہ لوگوں کو امان دیتے اور پناہ طلب کرنے والوں کو اپنی پناہ میں لیتے۔ ان ساری خوبیوں کے علاوہ وہ نہایت باشعور اور زبردست ادیب، بڑے نازک خیال اور حساس شاعر اور کلام و بیان کے حسن و قبح اور صحت وسقم کی تمیز میں غیر معمولی درک رکھنے والے نقاد تھے۔

جناب طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنے قبیلہ کے علاقہ تہامہ کو چھوڑ کر مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ اور کفار قریش کے درمیان حق و باطل کی زبردست کشمکش برپا تھی۔ اور فریقین میں سے ہر ایک اپنے اور اپنی جماعت کے لیے اعوان و انصار فراہم کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھا۔ رسول اللہ ﷺ حق وانصاف کے ہتھیار سے کام لے کر لوگوں کو بندگیٔ رب کی دعوت دے رہے تھے اور کفار قریش ہر قسم کے حربے استعمال کر کے اس دعوت کی مخالفت و مزاحمت میں جٹے ہوئے تھے اور لوگوں کو اس سے باز رکھنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔

مکہ پہنچ کر جناب طفیل رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ وہ کسی تیاری کے بغیر اس معرکہ میں شامل اور بلاقصد و ارادہ اس کی موجوں میں داخل ہوتے جا رہے ہیں۔ نہ تو وہ اس مقصد سے مکہ آئے تھے نہ محمد ﷺ اور قریش کے مابین برپا اس کشمکش کا انھیں وہم وگمان ہی گزرا تھا، اس وجہ سے اس کشمکش سے وابستہ ان کی ناقابل فراموش اور عجیب و غریب داستان سننے سے تعلق رکھتی ہے۔ جناب طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ اس داستان کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’جب میں مکہ پہنچا تو مجھے دیکھتے ہی سرداروانِ قریش میری طرف لپکے اور انھوں نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ میرا استقبال کیا اور مجھے بڑی عزت و تکریم سے نوازا۔ پھر ان کے بڑے بڑے سردار اور سربرآوردہ لوگ میرے گرد جمع ہوگئے اور مجھ سے کہنے لگے ’’طفیل! تم ہمارے شہر میں آئے ہو اور یہ شخص جو اپنے آپ کو نبی (ﷺ) کہتا ہے اس نے ہمارا سارا معاملہ خراب کر کے رکھ دیا ہے اس نے ہماری جمعیت کو منتشر اور ہماری جماعت کو پراگندہ کر دیا ہے۔ ہم لوگوں کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں تم کو اور تمھاری قیادت و سرداری کو بھی وہی خطرہ نہ لاحق ہو جائے جس سے ہم لوگ دوچار ہیں۔ اس لیے تمھارے حق میں یہی بہتر ہے کہ تم نہ تو اس شخص سے کوئی بات کرنا نہ اس کی کوئی بات سننا کیوں کہ اس کی باتیں بڑی جادو اثر ہیں، اس کی زبان میں بلا کی تاثیر ہے۔ یہ شخص اپنی ان باتوں کے ذریعہ سے باپ بیٹے، بھائی بھائی اور شوہر بیوی میں تفریق کر دیتا ہے۔‘‘

جناب طفیل رضی اللہ عنہ اپنی کہانی کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں:

’’اللہ کی قسم! وہ لوگ مسلسل اس شخص کی عجیب وغریب باتیں مجھے سناتے رہے اور اس کے حیرت انگیز کارناموں سے میری ذات اور میری قوم کے متعلق مجھ کو خوفزدہ کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے اس بات کا عزم مصمم کر لیا کہ میں نہ اس شخص سے ملوں گا نہ اس سے کلام کروں گا نہ اس کی کوئی بات سنوں گا اور جب میں خانہ کعبہ کے طواف اور اس میں رکھے ہوئے ان بتوں سے برکت حاصل کرنے کے لیے مسجد حرام میں گیا جن کی ہم تعظیم وتوقیر کرتے تھے تو اس خوف سے کہ کہیں محمد ﷺ کی کوئی بات

میرے کانوں میں نہ پڑ جائے، میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی۔ مسجد میں داخل ہوا تو میں نے محمد ﷺ کو کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں مشغول پایا۔ ان کا طریقہ عبادت ہمارے طریقہ عبادت سے مختلف تھا۔ وہ منظر مجھے بہت اچھا لگا اور ان کے عبادت کے اس طریقہ کو دیکھ کر میں فرطِ مسرت سے جھوم اُٹھا اور غیر ارادی طور پر بتدریج ان سے قریب ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ ان کے بالکل نزدیک پہنچ گیا اور اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ ان کی زبان سے نکلنے والے کچھ الفاظ میرے کانوں تک پہنچیں۔ چنانچہ میں نے ان سے ایک بہترین کلام سنا اور اپنے دل میں کہا۔ طفیل! تمھاری ماں تمھارے سوگ میں بیٹھے۔ تم ایک سمجھ دار اور صاحب بصیرت شاعر ہو، کلام کا حسن و قبح تم پر مخفی نہیں ہے۔ آخر اس شخص کی باتیں سننے میں کیا چیز تمھارے آڑے آرہی ہے۔ اگر اس کی باتیں اچھی ہوں گی تو قبول کر لینا اور اگر بُری ہوں گی تو انھیں چھوڑ دینا۔''

جناب طفیل رضی اللہ عنہ کہانی کی اگلی کڑی اس سے جوڑتے ہوئے کہتے ہیں:

''یہ سوچ کر میں وہیں رُک گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر اپنے گھر کی طرف لوٹے تو میں بھی ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا اور جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو میں بھی ان کے پیچھے اندر چلا گیا اور ان سے کہا کہ ''اے محمد (ﷺ)! آپ (ﷺ) کی قوم کے لوگوں نے مجھ کو آپ (ﷺ) سے دور رکھنے کے لیے آپ (ﷺ) کے متعلق مجھ سے بہت سی ایسی باتیں کہی ہیں، وہ مسلسل مجھ کو آپ ﷺ کے دین سے ڈراتے رہے حتیٰ کہ میں نے آپ ﷺ کی باتیں نہ سننے کا پختہ ارادہ کر لیا اور اپنے

کان روئی سے بند کر لیے تا کہ کہیں آپ ﷺ کی کوئی بات میرے کانوں میں نہ پڑ جائے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی کہ اس نے مجھے آپ ﷺ کی باتیں سنائیں اور وہ مجھے بہت پسند آئیں۔ آپ ﷺ اپنا دین مجھے بتایئے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت میرے سامنے پیش کی اور مجھے دو سورتیں، سورۂ اخلاص اور سورۂ فلق پڑھ کر سنائیں۔ اللہ کی قسم! اس سے پہلے میں نے اس کلام سے بہتر کوئی کلام نہیں سنا تھا نہ ان کی باتوں سے بہتر کوئی بات دیکھی تھی۔ میں نے اسی وقت اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔''[1]

جناب طفیل رضی اللہ عنہ اب داستان کے اس موڑ سے آگے بڑھتے ہیں:

''پھر میں بہت دنوں تک مکے میں ٹھہرا رہا۔ اس مدت میں، مَیں نے اسلام کی تعلیمات کو حاصل کیا اور جتنا ممکن ہوا قرآن حفظ کیا۔ پھر جب میں نے اپنے قبیلے کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! میں اپنی قوم کا سردار ہوں۔ وہاں میری باتیں مانی جاتی ہیں، اب میں واپس جا کر انھیں اسلام کی دعوت دینا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ مجھے کوئی ایسی نشانی عطا فرما دے جو میری دعوت کے لیے مدد و معاون ثابت ہو۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: ((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَهُ اٰيَةً .))

''اے اللہ! طفیل (رضی اللہ عنہ) کو کوئی نشانی مرحمت فرما دے۔''

اس کے بعد میں اپنے قبیلے کی طرف چل پڑا، یہاں تک کہ جب میں ان کی بستی

[1] رحمۃ للعالمین: 112/1، سیرت النبی از ابن کثیر: 360/1۔361.

کے قریب ایک اونچی جگہ پہنچا تو میری دونوں آنکھوں کے درمیان چراغ جیسی ایک روشنی پیدا ہوگئی۔ یہ دیکھ کر میں نے دعا کی کہ اے اللہ! اس کو چہرے کے علاوہ کسی دوسری جگہ منتقل کر دے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ اس کو دیکھ کر سمجھیں گے کہ یہ کوئی سزا ہے جو مجھے اپنے آباء واجداد کا دین چھوڑنے کے جرم میں ملی ہے۔ تب وہ روشنی وہاں سے منتقل ہوکر میری لاٹھی کے سرے پر آ گئی اور جب میں پہاڑ کی بلندی سے نیچے اُتر رہا تھا تو میری لاٹھی کے سرے پر چمکتی ہوئی وہ روشنی لوگوں کو ایک معلق قندیل کی طرح نظر آرہی تھی۔ جب نیچے اُتر کر اپنے قبیلے میں پہنچا تو میرے والد صاحب جو بہت ضعیف ہو چکے تھے۔ میرے پاس آئے میں نے ان سے کہا کہ ''ابا! مجھ سے پرے ہٹیے، اب آپ سے میرا کوئی تعلق نہیں رہا۔ نہ میں آپ کا ہوں نہ آپ میرے۔''

''بیٹے! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' والد صاحب نے کہا۔

''میں مسلمان ہو چکا ہوں اور میں نے محمد ﷺ کے دین کی پیروی اختیار کر لی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

بیٹے! تم نے جو دین اختیار کیا ہے میں بھی اس کو اپناتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا۔

تب آپ جا کر پہلے غسل کیجیے اور اپنے کپڑے پاک کر کے تشریف لائیے تاکہ میں آپ کو وہ دین سکھادوں جس کو میں نے اختیار کیا ہے۔ میں نے عرض کیا۔

پھر وہ اُٹھے، جا کر غسل کیا اور اپنے کپڑے پاک کر کے میرے پاس آئے۔ میں نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی اور انھوں نے بخوشی اسے قبول کرلیا۔

پھر میری بیوی میرے پاس آئی۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھ سے دور رہو۔ اب میرا اور تمھارا کوئی تعلق نہیں۔

میرے والدین آپ (رضی اللہ عنہ) پر فدا ہوں، یہ کیوں؟ اس نے بڑی حیرت سے

پوچھا۔ میں نے کہا کہ اسلام نے میرے اور تمھارے درمیان جدائی کی وسیع خلیج حائل کر دی ہے میں نے اسلام قبول کر کے دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کر لی ہے۔

اس نے کہا کہ جو دین آپ (رضی اللہ عنہ) کا ہے وہی دین میرا بھی ہے۔

میں نے اس سے کہا کہ جاؤ، جا کر ذوشریٰ کے چشمے میں غسل کر کے پاک ہولو۔ (ذوشریٰ قبیلۂ دوس کے بت کا نام تھا جس کے پاس وہ چشمہ تھا جو پہاڑ کی بلندی سے گرتا تھا)۔ اس نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ (رضی اللہ عنہ) پر قربان ہوں۔ کیا آپ (رضی اللہ عنہ) کو ذوشریٰ کی طرف سے بچوں کو کسی نقصان کا اندیشہ ہے کہ مجھے اس چشمے میں غسل کرنے کے لیے بھیج رہے ہیں؟ میں نے کہا کہ تباہی ہو تمھارے اور ذوشریٰ کے لیے، میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ لوگوں کی نظروں سے دور جا کر وہاں غسل کرلو، میں تم کو اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ وہ حقیر و بے جان پتھر ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

اس کے بعد وہ گئی، غسل کیا اور پھر میرے پاس آئی تو میں نے اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جس کو اس نے بلا چون و چرا قبول کر لیا۔[1] پھر میں نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، مگر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سوا سب نے اس کو قبول کرنے میں دیر کی۔ جناب طفیل رضی اللہ عنہ اس دلچسپ کہانی کو نئے موڑ پر لاتے ہیں۔

پھر میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مکہ آیا۔ جب بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔

طفیل (رضی اللہ عنہ)! تمھارے پیچھے تمھارے قبیلے کا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ان کے دلوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں جو حق کے دیدار میں مانع ہیں۔ وہ لوگ کفر شدید میں مبتلا ہیں۔ ان کے اوپر سرکشی اور نافرمانی کی کیفیت مسلط ہے۔ یہ سن کر

---

[1] الرحیق المختوم، ص: 92-193، سیرت النبی از ابن کثیر: 361/1۔362.

رسول اللہ ﷺ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر آپ ﷺ نے وضو کیا اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا دیے۔

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو اس حالت میں دیکھ کر مجھے اندیشہ لاحق ہوا کہ آپ ﷺ میرے قبیلے والوں کے حق میں بددعا فرمائیں گے اور وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ تو بے ساختہ میری زبان سے نکل گیا: آہ میری قوم!

لیکن رسول اللہ ﷺ بددعا کرنے کے بجائے فرما رہے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا، اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا، اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا.))

''اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت دے، اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت دے، اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت دے۔'' [1]

پھر آپ ﷺ نے طفیل (رضی اللہ عنہ) کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا کہ اپنے قبیلہ میں جاؤ ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرو۔

پھر میں مستقل طور پر قبیلہ دوس کے علاقے میں رہ کر انھیں اسلام کی طرف دعوت دیتا رہا حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور یکے بعد دیگرے بدر، اُحد اور خندق کے معرکے گزر گئے اور جب میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت میرے ساتھ قبیلہ دوس کے اُسی گھرانے تھے جو اسلام قبول کر کے اس کی تعلیمات سے آراستہ ہو چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں سے مل کر بہت خوش ہوئے اور مسلمانوں کے ساتھ خیبر کے مالِ غنیمت میں سے ہم لوگوں کو بھی حصہ عنایت فرمایا۔ ہم نے عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ ہم لوگوں کو ہر غزوہ میں اپنے لشکر کے میمنہ پر مقرر فرمائیے اور ہمارا شعار ''مبرور'' مقرر فرما دیجیے۔

[1] صحيح البخاري، كتاب المغازي، رقم: 4392.

جناب طفیل رضی اللہ عنہ اپنی داستان کے آخری حصے کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس کے بعد میں برابر رسول کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مکے پر فتح عنایت فرمائی۔ فتح مکہ کے بعد میں نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ مجھے عمرو بن حممہ کے بت ذوالکفین کو جلانے کی مہم پر بھیج دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس کی اجازت دے دی۔ میں اپنے قبیلے کا ایک دستہ لے کر روانہ ہوا جب اس کے پاس پہنچ کر اسے نذرآتش کرنا چاہا تو بہت سے مرد، عورتیں اور بچے میرے گرد جمع ہو گئے۔ وہ اس بات کے منتظر تھے کہ اگر میں نے ذوالکفین کو کوئی نقصان پہنچایا تو آسمان سے بجلی گر کر مجھے ہلاک کر دے گی۔ لیکن میں اس کے پرستاروں کے سامنے ہی اس کی طرف بڑھا اور یہ کہتے ہوئے اس کو نذرآتش کر دیا:

یا ذوالکفین لست من عبادکا
میلادنا اقدم من میلادکا
انی حشوت النار فی فوادکا

''ذوالکفین! میں تیرے پرستاروں میں سے نہیں۔ ہماری پیدائش تیری پیدائش سے مقدم ہے۔ میں نے تیرے دل میں آگ بھر دی ہے۔''

اور اس بات کے آگ میں بھسم ہو جانے کے ساتھ ہی قبیلہ دوس میں شرک کے باقی ماندہ آثار بھی جل کر خاکستر ہو گئے اور پورا قبیلہ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔[1]

جناب طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ اس کے بعد ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے اور جب آپ ﷺ کے رفیق

[1] سیرت النبی از امام ابن کثیر: 362/1.

جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو جناب طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو اپنی تلوار کو اور اپنے لڑکے کو خلیفہ کی اطاعت کے لیے وقف کر دیا اور جب مرتدین اور مدعیان نبوت کے ساتھ جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا تو جناب طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ مسیلمہ کذاب سے جنگ کے لیے جانے والی فوج کے ہراول میں شامل ہو گئے۔ یمامہ جاتے ہوئے راستے میں انھوں نے ایک خواب دیکھا۔ انھوں نے اپنے رفقاء سفر سے کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔تم اس کی تعبیر بیان کرو۔ ساتھیوں نے خواب کی تفصیل دریافت کیا۔ انھوں نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ میرا سر مونڈ دیا گیا ہے، میرے منہ سے ایک پرندہ نکلا، ایک عورت نے مجھے اپنے پیٹ میں داخل کرلیا اور یہ کہ میرا بیٹا عمرو بڑی تیزی سے میرے پیچھے آ رہا ہے مگر میرے اور اس کے درمیان ایک رکاوٹ کھڑی کر دی گئی اور وہ میرے ساتھ اس میں داخل ہونے سے رہ گیا۔

ساتھیوں نے کہا آپ رضی اللہ عنہ کا یہ خواب بہت اچھا ہے۔ جناب طفیل رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے اپنے طور پر اس خواب کی یہ تعبیر کی ہے:

> ''سر مونڈے جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کاٹا جائے گا اور پرندہ جو منہ کے راستے سے نکلا تو اس سے مراد میری روح ہے اور عورت جس نے مجھے اپنے پیٹ میں داخل کیا اس سے مراد میری قبر ہے جس میں مَیں دفن کیا جاؤں گا اُمید ہے کہ مجھے شہادت نصیب ہوگی اور میرے بیٹے کے میرا پیچھا کرنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ بھی شہادت کی طلب میں میرا ساتھ دے گا مگر وہ اسے کچھ دنوں کے بعد حاصل کرلے گا۔''

معرکۂ یمامہ میں صحابی جلیل جناب طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے زبردست دادشجاعت دی یہاں تک کہ وہ زخمی ہو کر گر گئے اور زخموں کی تاب نہ لا کر نعمت شہادت سے بہرہ ور

ہوئے مگر ان کے صاحبزادے عمرو بن طفیل رضی اللہ عنہ برابر جنگ میں مصروف رہے یہاں تک کہ زخموں سے نڈھال ہوگئے۔ ان کا دایاں ہاتھ کٹ کر گر گیا اور وہ اپنے والد اور اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کو یمامہ کی سرزمین پر چھوڑ کر مدینہ واپس آگئے۔

جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک بار جناب عمرو بن طفیل رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ اسی وقت جناب عمر رضی اللہ عنہ کے لیے کھانا لایا گیا۔ مجلس میں کچھ اور لوگ بھی ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے سب کو کھانے کے لیے بلایا، مگر جناب عمرو بن طفیل رضی اللہ عنہ کھانے میں شریک نہیں ہوئے، وہ کنارے ہٹ گئے تھے، جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے تم کھانے میں شریک کیوں نہیں ہوئے؟ شاید تم اپنے کٹے ہوئے ہاتھ پر ندامت محسوس کر رہے ہو اور کھانے میں شریک ہونے سے جھجکتے ہو۔ انھوں نے کہا: ''جی ہاں امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ! یہ سن کر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم! جب تک تم اپنا کٹا ہوا ہاتھ اس کھانے میں نہیں ڈالو گے میں اس کو چکھ نہیں سکتا۔ اللہ کی قسم! اہل مجلس میں تمھارے سوا کوئی نہیں جس کا کوئی عضو جنت میں داخل ہو۔

جناب عمرو بن طفیل رضی اللہ عنہ جب سے اپنے والد محترم سے جدا ہوئے تھے، برابر اس خواب کی عملی تعبیر کی جستجو میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ جب جنگ یرموک کا موقع آیا تو اس میں بڑے شوق سے شریک ہوئے اور بڑی دلیری سے لڑے یہاں تک کہ دولت شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے۔ وہ شہید ہیں اور شہید کے باپ ہیں۔

(20) جناب عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ

آسمان رسالت کے درخشندہ ستارے کا نام عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ ہے۔

بادشاہ ایران کسریٰ کے ساتھ ان کی ملاقات کا قصہ 6ھ سے تعلق رکھتا ہے۔ جب نبی کریم ﷺ نے اپنے کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعہ سے شاہان عجم کے پاس دعوتی خطوط ارسال فرمائے اور ان خطوط کے ذریعے سے انھیں اسلام کی دعوت دینے کا ارادہ کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس مہم کے دوران میں پیش آنے والے خطرات کا پورا پورا اندازہ تھا۔ کیوں کہ ان قاصدوں کو ایسے دور دراز علاقوں میں جانا تھا جن سے اس سے پہلے ان کو کوئی سابقہ نہیں پیش آیا تھا۔ مزید برآں یہ کہ وہ ان علاقوں کی زبانوں سے نابلد اور ان حکمرانوں کے مزاج سے بالکل ناواقف تھے، پھر اس پر طرہ یہ کہ انھیں ان کو اپنے سابقہ ادیان کو ترک کرنے، اپنے اقتدار وحکومت کے منصب سے الگ ہو جانے اور ایک ایسی قوم کے دین میں داخل ہونے کی دعوت دینی تھی جو ماضی قریب میں ان کے ماتحت رہ چکی تھی۔ یقیناً یہ ایک نہایت پرخطر سفر تھا جس پر روانہ ہونا موت کے منہ میں جانے اور اس سے زندہ سلامت واپس آنا نیا جنم پانے کے مترادف تھا۔ اس مہم کے متوقع خطرات کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مشورہ کے لیے جمع کیا اور ان کے سامنے خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: ''میں تم سے کچھ لوگوں کو شاہان عجم کے یہاں سفارت پر بھیجنا چاہتا ہوں۔ تم لوگ اس میں مجھ سے اختلاف نہ کرنا جیسا کہ بنی اسرائیل نے عیسیٰ علیہ السلام سے اختلاف کیا تھا۔

جواب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

اللہ کے رسول! آپ ﷺ ہم کو جہاں چاہیں بھیج دیں۔ ہم آپ ﷺ کا ہر پیغام خوشی خوشی پہنچانے کے لیے تیار ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ملوک عرب اور شاہان عجم کے پاس اپنے خطوط پہنچانے کے

لیے چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو طلب فرمایا۔ ان میں ایک جناب عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انھیں بادشاہ ایران کسریٰ کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچانے کے لیے منتخب کیا گیا۔ ❶

جناب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اونٹنی کو سواری کے لیے تیار کیا۔ بیوی بچوں سے رخصت ہوئے اور تن تنہا اپنی منزل مقصود کا رخ کیا وہ راستے کے نشیب وفراز کو طے کرتے اور مصائب سفر کو برداشت کرتے ہوئے ایران پہنچے تو درباریوں سے کسریٰ کے ساتھ ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا اور ان کو اس خط سے بھی آگاہ کر دیا جسے وہ بادشاہ کے لیے لے کر آئے تھے۔ کسریٰ کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے اپنے دربار کی تزئین و آرائش کا حکم دیا اور اپنے تمام بڑے بڑے افسروں کو دربار میں حاضری کے لیے ہدایت کی۔ ساری تیاریاں مکمل ہو گئیں تو اس نے جناب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو دربار میں طلب کیا۔ اس وقت ان کے جسم پر ہلکا سا کمبل اور معمولی سی عبا تھی اور ان کے حلیہ سے بدوی عربوں کی سادگی کا اظہار ہو رہا تھا۔ لیکن ان کا سر بہت بڑا اور قد کافی لمبا تھا اور ان کے سینے میں عظمت اسلام اور دل میں عزت اسلام کی آتش جوالہ شعلہ زن تھی۔ کسریٰ نے ان کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو ایک درباری کو اشارہ کیا کہ وہ خط ان کے ہاتھ سے لے لے۔ مگر جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ میں یہ خط اپنے ہاتھ سے آپ کے حوالے کروں اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ کسریٰ نے درباریوں سے کہا کہ چھوڑ دو، اس کو میرے پاس آنے دو۔ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کسریٰ کے قریب جا کر خط اس کے سپرد کر دیا۔ اس نے اپنے عرب سیکرٹری کو بلایا (جو حیرہ کا باشندہ تھا) اور اسے اپنے سامنے خط

❶ صحيح البخاري، كتاب المغازي، رقم: 4424.

کھولنے اور اس کو پڑھنے کا حکم دیا۔ اس نے خط کھول کر پڑھنا شروع کیا:

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

من محمد رسول اللّٰہ الی کسریٰ عظیم فارس سلام علی من اتبع الھدی . [1]

''اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے شاہ ایران کسریٰ کو، سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے.....''

خط کا اتنا حصہ سنتے ہی اس کے سینے میں غیظ وغضب کی آگ بھڑک اُٹھی، اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور گردن کی رگیں تن گئیں۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے خط کا آغاز اپنے نام سے کیا تھا۔ اس نے سیکرٹری کے ہاتھ سے خط جھپٹ لیا۔ اور اس کے مندرجات کو جانے بغیر اسے پرزہ پرزہ کرتے ہوئے چیخ اُٹھا ''میرا غلام اور مجھے اس طرح خط لکھ رہا ہے۔'' پھر اس نے جناب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو دربار سے نکال باہر کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہاں سے نکال دیے گئے۔ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ دربار سے نکلے تو انھیں کچھ پتہ نہیں تھا کہ اب اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہے؟ وہ قتل کر دیے جائیں گے یا انھیں آزاد چھوڑ دیا جائے گا؟ لیکن پھر انھوں نے اپنے دل میں کہا:

''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کا خط پہنچانے کے بعد اب میرا جو بھی حشر ہو مجھے اس کی قطعی کوئی پرواہ نہیں۔''

ادھر جب کسریٰ کا غصہ فرو ہوا تو اس نے جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دوبارہ اپنے سامنے پیش کیے جانے کا حکم دیا لیکن وہ نہیں ملے۔ اس کے آدمیوں نے بہتیرا تلاش کیا مگر ان کا کوئی سراغ نہ ملا۔ ان لوگوں نے جزیرۂ عرب تک جانے والے تمام راستوں

[1] سیرۃ النبی مؤلفہ امام ابن کثیر: 2/354۔ 355.

کو چھان مارا مگر وہ ان کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔

جب جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ جناب رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے کسریٰ کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کی مکمل روداد آپ ﷺ کے گوش گزار کر دی اور خط پھاڑنے کے واقعے سے بھی آپ ﷺ کو آگاہ کیا۔ ان کی پوری سرگزشت سن کر آپ ﷺ نے صرف اتنا فرمایا:

"مَزَّقَ اللّٰهُ مُلْكَهُ." "اللہ تعالیٰ اس کی سلطنت کو پارہ پارہ کردے۔"[1]

ادھر کسریٰ نے اپنے یمن کے گورنر باذان کو لکھا کہ اس شخص کے پاس جس نے حجاز میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اپنے دو قوی اور بہادر آدمیوں کو بھیجو اور انھیں حکم دو کہ اسے پکڑ لائیں اور میرے سامنے پیش کریں۔ حسب حکم باذان نے اپنے دو بہترین آدمی رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ کیے اور ان دونوں کے ہاتھ آپ ﷺ کو ایک خط بھی بھیجا جس میں اس نے لکھا کہ "آپ بلا تاخیر ان کے ساتھ کسریٰ کے سامنے پیش ہونے کے لیے چلے آئیں۔" اس نے ان دونوں سے یہ بھی کہا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے حالات سے مکمل آگاہی حاصل کریں اور ان کے متعلق مفصل معلومات فراہم کر کے اس کو آگاہ کردیں۔

وہ دونوں پیہم اور تیز رفتاری کے ساتھ مراحل سفر طے کرتے ہوئے طائف پہنچے۔ وہاں ان کی ملاقات قریش کے ایک تجارتی قافلے سے ہوئی۔ ان سے محمد ﷺ کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ یثرب میں ہیں۔ اس کے بعد تاجر خوش وخرم اور شاداں وفرحاں مکہ پہنچے اور انھوں نے قریش کو خوشخبری دیتے ہوئے کہا کہ "یہ بات تمھارے لیے بڑی خوش کن اور مسرت انگیز ہے کہ "کسریٰ" محمد (ﷺ) کے درپے

[1] الرحیق المختوم، ص: 481-482، سیرت النبی مؤلفہ امام ابن کثیر: 355/2.

آزاد ہو گیا ہے اور اس نے تمھیں اس کے شر سے بچالیا ہے۔''ادھر ان دونوں نے مدینہ کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر نبی کریم ﷺ سے ملے اور باذان کا خط آپ ﷺ کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ:

''کسریٰ نے اپنے حاکم باذان کو ہدایت کی ہے کہ وہ آپ (ﷺ) کو لانے کے لیے کسی کو بھیجے۔ چنانچہ ہم اسی لیے آئے ہیں کہ آپ (ﷺ) ہمارے ساتھ چلیں، اگر آپ (ﷺ) ہماری بات مان لیں تو ہم کسریٰ سے بات کر کے آپ (ﷺ) کے لیے رعایت حاصل کریں گے اور آپ (ﷺ) کو اس کی طرف پہنچنے والی ہر متوقع تکلیف اور اذیت سے بچالیں گے۔ لیکن اگر آپ (ﷺ) نے ہماری بات ماننے سے انکار کیا تو آپ (ﷺ) خود اس کی قوت وسطوت سے بخوبی واقف ہیں۔ آپ (ﷺ) یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ آپ (ﷺ) کو اور آپ (ﷺ) کی پوری قوم کو تباہ و برباد کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ باتیں سن کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ:

''آج تو تم لوگ اپنی قیام گاہ پر واپس جاؤ، کل پھر آنا'' جب دوسرے دن وہ دونوں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ ''کیا آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ چلنے اور کسریٰ سے ملنے کے لیے خود کو تیار کر لیا ہے؟'' تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ''آج کے بعد تم کسریٰ سے نہیں مل سکو گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بیٹے ''شیرویہ'' کو فلاں مہینے کی فلاں رات اس کے اوپر مسلط کر کے اسے ہلاک کر دیا ہے۔''

یہ سنا تو ان کے چہروں پر دہشت و حیرانی کے آثار ظاہر ہوئے اور وہ ٹکٹکی باندھ کر

آپ ﷺ کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر وہ اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے بولے:

''جانتے ہیں آپ (ﷺ) یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا یہ بات ہم باذان کو لکھ دیں؟''

''ہاں! اور اس کو یہ بھی لکھ دینا کہ میرا دین کسریٰ کی سلطنت کے آخری حدود تک پہنچے گا اور اسے یہ بھی لکھ دو کہ اگر تم اسلام قبول کرلو تو میں تمھارا یہ سارا زیرِ حکومت علاقہ تمھارے سپرد کرکے تم کو تمھاری قوم کا حکمران بنادوں گا۔'' آپ ﷺ نے جواب دیا۔

اس کے بعد وہ دونوں آپ ﷺ سے رخصت ہوکر باذان کے پاس پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی خبر سے اس کو مطلع کیا۔ باذان نے کہا کہ اگر محمد ﷺ کی یہ بات درست ہے تو یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کے نبی (ﷺ) ہیں اور اگر ایسا نہیں تو سوچوں گا کہ مجھے ان کے ساتھ کیا رویہ اپنانا چاہیے۔'' پھر اس کے چند ہی روز بعد ''شیرویہ'' کا خط باذان کے پاس پہنچا، جس میں اس نے لکھا تھا:

''میں نے کسریٰ کو قتل کر دیا ہے۔ میں نے اس کو اپنی قوم کے انتقام میں قتل کیا ہے۔ اس نے ہماری قوم کے اشراف کو قتل کرنا، ان کی عورتوں کو کنیز بنانا اور ان کے اموال کو غصب کرنا اپنا شیوہ بنالیا تھا۔ جب میرا یہ خط تمھارے پاس پہنچے تو اپنے پاس موجود تمام لوگوں سے میری اطاعت و فرمانبرداری کا عہد لے لو۔''

باذان نے اس خط کو پڑھتے ہی ایک طرف پھینک کر اپنے دخول اسلام کا اعلان کر دیا اور اس کے ساتھ ہی یمن میں رہنے والے سارے ایرانیوں نے اسلام قبول کرلیا۔ [1]

---

[1] الرحیق المختوم، ص: 482-483، رحمت للعالمین: 1/226۔227.

یہ کہانی تو تھی جناب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی کسریٰ شاہ ایران کے ساتھ ملاقات کی ! رہی قیصر روم سے ان کی ملاقات کی کہانی ! تو وہ یہ ہے۔ قیصر روم کے ساتھ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات، خلیفہ ثانی جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوئی تھی۔ ان کی ملاقات کا یہ قصہ بھی حد درجہ دلچسپ اور نہایت حیرت انگیز ہے۔

امیر المؤمنین جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تیرہ (13) ہجری میں رومیوں سے جنگ کرنے کے لیے ایک فوج روانہ کی تھی جس میں جناب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔ مسلم مجاہدین کی صداقت ایمانی عقیدہ کی پختگی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان کی جانبازی و جاں نثاری کی خبریں قیصر روم تک پہلے سے پہنچی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنے فوجی افسروں کو اس بات کی ہدایت کر دی تھی کہ وہ اگر کسی مسلم سپاہی کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو اسے قتل نہ کریں بلکہ زندہ اس کے سامنے پیش کریں۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی ! اتفاق سے جناب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ رومی فوجیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے، رومی انھیں بادشاہ کے پاس لائے اور یہ کہتے ہوئے اس کے سامنے پیش کیا کہ ''یہ شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اصحاب (رضی اللہ عنہم) میں سے ہے جنھوں نے بالکل آغاز دعوت کے زمانے میں ان کی پکار پر لبیک کہا تھا۔ ہم اس کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے اور حسب حکم آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔''

قیصر انھیں دیر تک بغور دیکھتا رہا۔ پھر ان سے کہنے لگا:

''میں تمھارے سامنے ایک بات پیش کر رہا ہوں۔''

''وہ کیا بات ہے؟'' جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''تم نصرانیت قبول کرلو۔ اگر تم نے میری بات مان لی تو میں تمھیں رہا کر دوں گا اور تمھارے ساتھ عزت و تکریم کا بہترین سلوک کروں گا۔''

جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کی اس پیش کش کو نفرت و حقارت سے ٹھکرا دیا اور حد درجہ حزم و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا:

''یہ ناممکن ہے۔ موت مجھے تمھاری اس پیش کش سے ہزاروں گنا زیادہ محبوب ہے۔''

''میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ایک نہایت زیرک و دانا آدمی ہو۔ اگر تم میری یہ پیش کش قبول کر لو تو میں تمھیں اپنے اقتدار میں شریک کر لوں گا۔''

بادشاہ کی اس سطحی پیش کش کو سن کر بوجھل زنجیروں میں جکڑا ہوا قیدی بے ساختہ مسکرا پڑا اور اس نے نہایت بے نیازی اور لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا:

''اللہ کی قسم! اگر تم عرب و عجم کی ساری سلطنت بھی مجھے دے دو اور اس کے بدلہ میں صرف یہ چاہو کہ میں ایک لمحے کے لیے دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر جاؤں تو یہ بھی میرے لیے قطعاً ناقابل قبول ہے۔''

''تب میں تم کو قتل کر دوں گا۔'' قیصر نے دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

''تمھاری مرضی، جو چاہو کرو۔'' جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کی دھمکی سے مرعوب ہوئے بغیر جواب دیا۔

پھر قیصر نے انھیں ٹکٹکی پر باندھنے کا حکم دیا۔ اس کے اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور انھیں ٹکٹکی پر باندھ دیا گیا۔ اس کے بعد اس نے جلاد سے رومی زبان میں کہا کہ ''اس کے دونوں ہاتھوں کے آس پاس تیر چلاؤ، (وہ اس وقت بھی انھیں نصرانیت قبول کرنے کی دعوت دے رہا تھا) مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ پھر اس نے جلاد کو ان کے پاؤں کے اردگرد تیر مارنے کا حکم دیا۔ (اس دوران میں بھی وہ انھیں اپنا دین چھوڑنے کی دعوت دیتا رہا لیکن انھوں نے پھر بھی انکار کیا) تب قیصر نے جلاد کو رُک جانے کا اشارہ کیا اور

کہا کہ اسے تختہ دار سے نیچے اُتار دو۔ پھر اس نے ایک بڑی سی دیگ منگوائی اس میں تیل ڈلوایا اور اسے آگ پر رکھوا دیا۔ جب تیل کھولنے لگا تو اس نے مسلم قیدیوں میں سے دو آدمیوں کو بلوایا اور ان میں سے ایک کو کھولتے ہوئے تیل میں ڈلوادیا۔ اس میں پڑتے ہی اس کے بدن کا گوشت الگ ہو گیا اور ہڈیاں نظر آنے لگیں۔ قیصر نے جناب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی طرف رخ کرتے ہوئے پھر ان کو نصرانیت قبول کرنے کی دعوت دی۔ مگر انھوں نے پہلے سے بھی زیادہ سختی کے ساتھ اس کی دعوت کو رد کر دیا۔

جب وہ ان سے بالکل مایوس ہو گیا تو انھیں بھی اسی دیگ میں ڈالنے کا حکم دیا جس میں ان کے دونوں ساتھیوں کو ڈالا گیا۔ جب انھیں کشاں کشاں دیگ کی طرف لے جایا جا رہا تھا، ان کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں۔ سپاہیوں نے قیصر سے کہا کہ یہ رو رہا ہے۔ قیصر نے سمجھا کہ اب ان کی ہمت جواب دے گئی ہے۔ اس نے سپاہیوں سے کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ جب جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ اس کے پاس پہنچے تو اس نے پھر اس خواہش کا اعادہ کیا کہ وہ نصرانیت اختیار کر لیں مگر جب انھوں نے انکار کر دیا تو اس نے دریافت کیا کہ پھر تم رو کیوں رہے تھے؟

''میرے دل میں یہ خیال آیا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ! اس وقت تم اس دیگ میں ڈال دیے جاؤ گے اور تمھاری جان نکل جائے گی، حالانکہ میری خواہش تھی کہ کاش میرے بدن میں اتنی ہی جانیں ہوتیں جتنے بال ہیں اور وہ تمام جانیں ایک ایک کر کے اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے اس دیگ میں ڈالی جاتیں۔ اسی خیال پر مجھے رونا آ گیا۔'' جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

''اچھا کیا تم میرے سر کو بوسہ دے سکتے ہو؟'' ہرقل نے پوچھا ''اگر تم ایسا کرو تو میں تم کو رہا کر دوں گا۔''

اور میرے دوسرے تمام مسلمان ساتھیوں کو بھی؟'' جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا۔
''ہاں! دوسرے تمام مسلمان قیدیوں کو بھی تمھارے ساتھ رہا کر دیا جائے گا۔''
قیصر نے جواب دیا۔ جناب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دل میں سوچا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اگر میں اس کے سر کو بوسہ دے دوں تو یہ اس کے بدلہ میں مجھے اور تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کر دے گا ایسا کر لینے میں میرا کیا نقصان ہے؟'' پھر انھوں نے قریب جا کر اس کے سر کو بوسہ لے لیا اور ہرقل نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ تم مسلمان قیدی جمع کر کے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیے جائیں اور اس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔

جناب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ خلیفہ کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے اپنی یہ سرگزشت ان کو سنائی، جس کو سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور قیدیوں کو دیکھا تو فرمایا کہ ''ہر مسلمان پر یہ حق ہے کہ وہ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے سر کو بوسہ دے اور یہ حق سب سے پہلے میں ادا کر رہا ہوں۔'' اور پھر انھوں نے جناب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے سر کو بوسہ دیا۔

(21) جناب ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ (6) ہجری میں دعوت دین کے دائرے کو وسیع کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب و عجم کے حکمرانوں کو آٹھ دعوتی خطوط لکھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن حکمرانوں کے پاس یہ خطوط ارسال فرمائے تھے، ان میں سے ایک ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ بھی تھا۔ ثمامہ رضی اللہ عنہ کو اہم حکمرانوں میں شامل کرنا اور اس کے یہاں دعوتی خطوط روانہ کرنا حیرت انگیز اور قابل تعجب اس لیے نہیں تھا کہ وہ نہایت بااثر اور اہم شخصیت کا مالک تھا۔ وہ دورِ جاہلیت میں عرب کا ایک حکمران، بنو حنیفہ کا

ایک سر برآوردہ رئیس اور علاقہ یمامہ کے ان بادشاہوں میں سے تھا جن کی کوئی بات ٹھکرائی نہیں جاتی۔

جب ثمامہ رضی اللہ عنہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا تو اس نے اس کے ساتھ نہایت توہین آمیز اور غیر ذمہ دارانہ رویہ اپنایا۔ جھوٹے پندار اور جاہلانہ غرور نے اس کو گناہ پر جما دیا اور اس نے دعوت حق سے اپنے کان بند کر لیے۔ پھر شیطان اس پر سوار ہو گیا اور برابر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے ان کی دعوت کو نیست و نابود کر دینے پر انگیختہ کرتا رہا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے خبری کی حالت میں اچانک حملہ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کر دینا چاہتا تھا اور اپنے اس ناپاک منصوبے کی تکمیل کے لیے وہ کسی مناسب موقع کا انتظار کرنے لگا اگر اس کے چچا نے عین وقت پر اس کو اس منصوبے پر عمل کرنے سے روک نہ دیا ہوتا تو اس کا یہ گھناؤنا جرم شاید پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہوتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے شر سے محفوظ رکھا۔ ثمامہ رضی اللہ عنہ اگرچہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ قتل سے باز آ گیا، لیکن وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو قتل کرنے کے ارادے سے دست بردار نہیں ہوا۔ وہ برابر ان کی تاک میں لگا رہا۔ آخر کار وہ چند صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا اور ان کو نہایت دردناک طریقے سے قتل کر ڈالا۔ اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس بات کا اعلان فرما دیا کہ وہ جہاں کہیں ملے، قتل کر دیا جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے قتل اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان کے کچھ ہی دنوں بعد ثمامہ رضی اللہ عنہ نے عمرہ ادا کرنے کا ارادہ کیا اور اس ارادے سے وہ اپنے علاقے یمامہ سے مکہ کی سمت روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر وہ کعبہ کا طواف اور اس میں رکھے ہوئے بتوں کے لیے قربانی کا ارادہ رکھتا تھا۔ لیکن اپنے اس سفر کے دوران میں وہ مدینہ کے قریب ایک راستے سے گزرتے ہوئے اچانک ایک ایسی آفت میں

پھنس گیا جس کا اسے وہم وگمان تک نہیں تھا۔ ہوا یہ کہ رسول ﷺ کے بھیجے ہوئے کچھ مسلمانوں پر مشتمل ایک فوجی دستے نے جو اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں کوئی شر پسند رات کی تاریکی سے فائدہ اُٹھا کر مدینہ کے باشندوں کو نقصان نہ پہنچا دے ثمامہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور اسے گرفتار کرلیا (حالانکہ ان میں سے کوئی بھی اس کو پہچانتا نہ تھا) اور اس کو مدینہ لائے، اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا اور اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ رسول ﷺ بہ نفس نفیس اس قیدی کے حالات سے واقفیت حاصل کر کے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ صادر فرمائیں گے۔ جب رسول اللہ ﷺ گھر سے مسجد کی طرف آئے اور اس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ کی نظر ثمامہ رضی اللہ عنہ پر پڑی جو ستون سے بندھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا:

''جانتے ہو تم لوگوں نے کس کو گرفتار کیا ہے۔''

''نہیں اے اللہ کے رسول! ہم اس سے واقف نہیں ہیں۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔

''یہ قبیلہ بنی حنیفہ کا سردار ثمامہ ابن اثال ہے۔ اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔''

آپ ﷺ نے قیدی کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا۔ پھر نبی ﷺ واپس گھر تشریف لے گئے اور گھر والوں سے کہا کہ ''تمھارے پاس جو بھی کھانا ہو، اسے جمع کر کے ثمامہ بن اثال (رضی اللہ عنہ) کے پاس بھیج دو۔'' پھر نبی ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ ''میری اونٹنی کا دودھ صبح وشام دوھ کر اس کو پیش کیا جائے۔ پھر نبی ﷺ ثمامہ (رضی اللہ عنہ) کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے خیال سے اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے پوچھا کہ:

''ثمامہ! تمھارا کیا خیال ہے۔تم ہماری طرف سے کس قسم کے سلوک کی توقع رکھتے ہو۔''

''میں آپ ﷺ کے متعلق اچھا گمان اور آپ ﷺ سے اچھے برتاؤ کی اُمید رکھتا ہوں لیکن اگر آپ ﷺ میرے قتل کا فیصلہ کرتے ہیں تو ایک ایسے شخص کو قتل کرائیں گے جو قتل کا مجرم ہے اور اگر احسان کر کے مجھے چھوڑ دیں تو ایک احسان شناس کو اپنا ممنون کرم پائیں گے اور اگر آپ ﷺ کو مال کی خواہش ہے تو وہ بھی فرمایئے۔ جتنا مال چاہیں گے، دیا جائے گا۔'' اس نے جواب دیا۔

اس گفتگو کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ثمامہ رضی اللہ عنہ کو اس کے حال پر چھوڑا اور دو روز تک اس سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اس دوران میں اس کے پاس حسب معمول کھانے پینے کی چیزیں اور اونٹنی کا دودھ برابر پہنچتا رہا۔ دو دن بعد رسول اللہ ﷺ پھر اس کے پاس تشریف لائے اور وہی سوال کیا:

''ثمامہ (رضی اللہ عنہ)! تمھارا کیا خیال ہے۔تم ہم سے کس قسم کے سلوک کی توقع رکھتے ہو؟''

اس نے جواب دیا:

''میرے پاس کہنے کی وہی باتیں ہیں جو اس سے پہلے میں کہہ چکا ہوں۔ اگر آپ ﷺ میرے اوپر احسان کرتے ہیں تو ایک ایسے شخص پر احسان کریں گے جو اس کی قدر پہچانتا ہے اور اگر میرے قتل کا فیصلہ کرتے ہیں تو آپ ﷺ کا یہ فیصلہ حق بہ جانب ہوگا کیوں کہ میں آپ ﷺ کے آدمیوں کو قتل کر کے اس کا مستحق قرار پا چکا ہوں اور اگر آپ ﷺ کو مال کی خواہش ہے تو بتایئے، جو چاہیں گے آپ ﷺ کو پیش کیا جائے گا۔''

اس موقع پر بھی نبی ﷺ نے اس سے مزید کچھ نہیں کہا بلکہ اس کو چھوڑ کر چلے گئے۔ البتہ اگلے روز نبی ﷺ پھر اس کے پاس گئے اور پھر وہی سوال دوہرایا۔

''ثمامہ (رضی اللہ عنہ)! تم کو ہماری طرف سے کس برتاؤ کی اُمید ہے؟''

اوراس نے بھی حسب سابق وہی جواب دیا کہ:

''اگر آپ میرے اوپر احسان کرتے ہیں تو ایک احسان شناس شخص پر احسان کریں گے اور اگر مجھے قتل کرا دیتے ہیں تو میں اس کا مستحق ہوں اور اگر آپ ﷺ کو مال کی ضرورت ہو تو فرمایئے۔ آپ ﷺ کا مطلوبہ مال میں آپ ﷺ کو پیش کردوں گا۔''

اس سوال و جواب کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''ثمامہ (رضی اللہ عنہ) کو رہا کردو۔'' اور حسب ارشاد اس کی زنجیریں کھول دی گئیں۔ رہائی پا کر ثمامہ رضی اللہ عنہ مسجد سے نکلا اور مدینہ کے باہر بقیع کے قریب واقع کھجوروں کے ایک باغ میں گیا جس میں کنواں تھا۔ اپنی سواری کو اسی کنویں کے پاس بٹھا کر اس کے پانی سے خوب اچھی طرح غسل کیا اور پاک صاف ہو کر پھر اسی راستے سے چل کر مسجد میں واپس آ گیا۔ اس نے مسجد میں مسلمانوں کی ایک مجلس کے قریب پہنچ کر بہ آواز بلند کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر بولا:

''اے محمد ﷺ! اللہ کی قسم روئے زمین پر کوئی چہرہ میرے نزدیک آپ ﷺ کے چہرے سے زیادہ مبغوض اور قابل نفرت نہ تھا۔ مگر اب یہ مجھے ہر چہرے سے زیادہ محبوب ہے اور اللہ کی قسم! آپ ﷺ کے دین سے زیادہ قابل نفرت میرے نزدیک کوئی دین نہ تھا۔ لیکن اب یہ مجھے تمام

ادیان سے زیادہ پسندیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ ﷺ کے شہر سے زیادہ ناپسندیدہ میرے نزدیک کوئی دوسرا شہر نہیں تھا مگر اب آپ ﷺ کا یہ شہر مجھے تمام شہروں سے زیادہ پسند ہے۔''❶

تھوڑی دیر رُک کر پھر بولے:

''میں نے آپ ﷺ کے کچھ ساتھیوں کو قتل کیا ہے۔ اس کی تلافی کے لیے آپ ﷺ میرے اوپر کیا عائد کرتے ہیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''ثمامہ (رضی اللہ عنہ)! اس سلسلے میں تمھارے اوپر نہ قصاص ہے نہ دیت۔ کیوں کہ اسلام نے تمھاری تمام سابقہ زیادتیوں اور غلط کاریوں کو حرف غلط کی طرح محو کر دیا ہے۔'' پھر نبی ﷺ نے اسلام لانے کی وجہ سے جنت کی خوشخبری دی۔ ان کا چہرہ فرط مسرت سے چمک اُٹھا۔ کہنے لگے کہ ''اللہ کی قسم! میں نے آپ ﷺ کے جتنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو قتل کیا ہے اس سے کئی گنا تعداد میں مشرکین کو قتل کروں گا۔ اور اپنی ذات کو، اپنی تلوار کو اور ان لوگوں کو جو میرے ماتحت اور ہم نوا ہیں آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے دین کی نصرت و تائید کے لیے وقف کرتا ہوں۔''

قدرے توقف کے بعد پھر کہا: ''اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ کے سواروں نے مجھے اس وقت گرفتار کیا تھا جب میں عمرہ کی نیت سے نکلا تھا۔ تو آپ ﷺ کے خیال میں میں اب مجھے اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے؟'' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''تم مکہ جا کر عمرہ ادا کرلو۔❷ مگر یہ عمرہ اب تم اللہ تعالیٰ اور اس کے

❶ صحیح البخاری، کتاب المغازی، رقم: 4372، صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب ربط الاسیر.

❷ صحیح البخاری، کتاب المغازی، رقم: 7372، صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب ربط الاسیر.

رسول ﷺ کی شریعت کے مطابق ادا کرو گے۔'' پھر نبی ﷺ نے مناسک حج اور افعال عمرہ کی تعلیم دی۔

جناب ثمامہ ابن اثال رضی اللہ عنہ عمرہ کی ادائیگی کے لیے روانہ ہوئے، جب بطن مکہ میں پہنچے تو وہیں کھڑے ہوکر بلند آواز سے تلبیہ پڑھنا شروع کر دیا:

((لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ ، وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ .)) ❶

''میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں۔ بے شک ساری تعریفیں اور تمام نعمتیں تیرے لیے ہیں اور اقتدار تیرا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔''

وہ دنیا کے سب سے پہلے مسلمان تھے جو تلبیہ پڑھتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے تھے۔قریش کے لوگ اس ناگہانی اور غیر متوقع آواز کو سن کر سہم گئے اور غضبناک ہوکر دوڑے۔انھوں نے اپنی تلواریں بے نیام کر لیں۔آواز کی طرف لپکے تا کہ اس شخص پر ٹوٹ پڑیں جو ان کے کچھار میں گھس آیا تھا۔ وہ لوگ ثمامہ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھے تو انھوں نے تلبیہ کی آواز اور تیز کر دی۔ وہ ان کی طرف نہایت لاپرواہی اور بے خوفی کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ایک قریشی جوان نے تیر چلا کر ان کو قتل کرنا چاہا۔مگر دوسروں نے اس کو یہ کہتے ہوئے ایسا کرنے سے روک دیا کہ ''تیرا برا ہو۔ جانتا ہے کہ یہ کون ہے؟ یہ یمامہ کا بادشاہ ثمامہ ابن اثال (رضی اللہ عنہ) ہے۔اگر تم نے اس کو کوئی نقصان پہنچایا تو اس کے قبیلے والے ہمارے یہاں غلے کی برآمد روک کر ہم کو بھوکوں مار دیں گے۔'' پھر وہ لوگ اپنی تلواریں میان میں کر کے جناب ثمامہ رضی اللہ عنہ کے سامنے آئے اور ان سے بولے:

❶ یہ تلبیہ کہنے کے مسنون الفاظ صحیح بخاری، کتاب الحج، حدیث: 1549 میں موجود ہیں۔

''ثمامہ (رضی اللہ عنہ)! یہ تم کو کیا ہو گیا ہے۔ کیا تم بے دین ہو گئے اور تم نے اپنا اور اپنے آباء واجداد کا دین ترک کر دیا ہے؟''

''نہیں، میں بے دین نہیں ہوا بلکہ میں نے سب سے اچھے دین، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی پیروی اختیار کر لی ہے۔'' جناب ثمامہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اس کے بعد انھوں نے کہا کہ:

''اس گھر والے کی قسم! میرے واپس جانے کے بعد یمامہ کے گیہوں کا ایک دانہ اور وہاں کی پیداوار کا کوئی حصہ اس وقت تک تمھارے یہاں نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ تم سب کے سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نہ اختیار کر لو۔'' [1]

جناب ثمامہ رضی اللہ عنہ نے قریش کی آنکھوں کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق عمرہ کے ارکان ادا کیے۔ انھوں نے غیر اللہ اور بتوں کے لیے نہیں، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے قربانی کے جانور ذبح کیے اور واپس اپنے وطن گئے۔ واپس آ کر انھوں نے اپنے قبیلہ والوں کو قریش کے یہاں غلے کی سپلائی روک دینے کا حکم دیا۔ قبیلہ والوں نے ان کے اس حکم کی تعمیل کی اور اہل مکہ کے یہاں اپنی پیداوار کی سپلائی بند کر دی۔

اقتصادی پابندی جو ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ نے قریش کے خلاف لگائی تھی، بتدریج سخت سے سخت تر ہوتی چلی گئی۔ اس کے نتیجے میں غلے کی قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا، لوگوں میں فاقہ کشی عام ہو گئی اور ان کی تکلیف اور پریشانی زیادہ بڑھ گئی اور جب

---

[1] مگر صحیحین میں صرف اسی قدر ہے کہ جب ثمامہ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ پہنچے تو کسی نے ان سے کہا کہ تم بے دین ہو گئے ہو۔ انھوں نے کہا کہ نہیں، میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو قبول کر کے مسلمان ہو گیا ہوں۔ اللہ کی قسم! اب یمامہ سے تمھارے پاس گیہوں کا ایک دانہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر نہیں آئے گا۔

نوبت یہاں تک پہنچی کہ انکو اپنے اور بال بچوں کے بھوک سے مرجانے کا شدید خطرہ لاحق ہوگیا تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو لکھا:

''ہم آپ (ﷺ) کے متعلق پہلے سے یہ بات جانتے ہیں کہ آپ (ﷺ) صلہ رحمی کرتے ہیں اور دوسروں کو اس کی تاکید کرتے ہیں۔ مگر اس وقت ہم جس صورت حال کا سامنا کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ آپ (ﷺ) نے ہمارے ساتھ قطع رحمی کا طرزِ عمل اختیار کر رکھا ہے۔ آپ (ﷺ) نے باپوں کو تلوار سے قتل کیا اور بیٹوں کو بھوکوں مار رہے ہیں۔ ثمامہ ابن اثال (رضی اللہ عنہ) نے غلے کی برآمد پر پابندی لگا کر ہمیں سخت تکلیف اور پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے۔ اگر آپ (ﷺ) مناسب سمجھیں تو اس کو لکھ دیں کہ وہ غلہ وغیرہ ہماری ضرورت کی چیزوں پر عائد کردہ پابندی ختم کر دیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے جناب ثمامہ رضی اللہ عنہ کو لکھ دیا کہ وہ قریش کے خلاف پیداوار کی برآمد پر لگائی ہوئی بندش ختم کر دیں۔ چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ کے حکم کے مطابق وہ پابندی اُٹھالی اور قریش کے یہاں غلے کی سپلائی جاری کر دی۔

جناب ثمامہ ابن اثال رضی اللہ عنہ زندگی بھر اپنے دین کے وفادار اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کے پابند رہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی اور اہل عرب اجتماعی اور انفرادی طور پر اللہ تعالیٰ کے دین سے نکلنے لگے تا ور مسیلمہ کذاب نے بنو حنیفہ میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے انھیں اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دینی شروع کی تو جناب ثمامہ رضی اللہ عنہ اس کے سامنے ڈٹ گئے۔ انھوں نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ ''بنو حنیفہ کے لوگو! خبردار! اس گمراہ کن دعوت کو ہرگز قبول نہ کرنا جس میں نورِ ہدایت کا دور

دور تک پتہ نہیں۔ اللہ کی قسم! یہ شقاوت و بدبختی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ان لوگوں پر مسلط کیا ہے جو اسے اختیار کریں اور زبردست امتحان و آزمائش ہے ان لوگوں کے لیے جو اس سے اجتناب کریں۔''

انھوں نے مزید فرمایا:

''بنوحنیفہ والو! ایک وقت میں دو نبی نہیں ہو سکتے۔ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں، ان کے بعد کوئی نبی نہیں، نہ ان کی نبوت میں کسی کو شریک کیا گیا ہے۔''

﴿حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝﴾

(المؤمن : 1-3)

''حـم۔ اس کتاب کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو زبردست ہے، سب کچھ جاننے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ سخت عذاب دینے والا اور بڑا صاحب فضل ہے۔ کوئی معبود اس کے سوا نہیں۔ اس کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔''

پھر فرمایا کہ کہاں اللہ تعالیٰ کا یہ عظیم کلام اور کہاں مسیلمہ کذاب کا قول:

"یاضفدع نقی ما تنقین لا الشراب تمنعین ولا الماء تکدرین"

''اے مینڈک! تم جتنا چاہو ٹرٹر کرتے رہو۔ اپنی اس ٹرٹر سے نہ تم پینے سے روک سکتے نہ پانی کو گدلا کر سکتے ہو۔''

پھر وہ اپنے قبیلے کے ان لوگوں کو لے کر الگ ہو گئے جو اسلام پر ثابت قدم رہ

گئے تھے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد اور اس کے دین کو زمین پر غالب کرنے کے لیے مرتدین کے ساتھ جنگ وقتال میں مشغول ہو گئے۔

(22) جناب ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ

اس جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی خالد بن زید ابن کلیب تھا، ان کی کنیت ابو ایوب تھی اور ان کا تعلق انصار کے قبیلے بنو نجار سے تھا۔ ہم مسلمانوں میں سے کون ہے جو جناب ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ناواقف ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سارے مسلمانوں کے مکانات کو چھوڑ کر ان کے مکان کو اس وقت اپنے رسول ﷺ کے قیام کے لیے منتخب فرما کر، جب وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، ان کے ذکر کو سارے عالم میں مشہور اور ان کے مقام کو ساری مخلوق میں بلند کر دیا اور تنہا یہی ایک بات ان کے فخر کے لیے کافی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے جناب ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر میں نزول اجلال فرمانے کی داستان بڑی دلکش اور شیریں داستان ہے جس کا ذکر کانوں کو ہر بار ایک نئی اور عجیب لذت سے آشنا کر جاتا ہے۔

جب نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ پہنچے تو اس کے باشندوں نے ادب واحترام اور عقیدت ومحبت سے بھرے ہوئے دل ونگاہ کو فرش راہ کر دیا۔ انھوں نے اپنے دلوں کے دروازے کھول دیے کہ آپ ﷺ ان کی گہرائیوں میں اُتر جائیں۔ انھوں نے اپنے گھروں کے پٹ وا کر دیے کہ آپ ﷺ ان کے اندر پوری عزت وتوقیر کے ساتھ جلوہ فرما ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے چند روز مدینے کی مضافاتی بستی قباء میں گزارے۔ اس دوران میں آپ ﷺ نے وہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ وہ پہلی مسجد تھی جس کی بنیاد تقوے پر رکھی گئی تھی۔ [1] پھر آپ ﷺ وہاں سے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر

[1] یعنی مسجد قبا۔

نکلے اور یثرب کے تمام بڑے بڑے سردار اس کے راستے میں کھڑے ہوگئے۔ ان میں سے ہر ایک کے دل میں یہ حسین آرزو کروٹیں لے رہی تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے گھر میں قیام کرنے پر آمادہ کرنے کا شرف حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے۔ تمام سرداران یثرب باری باری اونٹنی کے آگے کھڑے ہو جاتے اور اس کا راستہ روک کر عرض کرتے:

''اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ ہمارے یہاں قیام فرمائیں۔ ہم اپنی قوت ساز وسامان اور کثیر افراد کے ذریعے سے آپ ﷺ کی پوری پوری حفاظت کریں گے۔''

لیکن نبی ﷺ نے ہر ایک کو جواب دیتے کہ ''اسے چھوڑ دو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے۔''

اونٹنی اپنی متعین منزل کی طرف بڑھتی رہی اور پرشوق نگاہیں، آرزومند قلوب کے جلو میں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔ جب وہ کسی مکان کے سامنے پہنچ کر اس سے آگے نکل جاتی تو اس کے مکینوں پر حزن وملال طاری ہو جاتا۔ ان کے اوپر مایوسی و نااُمیدی مسلط ہو جاتی اور ان کے بعد والوں کے دلوں میں اُمید کی شمع جگمگا اُٹھتی تھی۔ اونٹنی اسی طرح ایک ایک کر کے مختلف گھروں کے سامنے سے گزرتی رہی اور لوگ اپنی محرومی پر غم واندوہ کی تصویر بنے اس خوش بخت کو جاننے کے شوق میں، جس کے حصے میں سرمدی نعمت آنے والی تھی، اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ حتی کہ اونٹنی جناب ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے خالی پڑے ہوئے میدان میں پہنچ کر بیٹھ گئی، لیکن رسول اللہ ﷺ اس کی پشت سے اُتر کر نیچے تشریف نہیں لائے۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اُٹھی اور آگے چل پڑی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی نکیل ڈھیلی چھوڑ

دی۔ چند قدم چل کر اونٹنی مڑی اور واپس آ کر دوبارہ اسی جگہ بیٹھ گئی جہاں پہلی بار بیٹھی تھی۔ یہ دیکھ کر جناب ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا دل فرحت وانبساط سے لبریز ہو گیا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کرنے کے لیے تیزی کے ساتھ لپکے۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان اُٹھالیا اور اسے خوشی خوشی اپنے گھر میں اس طرح لائے جیسے دنیا کا سارا خزانہ انھوں کے ہاتھ آ گیا ہو۔ [1]

جناب ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان دو منزل تھا۔ انھوں نے بالائی منزل کو اہل خانہ کے ساز وسامان سے خالی کرا دیا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمانے کے لیے اپنی خواب گاہ میں تشریف لے جا چکے تو جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ اوران کی اہلیہ بالائی منزل میں چلے گئے لیکن جیسے ہی انھوں نے دروازہ بند کیا معاً ان کے دل میں خیال آیا اور اپنی اہلیہ سے مخاطب ہوئے:

> ''تمھارا بھلا ہو، یہ ہم نے کیا کیا؟ کیا یہ بات مناسب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے اور ہم ان سے اوپر رہیں؟ کیا یہ بات ہم کو زیب دیتی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر چلیں؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او روحی الٰہی کے درمیان حائل ہونا ہمارے لیے زیبا ہے؟ آہ! اس صورت میں تو ہم تباہ

---

[1] زاد المعاد: 55/2، الرحیق المختوم، ص: 241، سیرت ابن ہشام، ص: 247و 248، صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، حدیث: 3911 میں ہے کہ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سامان ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے اُتارا۔ (کیوں کہ اونٹنی وہاں بیٹھ گئی تھی) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے آدمیوں میں سے کس کا گھر یہاں سے زیادہ قریب ہے؟ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! یہ میرا گھر ا ہے اور یہ میرا دروازہ ہے۔'' جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا جاؤ اور ہمارے لیٹنے کا انتظام کرو، ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا آپ دونوں اللہ کی برکت سے اُٹھئے (اور چلئے)'' یہ سن کر جناب رسول اللہ رضی اللہ عنہ اور جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے مکان میں چلے گئے۔''

و برباد ہو جائیں گے۔''

اس وقت دونوں میاں بیوی سخت حیرانی و پشیمانی سے دو چار تھے اور ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں؟ وہ دونوں رات بھر بے چین رہے۔ آخر کار ان کو اس وقت تھوڑا سا سکون میسر آیا جب وہ بالا خانے کے اس گوشے میں سمٹ گئے جو رسول اللہ ﷺ کے اوپر واقع نہیں تھا، وہ دونوں وہیں گوشہ گیر ہو گئے۔ اگر چلتے تو بیچ میں چلنے کے بجائے کنارے کنارے چلتے تھے۔ صبح کو جناب ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ ''آج رات میں نے اور ام ایوب رضی اللہ عنہا نے آنکھوں میں کاٹی ہے۔'' آپ ﷺ نے وجہ پوچھی تو عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! رات بھر ہم کو یہ احساس بے چین کیے رہا کہ ہم جس مکان کی بالائی منزل میں ہیں، آپ ﷺ اس کے نیچے تشریف فرما ہیں اور جب ہم چلتے اور حرکت کرتے ہیں تو دھول اور گرد وغبار آپ ﷺ کے اوپر گر کر آپ ﷺ کے لیے اذیت کا سبب بنتی ہے۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ ہم آپ ﷺ کے اور وحی الٰہی کے درمیان حائل ہو رہے ہیں۔''

''ابو ایوب (رضی اللہ عنہ)! اس کی فکر اور پرواہ مت کرو۔'' رسول اللہ ﷺ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ''چونکہ بکثرت لوگ میرے پاس ملنے کے لیے آتے رہتے ہیں اس لیے نیچے ہی رہنا میرے لیے زیادہ مناسب اور آرام دہ ہے۔''

جناب ابو ایوب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر سر تسلیم خم کر دیا اور بالائی منزل میں قیام پذیر رہا۔ یہاں تک کہ ایک سرد رات کو ہمارا پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا اور اس کا پانی اوپری منزل کے فرش پر پھیل گیا۔ ہم دونوں میاں بیوی اس کے

پھیلے ہوئے پانی کو جذب کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت ہمارے پاس صرف ایک ہی کمبل تھا جس کو ہم لحاف کے طور پر استعمال کرتے تھے، اس خوف سے کہ کہیں یہ پانی نیچے ٹپک کر رسول اللہ ﷺ کے لیے باعث پریشانی نہ بن جائے، ہم نے اسی کمبل میں پانی کو جذب کر لیا۔ پھر صبح کے وقت میں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں آپ ﷺ سے اوپر رہوں اور آپ ﷺ مجھ سے نیچے رہیں۔'' پھر میں نے رات کو پیش آنے والا گھڑے کا واقعہ آپ ﷺ کے گوش گزار کر دیا اور آپ ﷺ سے بالائی منزل میں منتقل ہونے کی درخواست کی۔ نبی ﷺ نے میری یہ درخواست منظور فرمالی اور اوپر کی منزل میں منتقل ہو گئے اور میں اُم ایوب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نیچے آ گیا۔ [1]

رسول اللہ ﷺ جناب ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے مکان میں تقریباً سات مہینے تک قیام پذیر رہے یہاں تک کہ جب اس زمین میں مسجد کی تعمیر مکمل ہو گئی جس میں اونٹنی بیٹھی تھی تو آپ ﷺ ان حجروں میں منتقل ہو گئے جو مسجد کے ارد گرد آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات علیہن السلام کے لیے بنائے گئے تھے اور آپ ﷺ جناب ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے پڑوس میں رہنے لگے۔ کتنے اچھے اور شریف پڑوسی تھے جو ان دونوں کو میسر آئے تھے۔

جناب ابو ایوب رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ سے غیر معمولی محبت کرتے تھے اور خود رسول اللہ ﷺ کو بھی ان سے ایسی محبت تھی جس نے باہمی تکلّفات کے سارے پردے درمیان سے اُٹھا دیے تھے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ ان کے گھر کو اپنا ہی

[1] جناب رسول اللہ ﷺ کو گھر کے نچلے حصہ سے اوپر کے حصہ میں ٹھہرانے کے بارے میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی فکر مندی اور پانی کا گھڑا ٹوٹنے کا کچھ واقعہ سیرت ابن ہشام صفحہ: 249 میں مذکور ہے۔

گھر سمجھتے تھے۔

جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک روز جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ گرمی کی ایک سخت دوپہر میں گھر سے نکل کر مسجد کی طرف آئے۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھ کر پوچھا کہ ''ابوبکر! آپ (رضی اللہ عنہ) اس وقت گھر سے کیوں نکلے ہیں؟''

''بھوک کی شدت اور بے چینی کی وجہ سے۔'' جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

''اللہ کی قسم! میرے گھر سے نکلنے کا سبب بھی یہی ہے۔'' جناب عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے حجرے سے تشریف لائے اور ان دونوں حضرات سے دریافت کیا: ''آپ دونوں اس وقت کس غرض سے اپنے اپنے گھروں سے باہر نکلے ہیں؟''

''واللہ! ہم سب اس بھوک سے بے چین ہو کر نکلے ہیں جس کو ہم اپنے اندر شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔'' دونوں نے جواباً عرض کیا۔

''اس ہستی کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میں نے بھی اسی سے پریشان ہو کر گھر سے قدم نکالا ہے۔'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اُٹھئے! میرے ساتھ چلیئے۔'' اور تینوں حضرات جناب ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے یہاں پہنچے۔ جناب ابو ایوب رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ وہ روزانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانے کی کوئی نہ کوئی چیز بچا کر رکھتے تھے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی وجہ سے تاخیر کرتے اور وقت مقررہ پر تشریف نہ لاتے تو وہ کھانا گھر والوں کو کھلا دیتے۔ جب یہ لوگ دروازے پر پہنچے تو ام ایوب رضی اللہ عنہا گھر سے نکل کر ان کے پاس پہنچیں اور بولیں: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب

رضی اللہ عنہم کی تشریف آوری ہماری عزت افزائی کا باعث ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ ''ابوایوب کہاں ہیں؟''

جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سن لی۔ وہ قریب ہی اپنے کھجوروں کے باغ میں کام کر رہے تھے۔ وہ یہ کہتے ہوئے تیزی سے لپکے: ''یا رسول اللہ! یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی تشریف آوری بے وقت کیسے ہوئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس وقت کبھی تشریف نہیں لاتے۔'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابو ایوب تم ٹھیک کہتے ہو۔''

پھر جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ باغ میں گئے اور اس میں سے کھجوروں کا ایک گچھا کاٹ لائے جس میں تمر، رطب اور بسر ہر قسم کی کھجوریں لگی ہوئی تھیں۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر فرمایا:

''اسے کاٹنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیوں نہیں تم نے اس میں سے صرف پکی ہوئی کھجوریں ہی توڑ لیں؟''

انھوں نے کہا کہ ''میں نے مناسب سمجھا کہ آپ اس میں سے تمر، رطب اور بسر ہر قسم کی کھجور اپنی پسند کے مطابق تناول فرمائیں۔ اس کے علاوہ میں آپ کے لیے ایک بکری بھی ذبح کروں گا۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اگر ذبح کرنا ہے تو دودھاری بکری مت ذبح کرنا۔''

پھر جناب ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے بکری کا ایک سالہ بچہ لیا اور اسے ذبح کر دیا۔ پھر انھوں نے اپنی اہلیہ سے کہا: ''ایوب کی ماں! آٹھ گوندھ کر ہمارے لیے روٹیاں پکا لو۔ تم بہت عمدہ روٹیاں پکانا جانتی ہو۔''

اس کے بعد انھوں نے آدھا گوشت پکایا اور آدھے کو بھون لیا۔ جب کھانا پک کر

تیار ہو گیا اور نبی ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں کے سامنے رکھ دیا گیا۔ [1] تو رسول اللہ ﷺ نے گوشت میں سے ایک ٹکڑا لیا اور اس کو روٹی میں رکھ کر فرمایا: ''ابوایوب! یہ ٹکڑا جلدی سے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو دے آؤ۔ اس کو کئی دنوں سے ایسا کھانا نہیں ملا۔''

پھر جب سب لوگ کھا کر آسودہ ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: '' روٹی، گوشت، تمر، رطب اور بسر۔'' یہ کہتے ہوئے نبی ﷺ کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں۔ پھر ارشاد فرمایا:

''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہی وہ نعمتیں ہے جس کے متعلق قیامت کے روز تم سے سوال کیا جائے گا۔ جب تم کو اس قسم کی نعمت ملے اور تم اسے کھانے کے لیے اپنے ہاتھ میں لو تو کہو بسم اللہ اور جب آسودہ ہو جاؤ تو کہو:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَشْبَعَنَا وَاَنْعَمَ عَلَيْنَا فَافْضَلَ .))

''اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو آسودگی بخشی ہم کو انعام سے نوازا اور ہمارے اوپر مہربانی کی۔''

پھر نبی ﷺ جانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اور چلتے چلتے جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''کل ہمارے پاس آنا۔'' (آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب کوئی شخص آپ ﷺ کے ساتھ احسان کرتا تو آپ ﷺ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ اس کے احسان کا بدلہ چکا دیں) جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، باب جواز استتباعہ میں یہ واقعہ مختصرا موجود ہے۔

یہ بات نہیں سن سکے تو جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ:

''ابو ایوب! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ کل تم میرے پاس آنا۔''

جناب ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: '' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم میرے سر اور آنکھوں پر۔''

جب دوسرے دن جناب ابو ایوب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک لونڈی (جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتی تھی) یہ کہتے ہوئے عنایت فرمائی: ''ابو ایوب! اس کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آنا۔ یہ جب تک ہمارے یہاں رہی ہے ہم نے اس میں سوائے خیر کے کچھ نہیں دیکھا۔''

وہ لونڈی کو لیے ہوئے گھر لوٹے۔ جب ام ایوب رضی اللہ عنہا نے دیکھا تو بولیں:

''ابو ایوب! یہ لونڈی کس کی ہے؟''

''ہماری ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عنایت فرمائی ہے۔'' انھوں نے جواب دیا۔

یہ سن کر ام ایوب رضی اللہ عنہا نے کہا: '' کتنا عظیم ہے عطا کرنے والا اور کتنا عمدہ ہے یہ عطیہ۔''

''اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی ہے۔'' جناب ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے دوبارہ کہا۔

''ہم اس کے ساتھ کون سا رویہ اختیار کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر پورا پورا عمل کر سکیں؟''

انھوں نے سوچتے ہوئے کہا:

''اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر عمل کرنے کی اس سے بہتر

دوسری کوئی صورت نہیں ہوسکتی کہ اس کو آزاد کر دیں۔'' انھوں نے حل پیش کر دیا۔

''آپ کو صحیح راہ سوجھی۔ آپ کو درست بات کی توفیق ملی۔'' ام ایوب رضی اللہ عنہا نے ان کی تائید کی اور جناب ابوایوب رضی اللہ عنہ نے لونڈی کو آزاد کر دیا۔

آپ نے اپنی پوری زندگی ایک غازی اور مجاہد کی طرح گزاری۔ کہا جاتا ہے کہ وہ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر دورِ معاویہ رضی اللہ عنہ تک کسی غزوے سے پیچھے نہیں رہے جو مسلمانوں کو پیش آیا، سوائے اس کے کہ وہ کسی دوسرے محاذ پر برسرِ پیکار ہوں۔

وہ غزوۂ جناب ابو ایوب رضی اللہ عنہ کا آخری غزوۂ تھا۔ جب جناب معاویہ ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنے بیٹے کی قیادت میں قسطنطنیہ کی فتح کے لیے فوج بھیجی تھی۔ جناب ابو ایوب رضی اللہ عنہ اس وقت کافی عمر رسیدہ تھے۔ اس وقت ان کی عمر اسی سال کے قریب تھی لیکن یہ کبرسنی ان کو معرکہ کارزار میں ایک مجاہد کی حیثیت میں داخل ہونے سے نہ روک سکی۔ وہ فوج میں ایک عام سپاہی کی طرح شریک ہوئے لیکن دشمن کے ساتھ جنگ چھڑے ابھی کچھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ ان کے اوپر بیماری کا ایسا شدید حملہ ہوا جس نے ان کو شرکت جنگ سے معذور کر دیا۔ ان کی شدید علالت کی خبر پا کر قائد سپاہ اسلامی یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے آیا اور ان سے دریافت کیا:

''ابوایوب رضی اللہ عنہ! آپ رضی اللہ عنہ کی کوئی خواہش ہے؟''

''غازیان اسلام کو میرا سلام کہنا۔'' جناب ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور ان سے کہنا کہ ابوایوب رضی اللہ عنہ کی وصیت ہے کہ دشمن کی سرحد میں اندر گھس جاؤ اور مجھے اُٹھا کر اپنے ساتھ لے جاؤ اور میری لاش کو قسطنطنیہ کی فصیلوں کے نیچے دفن کر دو۔'' یہ کہتے کہتے

میزبان رسول ﷺ نے آخری ہچکی لی اور طائر روح قفس عنصری سے آزاد ہو گیا۔ انــا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

مجاہدین نے صحابی رسول ﷺ کی آخری خواہش اور وصیت کا پورا پورا احترام کیا۔ انھوں نے دشمن پر پے درپے اور شدید حملے کیے اور اسے دھکیلتے ہوئے فصیل شہر تک پہنچ گئے۔ وہ جناب ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک کو ساتھ اُٹھائے ہوئے تھے۔ وہاں ان کی وصیت کے مطابق قبر تیار کی گئی اور اس میں ان کو دفن کیا گیا۔

(23) جناب عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ

اس وقت وہ اپنی عمر کی تیسری دہائی میں تھے جب نبی رحمت ﷺ نے حق و ہدایت کی دعوت کا برملا اظہار کیا تھا۔ وہ حسب ونسب کے اعتبار سے قریش کے معزز ترین خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور دولت وثروت کے لحاظ سے ان میں سب سے فائق تھے۔ اگر ان کا باپ آڑے نہ آتا تو وہ اس لائق تھے کہ اپنے ہم عمروں سعد بن ابی وقاص اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما کی طرح بہت پہلے مشرف بہ اسلام ہو چکے ہوتے۔

قارئین کرام کو معلوم ہے کہ ان کا باپ کون تھا؟ وہ مکہ کا سب سے سرکش اور جابر شخص، شرک وکفر کا قافلہ سالار اور مسلمانوں کی ابتلا وآزمائش کا سب سے بڑا ذمہ دار تھا۔ جس کی مکاری اور چالبازی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان و یقین کر پرکھا اور وہ اس معیار پر کھرے اُترے۔ اس کے متعلق بس اتنا جان لینا کافی ہے کہ وہ ''ابو جہل'' تھا۔ یہ تو ان کا باپ تھا اور وہ خود عکرمہ ابن ابی جہل مخزومی ہیں۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ کا شمار قریش کے معدودے چند سر برآوردہ رائیسوں اور اس کے نامور شہسواروں میں ہوتا تھا۔

عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ نے خود کو اس حال میں پایا کہ وہ اپنے باپ کی مرضی کے مطابق محمد ﷺ کی مخالفت کرنے پر مجبور ہے۔ چنانچہ اس نے ان کے ساتھ سخت

عداوت کا رویہ اختیار کیا۔ ان کے ساتھیوں کو دردناک سزائیں اور اہل اسلام پر ایسی زہرہ گداز عقوبتیں نازل کیں کہ اس کے باپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں۔

جب اس کے باپ نے معرکہ بدر میں لشکر کفار کی قیادت کی اور لات وعزیٰ کی قسمیں کھا کھا کر اعلان کیا کہ محمد ﷺ کو شکست دیے بغیر وہ مکہ واپس نہیں جائے گا۔ اس نے بدر کے مقام پر پڑاؤ ڈال کر وہاں تین دن قیام کیا۔ اس دوران میں وہ اونٹ ذبح کر کے ان کا گوشت کھاتا اور شراب پیتا رہا۔ اس کی دل بستگی کے لیے دف بجا بجا کر لونڈیاں اسے گانے سناتی رہیں۔ جس وقت ابوجہل اس معرکے کی قیادت کر رہا تھا، اس کا بیٹا اس کا قابل اعتماد دست و بازو تھا لیکن لات وعزیٰ نے نہ اس کی پکار سنی نہ اس کی مدد کو آئے کیوں کہ وہ سننے سے معذور اور مدد کرنے سے عاجز تھے۔ تو وہ ذلت کی موت مارا گیا اور اس کے بیٹے نے دیکھا کہ مسلمانوں کے پیاسے نیزے اس کے خون سے اپنی پیاس بجھا رہے ہیں۔ اس نے اپنے کانوں سے اس کے حلق سے نکلنے والی آخری چیخ سنی تھی۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ بدر کے میدان میں قریش کے اس عظیم سردار کی لاش چھوڑ کر مکہ لوٹ آیا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کھانے کے بعد اس کے لیے یہ ممکن ہی نہ رہا کہ وہ اپنے باپ کی لاش اُٹھا کر لاتا اور اسے مکہ میں دفن کرتا۔ راہ فرار اختیار کرتے ہوئے وہ بادل نخواستہ اسے مسلمانوں کے رحم وکرم پر چھوڑ آیا اور مسلمانوں نے دوسرے مقتولین کے ساتھ اسے بھی بدر کے کنویں میں پھینک کر اس پر ریت ڈال دیا اور اسی روز سے اسلام کے ساتھ عکرمہ رضی اللہ عنہ کے رویئے نے دوسری صورت اختیار کر لی۔ پہلے تو وہ اپنے باپ کی حمایت میں اسلام کا مخالف تھا مگر آج سے اس کے انتقام کے لیے اس سے برسرپیکار ہوگیا اور یہیں سے عکرمہ رضی اللہ عنہ اور اس کے دوسرے ہم خیال مشرکین

قریش جن کے آباء جنگ بدر میں مارے گئے تھے اور وہ ان کے انتقام کی آگ میں جل رہے تھے، اہل مکہ کے سینوں میں محمد ﷺ کے خلاف عداوت کی آگ اور انتقام کے شعلے بھڑکانے میں لگ گئے جس کے نتیجے میں اُحد کا خونریز معرکہ پیش آیا۔

جنگ بدر میں اپنی شکست کا بدلہ اور اپنے مقتولین کا انتقام لینے کے لیے قریش کا جو لشکر جرار مکہ سے روانہ ہوا، عکرمہ رضی اللہ عنہ اس میں شریک ہو گیا۔ اس نے اپنی بیوی ام حکیم کو بھی ساتھ لیا تاکہ وہ ان عورتوں کے ساتھ شامل ہو کر صفوں کے پیچھے کھڑی ہو جائے، اور جب جانباز ان قریش میں شکست کے آثار نظر آئیں تو وہ دف بجا بجا کر انھیں قتال پر برانگیختہ کریں اور ان کو میدان جنگ میں ثابت قدم رکھنے کی کوشش کریں۔

قریش نے اپنی فوج کے گھوڑ سوار دستے کی قیادت کے لیے اس کے میمنہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کو متعین کیا۔ اس روز ان دونوں سالاروں نے جرأت و شجاعت اور مردانگی جوانمردی کے ایسے جوہر دکھائے کہ قریش کا پلہ محمد ﷺ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم پر بھاری ہو گیا اور اس کے نتیجے میں وہ فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوئے جس پر ابوسفیان کی فرط مسرت سے چیخ نکل گئی کہ: ''یہ جنگ بدر کا بدلہ ہے۔'' [1]

غزوۂ خندق کے موقع پر مشرکین نے مدینہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ جب محاصرے نے کافی طول کھینچا تو عکرمہ رضی اللہ عنہ کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ وہ محاصرے کی طوالت سے بددل ہو گیا۔ آخر اس نے خندق کے ایک تنگ حصے کو تاکا اور اپنا گھوڑا کدا کر اس پار جا پہنچا۔ کچھ جری سواروں نے اس کی اقتداء کی اور وہ بھی اس کے پیچھے خندق عبور کر کے دوسری طرف پہنچ گئے۔ ان میں سے عمرو بن عبدود عامری مسلمانوں

---

[1] سیرت ابن ہشام، صفحہ: 383.

کے ہاتھوں مارا گیا لیکن عکرمہ رضی اللہ عنہ نے راہ فرار اختیار کی اور وہ اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو گیا۔

اور فتح مکہ کے موقع پر جب قریش نے دیکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے راستے ان کو تاب مقاومت نہیں ہے تو انھوں نے طے کیا کہ ان کے راستے سے ہٹ جائیں۔ یہ فیصلہ انھوں نے اس لیے کیا کہ ان کو یہ بات معلوم ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کے سالاروں کو یہ حکم دے رکھا ہے کہ وہ مکہ کے عام باشندوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں۔ وہ صرف انھی لوگوں سے جنگ کریں جو ان سے لڑیں۔ لیکن عکرمہ رضی اللہ عنہ اور اس کے کچھ ہم خیال ساتھی قریش کے اس فیصلے کے علی الرغم جنگ کا ارادہ لیے مکہ سے نکل پڑے اور مسلمانوں کے لشکر جرار کے سامنے جاڈٹے۔ لیکن جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک معمولی جھڑپ کے بعد انھیں شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اس جھڑپ میں ان کے چند آدمی مارے گئے اور باقی میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ مفرورین میں عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ بھی تھا۔ اس وقت وہ سخت حیرانی و سراسیمگی سے دوچار تھا۔ اہل مکہ کے مسلمانوں کے سامنے سرنگوں ہو جانے کے بعد اس کے لیے وہاں کوئی جائے پناہ نہیں رہ گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ان تمام جرائم کو معاف کر دیا تھا جو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کیے تھے۔ البتہ اس عام معافی سے چند مجرموں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا اور نام لے لے کر حکم دیا گیا کہ انھیں قتل کر دیا جائے خواہ وہ غلاف کعبہ میں چھپے ہوئے ہی کیوں نہ ملیں۔ ان لوگوں میں عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کا نام سرفہرست تھا۔ اس لیے اپنی جان کے خوف سے وہ چھپ کر مکہ سے نکلا اور یمن کی طرف چل پڑا کیوں کہ اس کے علاوہ اسے کسی دوسری جگہ پناہ ملنے کی اُمید نہ تھی۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ کی بیوی ام حکیم رضی اللہ عنہا اور ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا دس دوسری عورتوں کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے ارادے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ پر پہنچیں۔ اس وقت دو ازواج مطہرات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا اور خاندان عبدالمطلب کی چند خواتین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھیں۔ اس موقع پر ہند نے اپنا چہرہ نقاب میں چھپا رکھا تھا۔ اس نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

''اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے پسندیدہ دین کو غالب کر دیا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی نسبی اور خاندانی قرابت کا واسطہ دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر اور حسن سلوک کی خواستگار ہوں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والی ایک مسلمان عورت ہوں۔'' پھر اس نے اپنے چہرے سے نقاب سرکاتے ہوئے کہا: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں عتبہ کی بیٹی ہند ہوں۔'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:

''میں تمھیں مرحبا کہتا ہوں اور تمھارا خیر مقدم کرتا ہوں۔''

اس نے پھر کہا:

''اللہ کی قسم! اے اللہ کے کے رسول! آج سے پہلے روئے زمین پر کوئی ایسا گھر نہ تھا جس کی ذلت ورسوائی مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی ذلت و رسوائی سے زیادہ پسند ہو۔ مگر اب یہ حال ہے کہ دنیا کا کوئی گھر میرے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ معزز نہیں ہے۔''[1]

اس کے بعد عکرمہ رضی اللہ عنہ کی بیوی اُم حکیم رضی اللہ عنہا کھڑی ہوئی۔ اس نے پہلے تو اپنے اسلام کا اظہار کیا، پھر یوں گویا ہوئی:

---

[1] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، رقم: 3825، صحیح مسلم، کتاب الاقضیہ، باب قضیة هند۔

''اے اللہ کے رسول! عکرمہ رضی اللہ عنہ اس خوف سے بھاگ گئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں قتل کر دیں گے۔ اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں امان بخش دیں، اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امان دے گا۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی درخواست سن کر ارشاد فرمایا:

''عکرمہ ابن ابی جہل (رضی اللہ عنہ) کو امان دی جاتی ہے۔''

شوہر کی جاں بخشی کا اعلان سن کر اُم حکیم رضی اللہ عنہا اسی وقت اپنے رومی غلام کو ساتھ لے کر ان کی تلاش میں نکل پڑیں۔ جب وہ چلتے چلتے دور نکل گئے تو دورانِ سفر میں غلام کی نیت خراب ہوگئی اور اس نے ان کے اوپر ڈورے ڈالنا شروع کر دیے۔ وہ اسے اُمید دلاتی اور ٹالتی ہوئی عرب کے ایک قبیلہ میں پہنچ گئیں۔ وہاں پہنچ کر اہل قبیلہ سے مدد کی طالب ہوئیں۔ اہل قبیلہ نے غلام کو اپنے پاس قید کر دیا اور اُم حکیم رضی اللہ عنہا نے تن تنہا اپنا سفر جاری رکھا اور آخر کار تہامہ کے علاقے میں سمندر کے کنارے عکرمہ رضی اللہ عنہ کو پا گئیں۔ اس وقت وہ ایک مسلمان ملاح سے گفتگو کر رہا تھا کہ وہ اسے اس پار پہنچا دے۔ مگر ملاح اس بات پر مصر تھا کہ پہلے تم اخلاص کا اظہار کرو تب میں تم کو اس پار لے جاؤں گا۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ میں اخلاص کا اظہار کس طرح کروں؟ تو اس نے کہا کہ کہو:

''اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَسُوْلُ اللّٰهِ''

عکرمہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''اسی سے بھاگ کر تو میں یہاں آیا ہوں......'' ابھی ان دونوں کی گفتگو کا سلسلہ جاری تھا کہ ام حکیم رضی اللہ عنہا عکرمہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئیں اور اس سے بولیں:

''میرے ابن عم! میں تمھارے پاس سب سے افضل، سب سے نیک اور

سب سے اچھے انسان کی طرف سے آئی ہوں۔ میں تمھارے پاس محمد بن عبداللہ ﷺ کی طرف سے آئی ہوں۔ میں نے ان سے تمھاری جان بخشی کا وعدہ لے لیا ہے۔ تم اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔''

عکرمہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ''کیا تم نے خود ان سے بات کی ہے؟''

اس نے جواب دیا: ''ہاں! میں نے خود بات کی ہے اور انھوں نے تم کو امان دی ہے۔'' وہ برابر اسے اس کی جاں بخشی کا یقین دلاتی رہیں یہاں تک کہ وہ مطمئن اور ان کے ساتھ واپسی پر رضا مند ہو گیا۔ دوران راہ میں اس نے غلام کی اس خباثت نفس کا ذکر کیا جو اس نے سفر کے دوران میں کی تھی۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہونے سے پہلے وہاں پہنچ کر اسے قتل کر دیا۔

اثنائے سفر میں جب وہ دونوں ایک منزل پر رُکے تو عکرمہ رضی اللہ عنہ نے بیوی سے خلوت کی خواہش ظاہر کی لیکن انھوں نے سختی سے انکار کرتے ہوئے کہا:

''میں ایک مسلمان عورت ہوں اور تم ابھی مشرک ہو۔''

عکرمہ رضی اللہ عنہ نے اس بات پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

''وہ بات جو تمھیں میرے ساتھ خلوت سے روک دے، یقیناً کوئی نہایت ہی بڑی بات ہوگی۔''

جب عکرمہ رضی اللہ عنہ مکہ کے قریب پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

((سَيَأْتِيكُمْ عِكْرِمَةُ بْنُ اَبِی جَهْلٍ مُؤْمِنًا مُهَاجِرًا فَلَا تَسُبُّوْا اَبَاهُ فَاِنَّ سُبَّ الْمَيِّتِ يُؤْذِیْ الْحَیَّ وَلَا يَبْلُغُ الْمَيِّتَ .))

''عکرمہ ابن ابی جہل (رضی اللہ عنہ) بہت جلد ایک مومن ومہاجر کی حیثیت سے تمھارے پاس پہنچنے والا ہے۔ اس کے باپ کو بُرا مت کہنا، مردے کو بُرا

کہنے سے زندہ کو اذیت پہنچتی ہے اور میت کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔''

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد عکرمہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی اُم حکیم رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پہنچ گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھتے ہی فرط مسرت سے اُچھل پڑے اور چادر کے بغیر ہی اس کے استقبال کے لیے لپکے۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے تو عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے کھڑے عرض کیا:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ام حکیم (رضی اللہ عنہا) نے مجھے بتایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے امان دے دی ہے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ''اس نے صحیح کہا ہے۔ تم مامون ہو۔''

اس نے دوبارہ سوال کیا:

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟''

''میں تمھیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا لائق عبادت و پرستش نہیں اور اس بات کی کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں اور اس بات کی کہ تم زکاۃ دو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکان اسلام گناتے ہوئے فرمایا:

''اللہ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کی دعوت دی اور خیر کا حکم دیا...... واللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعوت کے پہلے بھی ہم میں سب سے سچے اور نیکوکار تھے۔'' یہ کہہ کر اس نے بیعت کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا دیا اور کلمہ شہادت پڑھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا۔ [1]

اس روز سے مسلمانوں کی جماعت میں ایک ایسے شخص کا اضافہ ہوا جو میدان

---

[1] سیرۃ النبی امام ابن کثیر: 2/392۔393.

کارزار میں ایک شیر دل شہسوار اور مسجدوں میں ایک عابد شب زندہ دار اور قاری قرآن تھا۔ وہ قرآن کریم کو اپنے چہرے پر رکھ کر اللہ تعالیٰ کے خوف سے روتے ہوئے بڑے والہانہ انداز میں کہتے:

''کِتَابُ رَبِّیْ ...... کَلَامُ رَبِّیْ''

جناب عکرمہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عہد کیا تھا اسے پورا کر دکھایا۔ ان کے قبول اسلام کے بعد کفر و اسلام کے مابین جو بھی معرکہ پیش آیا اس میں ذوق وشوق کے ساتھ شریک ہوئے، اور مسلمان جب بھی کسی مہم میں نکلے اس میں آگے آگے رہے۔ معرکہ یرموک میں تو جناب عکرمہ رضی اللہ عنہ میدان قتال کی طرف اس طرح لپکے تھے جیسے کوئی تشنہ لب شدید گرمی میں ٹھنڈے میٹھے پانی کی طرف لپکتا ہے۔ ایک موقع پر جب مسلمانوں پر دشمن کا دباؤ بہت زیادہ بڑھ گیا تھا، وہ اپنے گھوڑے سے کود پڑے، تلوار کی نیام توڑ کر پھینک دی اور ننگی تلوار لے کر رومیوں کی صفوں میں گھس گئے۔ یہ دیکھ کر جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فوراً ان کے پاس پہنچ کر کہا:

''عکرمہ (رضی اللہ عنہ)! ایسا نہ کیجیے۔ اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالیے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا قتل ہوجانا مسلمانوں کے لیے ناقابل برداشت اور ناقابل تلافی سانحہ ہوگا۔''

لیکن جناب عکرمہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''خالد! ہٹ جاؤ۔ میرا راستہ نہ روکو۔ صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ اور خدمت اسلام میں تم کو میرے اوپر سبقت حاصل ہے۔ میں اور میرا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کٹر مخالف تھے اور میں آخر دم تک اس مخالفت پر قائم رہا، اس لیے صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف میرے حصے میں بڑی تاخیر سے آیا۔ مجھے چھوڑ دو۔ آج میں گزشتہ کوتاہیوں اور محرومیوں کی تلافی کر لینا چاہتا ہوں

......'' پھر قدرے توقف کے بعد فرمایا:

میں بہت سے مواقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جم کرلڑا۔ کیا آج ان رومیوں کے مقابلے میں راہ فرار اختیار کر لوں؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکے گا۔'' پھر انھوں نے مسلمانوں کو پکارا: ''موت پر کون بیعت کرتا ہے؟''

ان کی پکار پر تقریباً چار سو مسلمانوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان بیعت کرنے والوں میں ان کے چچا جناب حارث بن ہشام اور جناب ضرار بن ازور رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (قائد لشکر) کے خیمے کے گرد و پیش میں سخت خونریز جنگ کی اور دشمن کے بڑھتے ہوئے حملوں کا بہترین انداز میں دفاع کیا۔ جب فضائے یرموک پر سے جنگ وقتال کے بادل چھٹے اور مسلمانوں کو عظیم الشان فتح کا آفتاب طلوع ہوا تو یرموک کی زمین پر تین مجاہد زخموں سے چور پڑے ہوئے تھے اور وہ تھے جناب حارث بن ہشام، جناب عیاش بن ربیعہ اور جناب عکرمہ بن ابی جہل رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ.

شدت تشنگی سے بے تاب جناب حارث رضی اللہ عنہ نے پانی مانگا۔ جب پانی ان کو پیش کیا جا رہا تھا، جناب عکرمہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف دیکھا۔ جناب حارث رضی اللہ عنہ نے پہلے ان کو پانی پلانے کا اشارہ کیا اور جب پانی ان کے پاس لے جایا گیا تو جناب عیاش رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا۔ جناب عکرمہ رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا کہ پہلے ان کی پیاس بجھائی جائے اور جب پانی پلانے والے ان کے قریب گئے تو دیکھا کہ وہ اس سے بے نیاز ہو چکے ہیں۔ جب وہ پلٹ کر پہلے دونوں صحابیوں رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ لوگ بھی آب کوثر سے اپنی پیاس بجھا چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں سے راضی ہو اور انھیں حوض کوثر سے اس طرح سیراب

کرے کہ اس کے بعد انھیں تشنگی محسوس نہ ہو اور انھیں جنت الفردوس کی سرسبزی و شادابی مرحمت فرمائے جس سے وہ ہمیشہ مستفید ہوتے رہیں۔ آمین

(24) عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ

ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے نویں سال شاہان عرب میں سے ایک شخص اپنی شدید نفرت و بیزاری پیہم، تکبر و اعراض اور مسلسل کفر و انکار کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ وہ بادشاہ تھا عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ جس کے باپ کی سخاوت و فیاضی آج تک ضرب المثل ہے۔

ریاست وحکومت عدی رضی اللہ عنہ کو اپنے باپ سے وراثت میں ملی تھی۔ چنانچہ اس کے قبیلے قبیلہ بنی طے نے اس کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ مال غنیمت کا چوتھائی حصہ اس کے لیے مقرر کیا اور قبیلے کی قیادت وسربراہی کی باگ ڈور اس کے سپرد کر دی۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الاعلان اسلام کی دعوت کا آغاز کیا اور عرب کے بہت سے قبائل ایک ایک کر کے ان کے حلقہ اطاعت میں آتے چلے گئے تو عدی رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اس دعوت کے پس پردہ ایک ایسی قیادت اُبھر رہی ہے جو اس کی قیادت کے لیے موت کا حکم رکھتی ہے، اور اس کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اس پیغام کے زیر سایہ ایک ایسی ریاست نشوونما پا رہی ہے جو اس کی ریاست کو بیخ و بن سے اُکھاڑ پھینکے گی۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید مخالفت اور ان کے ساتھ بغض وعداوت پر کمر بستہ ہو گیا حالانکہ نہ تو وہ اس سے پہلے براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واقف تھا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے تقریباً بیس قیمتی سال اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کی نذر کر دیے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے سینے کو قبولیت حق کے لیے کھول دیا۔

جناب عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی کہانی ایک دلچسپ اور ناقابل فراموش کہانی ہے۔ وہ اس کہانی کو اپنی زبان سے بیان کرتے ہیں:

''جس وقت میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور ان کی دعوتی سرگرمیوں کا حال سنا اس وقت عرب کے کسی شخص کو مجھ سے زیادہ ان کے ساتھ نفرت نہ تھی۔ میں اپنے قبیلے سے مال غنیمت کا چوتھائی وصول کیا کرتا تھا، جس طرح میرے علاوہ دوسرے سردار اپنے اپنے قبائل سے وصول کیا کرتے تھے۔ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سنا تو مجھے سخت ناگوار گزرا اور جب ان کی قوت وشوکت میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا اور ان کے لشکر اور فوجی دستے عرب کے مشرق سے لے کر مغرب تک دھاوا مارنے لگے تو میں نے اپنے غلام کو، جو میرے اونٹ چرایا کرتا تھا، ہدایت کی:

''میرے سفر کے لیے چند تندرست وتوانا اور سیدھی سادھی اونٹنیاں ہر وقت تیار رکھو اور انھیں میرے قریب باندھ دو اور جب سنو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا لشکر یا ان کا کوئی فوجی دستہ اس علاقے میں داخل ہو گیا ہے تو مجھے اس کی خبر دو۔''

ایک دن صبح کے وقت غلام نے مجھ سے کہا:

''آقا! آپ اپنے علاقہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سواروں کی آمد پر جو کچھ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اب اسے کر گزریے۔''

میں نے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا:

''میں نے کچھ جھنڈے اس علاقے میں حرکت کرتے ہوئے دیکھے ہیں۔ ان کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا لشکر ہے۔''

میں نے اس سے کہا:

''جن اونٹنیوں کو تیار رکھنے کا میں نے تم کو حکم دیا تھا انھیں فوراً میرے پاس لے آؤ۔''

پھر میں اسی وقت اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنے اہل وعیال کو اپنے پیارے وطن کو چھوڑ کر کوچ کرنے کا حکم دے دیا اور تیز رفتاری کے ساتھ سرزمین شام کی طرف روانہ ہو گیا تاکہ اپنے ہم مذہب نصاریٰ کے پاس پہنچ کر وہاں قیام کروں۔ میں عجلت میں اپنے گھر کے تمام افراد کو جمع نہ کر سکا۔ جب خطرے کی حدود سے نکل کر جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ میں اپنی بہن کو قبیلہ طے کے باقی ماندہ افراد کے ساتھ اپنے وطن نجد ہی میں چھوڑ آیا ہوں۔ اب میرے لیے اس کے پاس پلٹ کر جانے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ مجبوراً اسے چھوڑ کر اپنے ساتھ اہل خانہ کو لیے شام چلا گیا اور وہاں اپنے ہم مذہبوں میں قیام پذیر ہو گیا اور میرے پیچھے میری بہن توقع کے مطابق ان حالات سے دوچار ہوئی جن کا پہلے ہی سے مجھے اندیشہ تھا۔

شام میں مجھ کو اطلاع ملی کہ محمد (ﷺ) کے سواروں نے ہمارے علاقے پر حملہ کیا۔ میری بہن کو گرفتار کر لیا گیا اور اسے دوسرے قیدیوں کے ساتھ یثرب لے جایا گیا اور مسجد کے دروازے کے قریب ایک احاطے میں بند کر دیا گیا۔ مجھے یہ اطلاع بھی ملی کہ ایک دن نبی (ﷺ) کا گزر میری بہن کی طرف سے ہوا تو اس نے اُٹھ کر ان سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میرے والد فوت ہو چکے ہیں، میرا سرپرست غائب ہے، آپ (ﷺ) مجھ پر احسان کیجیے، اللہ تعالیٰ آپ (ﷺ) پر احسان کرے گا۔''

تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا:

''کون ہے تمھارا سرپرست؟''

وہ بولی: ''عدی بن حاتم۔''

''کون عدی بن حاتم (رضی اللہ عنہ)؟ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے بھاگنے والا؟''

اتنا کہہ کر رسول اللہ ﷺ اسے اس کے حال پر چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ دوسرے روز بھی جب آپ ﷺ کا گزر اس کی طرف سے ہوا تو اس نے دوبارہ وہی باتیں کہیں جو کل کہہ چکی تھی اور آپ ﷺ نے بھی وہی جواب دیا جو کل دے چکے تھے۔ اور جب تیسرے دن آپ ﷺ ادھر سے گزرے تو چونکہ وہ مایوس ہو چکی تھی اس لیے خاموش رہی، آپ ﷺ سے کچھ نہیں کہا تو رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سے ایک شخص نے اشارہ کیا کہ اُٹھ کر رسول اللہ ﷺ سے بات کرو۔ چنانچہ اس نے کہا:

''اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میرا باپ فوت ہو چکا ہے اور میرا سرپرست لاپتہ ہے۔ آپ (ﷺ) میرے اوپر احسان فرمائیے، اللہ تعالیٰ آپ (ﷺ) پر احسان فرمائے گا۔'' اور آپ ﷺ نے اس پر احسان فرماتے ہوئے اس کی رہائی کا حکم صادر فرما دیا۔ رہائی پا کر اس نے کہا کہ میں اپنے گھر والوں کے پاس شام جانا چاہتی ہوں۔ نبی ﷺ نے اس سے کہا کہ جب تک تمھارے قبیلہ کا کوئی قابل اعتماد آدمی نہیں مل جاتا روانگی میں جلدی نہ کرنا اور جب کوئی قابل اعتماد شخص مل جائے تو مجھے بتانا۔

رسول اللہ ﷺ کے جانے کے بعد اس نے اس آدمی کے متعلق دریافت کیا جس نے اسے بات کرنے کا اشارہ کیا تھا، تو معلوم ہوا کہ وہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔

وہ مدینہ میں ٹھہری رہی۔ اسی دوران میں کچھ لوگوں کا وفد وہاں آیا جس میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جن کے اوپر وہ اعتماد کر سکتی تھی۔ اس نے بارگاہ نبوی ﷺ میں عرض کیا کہ میرے قبیلے کے کچھ لوگ یہاں آئے ہیں، مجھے ان کے اوپر مکمل اعتماد ہے، وہ مجھے میری منزل تک پہنچا دیں گے تو نبی اکرم ﷺ نے اسے پہننے کے کپڑے، سواری کی اونٹنی اور بقدرِ ضرورت زادِ راہ دے کر رخصت کیا اور وہ ان کے ساتھ روانہ ہوگئی۔''

عدی رضی اللہ عنہ نے سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے کہا:

''ادھر شام میں ہم کو برابر اس کے حالات کی اطلاع ملتی رہتی تھی اور ہم اس کے شام پہنچنے کے منتظر تھے۔ حالانکہ میں نے محمد (ﷺ) کے مقابلے میں جو رویہ اپنایا تھا اس کے پیش نظر ہمارے دل ان اطلاعات کی تصدیق کرنے پر آمادہ نہیں تھے جو میری بہن کے ساتھ محمد (ﷺ) کے اس احسان عظیم کے سلسلے میں ہم تک پہنچ رہی تھیں۔

انھی حالات میں ایک روز میں اپنے گھر والوں کے ساتھ بیٹھا تھا کہ اچانک میری نگاہ ایک عورت پر پڑی جو اپنے ہودج میں بیٹھی ہماری طرف چلی آرہی تھی۔ میرے دل نے کہا: ''یہ حاتم کی بیٹی ہے۔ یہ میری بہن ہے۔'' جب وہ کچھ اور قریب آئی تو ہم نے اسے صاف طور پر پہچان لیا۔ واقعی وہ میری بہن ہی تھی۔ وہ ہمارے پاس پہنچ کر سواری سے اُترتے ہی خفگی کے لہجے میں بولی:

''بے مروت ......ظالم ......تو نے اپنی بیوی اور بچوں کو تو اپنے ساتھ لے لیا اور اپنے باپ کی اولاد اور اپنی عزت کو پیچھے چھوڑ کر چلا آیا۔''

میں نے کہا: ''پیاری بہن! صرف اچھی باتیں کہو۔'' اور میں اسے راضی کرنے لگا۔ آخرکار وہ مجھ سے راضی ہوگئی اور پھر اس نے اپنے سارے حالات تفصیل سے بیان کیے جو بالکل وہی تھے جو ہم کو پہلے پہنچتے رہتے تھے۔ پھر میں نے اس سے مشورہ

کرتے ہوئے پوچھا، وہ نہایت دور اندیش، عقلمند اور سمجھدار عورت تھی۔ ''اس شخص (محمد ﷺ) کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟'' اس نے کہا کہ ''میری رائے یہ ہے کہ تم جلد از جلد ان کی خدمت میں پہنچ جاؤ۔ اگر واقعی وہ نبی (علیہ السلام) ہیں تو تمھارے جیسے آدمی کا ان کی تصدیق و تائید میں پیچھے رہ جانا بڑی افسوسناک بات ہوگی اور اگر وہ بادشاہ ہیں تو ان کے یہاں تمھاری ناقدری نہیں ہوگی۔''

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے سفر کی تیاری کی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ پہنچا۔ میں نے اس سے پہلے نہ تو ان کے پاس اپنے پہنچنے کی اطلاع بھیجی تھی نہ ان سے اپنے لیے امان حاصل کی تھی، البتہ مجھے اس بات کی اطلاع ہوگئی تھی کہ انھوں نے میرے متعلق اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے فرمایا ہے کہ ''مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ عدی بن حاتم (رضی اللہ عنہ) کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دے گا۔''

جب میں مدینہ پہنچا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں نے حاضر خدمت ہوکر آپ ﷺ کو سلام کیا تو پوچھا:

''کون ہو؟''

''عدی۔ حاتم طائی کا بیٹا۔'' میں نے جواب دیا۔

یہ سن کر آپ ﷺ اپنی جگہ سے اُٹھے اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر کی طرف لے چلے۔ آپ ﷺ مجھے ساتھ لیے جا رہے تھے کہ راستے میں انھیں ایک نہایت بوڑھی عورت ملی جس کے ساتھ ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ وہ ان کو روک کر اپنی کسی ضرورت کے متعلق باتیں کرنے لگی۔ آپ ﷺ ٹھہر کر پوری توجہ کے ساتھ اس کی باتیں سنتے رہے۔ دورانِ گفتگو میں مَیں وہیں کھڑا رہا۔ کھڑا کھڑا میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ ''واللہ! یہ بادشاہ نہیں ہو سکتے۔''

بڑی بی سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے پھر میرا ہاتھ تھام لیا اور چلتے ہوئے اپنے گھر پہنچ گئے۔ گھر میں پہنچ کر آپ ﷺ نے چمڑے کا ایک تکیہ اُٹھایا جس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اس کو میری طرف ڈالتے ہوئے فرمایا کہ اس پر بیٹھ جاؤ۔ مگر آپ ﷺ کے سامنے اس پر بیٹھتے ہوئے مجھے شرم آئی اور میں نے اسے بے ادبی پر محمول کرتے ہوئے عرض کیا کہ نہیں، اس پر آپ (ﷺ) تشریف رکھیں۔ لیکن آپ ﷺ نے اصرار کر کے مجھے اس پر بٹھایا اور خود زمین ہی پر بیٹھ گئے، کیوں کہ گھر میں اس کے علاوہ دوسرا تکیہ نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے دل میں کہا: ''واللہ! یہ انداز کسی بادشاہ کا ہرگز نہیں ہوسکتا۔'' اطمینان سے بیٹھ جانے کے بعد آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کیا:

''عدی! بتاؤ کیا تم رکوسی نہ تھے؟ تم ایک ایسے دین کو اختیار کیے ہوئے نہ تھے جو نصرانیت اور صابئیت کے درمیان تھا؟''

''بے شک میں رکوسی تھا اے اللہ کے رسول!'' میں نے جواب دیا۔

''کیا تم اپنی قوم سے مالِ غنیمت کا چوتھائی حصہ وصول نہیں کرتے تھے، کیا تم ان سے وہ مال نہیں لیتے تھے جو تمھارے دین میں حلال نہ تھا؟'' آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا:

''ہاں! اے اللہ کے رسول! میں ایسا کرتا تھا۔'' اور اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ یہ نبی مرسل (ﷺ) ہیں۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

''عدی! شاید تم اس دین کو قبول کرنے سے اس لیے ہچکچا رہے ہو کہ آج مسلمان مفلس اور تنگ دست ہیں لیکن اللہ کی قسم! وہ وقت بہت جلد آنے

والا ہے جب ان کے یہاں مال و دولت کی اتنی فراوانی ہو جائے گی کہ اسے کوئی لینے والا نہیں ملے گا۔ یا شاید تم اس دین میں داخل ہونا اس لیے ناپسند کرتے ہو کہ آج مسلمانوں کی تعداد کم اور ان کے دشمنوں کی تعداد زیادہ ہے۔ لیکن اللہ کی قسم! عنقریب تم سنو گے کہ ایک عورت تن تنہا اپنے اونٹ پر سوار ہو کر حج بیت اللہ کے لیے قادسیہ سے نکلتی ہے اور دوران سفر میں اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہیں محسوس ہوتا۔ یا شاید اس دین کو قبول کرنا تم کو اس لیے گوارا نہیں ہے کہ تم دیکھ رہے ہو کہ آج زمام حکومت دوسروں کے ہاتھوں میں ہے اور مسلمان اس سے محروم ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم! تم جلد ہی سن لو گے کہ بابل کے سفید محلات مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گئے اور کسریٰ کے خزانے ان کے قبضے میں آ گئے۔''

''کیا؟ کسریٰ ابن ہرمز کے خزانے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں، ہاں! کسریٰ ابن ہرمز کے خزانے۔'' آپ ﷺ نے پورے وثوق کے ساتھ فرمایا۔

''اسی وقت کلمہ شہادت پڑھ کر میں دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔''

جناب عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے طویل عمر پائی تھی۔ وہ کہتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کی دو پیشین گوئیاں تو حرف بہ حرف پوری ہو چکی ہیں، صرف ایک باقی رہ گئی ہے اور اللہ کی قسم! وہ بھی یقیناً پوری ہو کر رہے گی۔ میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ قادسیہ سے اونٹ پر سوار ہو کر نکلی اور بلاخوف و خطر مکہ پہنچ گئی۔ اور میں اس فوج کے اگلے دستے میں تھا جس نے کسریٰ کے خزانوں پر حملہ کر کے ان پر قبضہ کیا

تھا۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تیسری پیشین گوئی بھی ضرور پوری ہوگی۔'' [1]

اللہ کی مشیت کے مطابق نبی کریم ﷺ کی بات پوری ہوئی اور تیسری پیشین گوئی بھی خلیفہ زاہد و عابد جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دورِ خلافت میں پوری ہو گئی۔ اس وقت مسلمان مالی اعتبار سے اس قدر خوش حال ہو گئے تھے کہ خلیفہ رحمہ اللہ کا منادی فقراء و مساکین کو زکاۃ کا مال لینے کے لیے پکارتا مگر کوئی اس کو لینے والا نہ تھا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کی بات صحیح اور جناب عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہ کی قسم پوری ہوئی۔

(25) ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

غفار کا قبیلہ ودان کی وادی میں آباد تھا جو مکہ کو باہر کی دنیا سے جوڑتی تھی۔ قبیلہ غفار کی گزر بسر کا دارومدار ان قلیل بخششوں اور عطیات پر تھا جو شام کی طرف آتے جاتے قریش کے تجارتی قافلوں سے انھیں حاصل ہوتی تھیں۔ بارہا ایسا بھی ہوتا تھا کہ اگر یہ قافلے ان کی مرضی کے مطابق انھیں مال نہ دیتے تو یہ انھیں بے دریغ لوٹ لیا کرتے تھے۔

جندب بن جنادہ رضی اللہ عنہ جو عام طور سے اپنی کنیت ابوذر کے ساتھ مشہور ہیں، اسی قبیلے کے ایک فرد تھے مگر وہ اپنی شجاعت و دلیری، حلم ودانشمندی اور دور اندیشی و بالغ نظری کی بناء پر ان میں سب سے ممتاز تھے۔ وہ اپنے بنائے قبیلہ میں اس لحاظ سے بھی امتیازی خصوصیت کے مالک تھے کہ وہ ان بتوں سے سخت بیزار اور دل برداشتہ تھے جن کو ان کے قبیلے نے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اپنا معبود بنا رکھا تھا۔ عرب میں پایا جانے والا دینی بگاڑ اور فرسودہ عقیدہ انھیں سخت ناگوار تھا۔ وہ کسی نئے نبی کے منتظر تھے جو

[1] سیرت النبی امام ابن کثیر: 2/575۔579.

لوگوں کی عقل و ذہن کو مطمئن کر دے اور انھیں تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے آئے۔

ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس، جب کہ وہ اپنی بستی میں تھے، مکہ میں ظاہر ہونے والے نئے نبی علیہ السلام کی خبریں پہنچیں تو انھوں نے اپنے بھائی انیس کو بلا کر کہا:

''پیارے بھائی! تم مکہ چلے جاؤ اور اس شخص کے حالات معلوم کرو جو اس بات کا دعویٰ کر رہا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور اس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے۔ اس سے اس کی باتیں سنو اور یہ ساری معلومات میرے پاس لاؤ۔''

انیس مکہ پہنچے۔ وہاں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر کے ان کی باتیں سنیں اور اپنے قبیلے میں واپس آ گئے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ، جو بڑی بے چینی کے ساتھ ان کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے، ان سے ملے اور بڑے اشتیاق سے نئے نبی (علیہ السلام) کے حالات دریافت کیے۔ انیس نے انھیں بتایا۔

''واللہ! میں ایک ایسے شخص سے ملا جو مکارم اخلاق کی دعوت دیتا ہے اور ایسا کلام سناتا ہے جو شعر و شاعری سے بہت بلند چیز ہے۔''

''لوگ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟'' ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''کہتے ہیں کہ یہ جادوگر ہے، کاہن اور شاعر ہے۔'' انیس نے جواب دیا۔

''واللہ! تمھاری باتوں سے میرا اطمینان نہیں ہوا، نہ میری وہ ضرورت پوری ہوئی جس کے لیے میں نے تم کو بھیجا تھا۔ میں خود وہاں جا کر براہِ راست اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم میری غیر موجودگی میں میرے اہل و عیال کی کفالت کی ذمہ داری سنبھال سکتے ہو؟'' ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔

''ٹھیک ہے۔ میں یہ ذمہ داری بخوشی ادا کروں گا۔ آپ جائیے! مکہ والوں سے محتاط رہیے گا۔''

ابوذر رضی اللہ عنہ نے زادراہ کا انتظام کیا۔ اپنے ساتھ ایک چھوٹا سا پانی کا برتن لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے مکہ کی سمت چل پڑے۔ وہ مکہ پہنچ گئے، مگر دل ہی دل میں ڈر رہے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ قریش اپنے معبودوں کی حمایت میں سخت غیظ و غضب میں بھرے ہوئے ہیں۔ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ وہ ہر اس شخص کو سخت اور عبرتناک سزائیں دیتے ہیں، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا خیال بھی اپنے دل میں لاتا ہے۔ اس لیے انھوں نے کسی سے ان کے بارے میں پوچھنا مناسب نہیں سمجھا کیوں کہ انھیں معلوم نہیں تھا کہ جس شخص سے وہ پوچھیں گے وہ ان کو ماننے والوں میں سے ہوگا یا مخالفین میں سے؟

رات کو وہ مسجد ہی میں لیٹ گئے۔ اتفاقاً ادھر سے جناب علی رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو ایک غریب الوطن پردیسی سمجھ کر انھیں اپنے ساتھ لے گئے۔ رات انھوں نے ان کے گھر میں گزاری اور صبح کو اپنی چھاگل اور سامان کا تھیلا اُٹھا کر مسجد میں واپس آ گئے۔ اس دوران میں ان دونوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے دوسرا دن بھی اسی طرح گزارلیا اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی معلومات حاصل نہیں ہوسکیں۔ رات کو وہ پھر مسجد ہی میں لیٹ گئے۔ جناب علی رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا تو انھوں نے ان سے کہا: ''کیا تمھیں ابھی تک اپنی منزل معلوم نہیں ہوئی؟'' وہ پھر ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور انھوں نے دوسری رات بھی ان کے یہاں بسر کی۔ آج بھی دونوں خاموش رہے لیکن تیسری رات جناب علی رضی اللہ عنہ نے ان سے مکہ آنے کا سبب دریافت کیا تو ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اگر وعدہ کرو کہ مجھے میرے مطلوب تک پہنچا دو گے تو میں اپنے آنے کی غرض بتا سکتا ہوں۔'' جناب علی رضی اللہ عنہ کے وعدہ کرنے پر انھوں نے کہا:

''میں دور دراز سے قطع مسافت کر کے نئے نبی (علیہ السلام) سے ملنے اور ان کا پیغام معلوم کرنے کے لیے یہاں آیا ہوں۔'' یہ سن کر جناب علی رضی اللہ عنہ کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا اور بولے کہ ''واقعی وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ ......اور وہ ......دیکھو صبح کو میں جدھر جاؤں میرے پیچھے پیچھے چلے آنا۔ اگر میں تمھارے لیے کوئی خطرہ محسوس کروں گا تو اس طرح کھڑا ہو جاؤں گا جیسے پانی گرا رہا ہوں اور جب چلنے لگوں تو میرے پیچھے لگ جانا اور جہاں جاؤں چلے آنا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق دیدار اور ان پر نازل شدہ وحی کو سننے کی آرزو میں انھوں نے پوری رات آنکھوں میں کاٹی۔ صبح کو جناب علی رضی اللہ عنہ اپنے مہمان کو ساتھ لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی طرف مڑے بغیر چلتے رہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''السلام علیکم یا رسول اللہ!''

''وعلیک السلام ورحمۃ برکاتہ۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا۔

اس طرح ابوذر رضی اللہ عنہ پہلے شخص تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلامی طریقے سے سلام کیا اور بعد میں سلام وتحیۃ کا یہی طریقہ مسلم معاشرہ میں عام ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت رکھی اور قرآن کا کچھ حصہ پڑھ کر سنایا اور انھوں نے کسی پس وپیش کے بغیر کلمہ حق کا اعلان کر دیا اور اپنی جگہ چھوڑنے سے پہلے نئے دین میں داخل ہو گئے۔ وہ مسلمان ہونے والے چوتھے یا پانچویں شخص تھے۔ قبول حق کی اس سنہری داستان کی بقیہ تفصیل انھی سے سنئے:

''اس کے بعد کچھ دنوں تک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکے میں مقیم رہا۔ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اسلام کی تعلیم اور قرآن پڑھنا سکھایا، پھر فرمایا:'' مکے

میں کسی شخص کو اپنے مسلمان ہونے کی خبر نہ ہونے دینا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تم کو قتل کر دیں گے۔'' لیکن میں نے کہا کہ ''میں جب تک مسجد حرام میں جا کر قریش کے سامنے دعوت حق کا برملا اظہار نہ کرلوں، مکہ نہیں چھوڑ سکتا۔'' اس کے بعد میں مسجد میں گیا۔ اس وقت قریش کے لوگ بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ میں نے ان کے درمیان کھڑے ہو کر بآواز بلند کہا:

''قریش کے لوگو! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔''

جوں ہی میری آواز ان کے پردۂ سماعت سے ٹکرائی وہ سب بُری طرح دہشت زدہ ہو گئے، تیزی سے اپنی جگہوں سے اُٹھے اور یہ کہتے ہوئے میرے اوپر پل پڑے:

''مارو اس بے دین کو۔'' اور مجھے بُری طرح زدوکوب کرنے لگے۔ اتنے میں نبی ﷺ کے چچا محترم عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی نظر پڑی۔ انھوں نے مجھے پہچان لیا اور ان سے بچانے کے لیے میرے اوپر جھک گئے۔ پھر ان کو ڈانٹتے ہوئے کہا:

''تمھارا بُرا ہو۔ تم قبیلہ غفار کے ایک آدمی کو قتل کرنا چاہتے ہو جب کہ تمھارے تجارتی قافلے ان کی طرف سے ہو کر گزرتے ہیں؟'' تب جا کر انھوں نے مجھے چھوڑا۔

جب میرے ہوش و حواس بجا ہوئے تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے میری یہ درگت دیکھ کر فرمایا:

''کیا میں نے تم کو اپنے اسلام کے اعلان سے منع نہیں کیا تھا؟''

یہ میرے دل کی ایک خواہش تھی جو پوری ہو گئی۔'' میں نے عرض کیا۔

پھر آپ ﷺ نے مجھے حکم دیتے ہوئے فرمایا:

''اپنے قبیلے میں جاؤ۔ جو کچھ یہاں دیکھا اور سنا ہے انھیں بتاؤ اور ان کو اللہ

تعالیٰ کی طرف بلاؤ۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے ذریعہ سے ان کو فائدہ پہنچائے اور تمھیں اس کا اجر عنایت فرمائے اور جب سن لینا کہ میں غالب آ گیا ہوں تو میرے پاس چلے آنا۔'' ❶

جب میں اپنے قبیلے میں واپس آیا تو میرا بھائی انیس مجھ سے ملا اور پوچھا کہ آپ نے کیا کیا؟ میں نے اس کو بتایا کہ محمد ﷺ کی تصدیق کر کے مسلمان ہو گیا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو قبول اسلام کے لیے کھول دیا۔ اس نے کہا کہ ''مجھے آپ (رضی اللہ عنہ) کے دین سے کوئی اختلاف نہیں۔ میں بھی اس میں داخل ہوتا اور اس کی تصدیق کرتا ہوں۔'' اس کے بعد ہم اپنی ماں کے پاس گئے اور انھیں اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے کہا کہ ''تم لوگوں کے دین پر مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں بھی مسلمان ہوتی ہیں۔'' اور اسی روز سے اس مسلمان گھرانے نے قبیلہ غفار میں دعوت الی اللہ کا کام شروع کر دیا۔ ان کی دعوتی جدوجہد کے نتیجے میں بنو غفار کی ایک بڑی اکثریت دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی۔ ❷ اور ان کے اندر نماز قائم کی گئی۔ البتہ ان کے کچھ افراد نے کہا کہ ہم اپنے دین پر قائم رہیں گے اور رسول اللہ ﷺ مدینہ آئیں گے تو اسلام قبول کریں گے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد وہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ اس وقت آپ ﷺ نے کہا:

((غِفَارٌ غَفَرَ اللّٰهُ لَهَا، وَاَسْلَمُ سَالَمَهَا اللّٰهُ .))

---

❶ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، رقم: 3861، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل ابی ذر رضی اللہ عنہ، سیرت النبی، امام بن کثیر 284/1۔ 386.

❷ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل ابی ذر رضی اللہ عنہ، سیرت النبی ﷺ مؤلفہ امام ابن کثیر: 286/1۔ 287.

''اللہ تعالیٰ غفار کی مغفرت فرمائے، اور اسلم کو سلامت رکھے۔''[1]

جناب ابو ذر رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے میں سکونت پذیر رہے یہاں تک کہ بدر، اُحد اور خندق کے معرکے گزر گئے۔ پھر وہ مدینہ میں منتقل ہو گئے اور ہر طرف سے کٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو رہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے متمتع اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی سعادت سے بہرہ مند ہوتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کا لحاظ کرتے ہوئے اور انھیں دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔ جب بھی ملاقات ہوتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مصافحہ کرتے ہوئے اپنی مسرت وشادمانی کا اظہار فرماتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب مدینہ منورہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرکشش شخصیت اور نورانی مجالس سے خالی ہو گیا تو جناب ابو ذر رضی اللہ عنہ کے لیے وہاں ٹھہرنے کا ارادہ نہ رہا۔ چنانچہ وہ شام کے ایک گاؤں میں چلے گئے اور جناب ابوبکر صدیق اور جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت تک وہیں مقیم رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں وہاں سے منتقل ہو کر دمشق میں سکونت اختیار کر لی۔ وہاں انھوں نے دیکھا کہ مسلمان عموماً دنیا طلبی میں منہمک اور عیش وعشرت میں غرق اور آخرت سے غافل ہیں۔ اس بدلی ہوئی صورت حال کو انھوں نے بڑی شدت سے محسوس کیا۔ سختی سے اس کا نوٹس لیا اور بڑے تند و تیز لہجے میں اس پر اعتراضات کرنے لگے۔ لوگ ان کے اس رویے سے تنگ آ گئے۔ بات جناب عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچی۔ انھوں نے جناب ابو ذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں طلب کر لیا۔ خلیفہ رضی اللہ عنہ کی طلبی پر وہ مدینہ چلے گئے۔ لیکن وہاں بھی وہ اسی صورت حال کا سامنا کر رہے تھے جس سے دمشق میں ان کو سابقہ پیش آ چکا تھا۔ وہاں بھی لوگوں کو دنیا کی طرف مائل دیکھ کر بہت بددل ہو گئے اور لوگ بھی ان کی سخت

[1] سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم امام ابن کثیر: 286/1۔ 287.

گیری اور تلخ و تند باتوں سے بیزار ہو گئے۔ آخر کار جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں ''ربذہ'' چلے جانے کا حکم دیا۔ ''ربذہ'' مدینہ کی ایک مضافاتی بستی تھی۔ وہ وہاں منتقل ہو گئے۔ ❶ اور لوگوں سے دور، دنیاوی ساز و سامان سے بے نیاز اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے اس طریقے پر چلتے ہوئے زندگی بسر کرنے لگے جو انھوں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے ہوئے اختیار کیا تھا۔

ایک مرتبہ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ ان کے گھر میں چاروں طرف اپنی نظریں دوڑاتا رہا۔ جب اس کو وہاں کوئی سامان نظر نہیں آیا تو ان سے پوچھا:

''ابوذر! آپ کا سامان کہاں ہے؟''

''وہاں! آخرت میں ہمارا ایک گھر ہے ہم اچھے اور بیش قیمت سامان وہیں بھیج دیتے ہیں۔'' جناب ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ اس آدمی نے ان کی بات سمجھتے ہوئے کہا:

''پھر بھی، جب تک آپ اس دنیا میں رہیں، زندگی گزارنے کے لیے کچھ نہ کچھ سامان تو ضروری ہے۔''

''لیکن گھر کا مالک ہم کو یہاں نہیں چھوڑے گا۔'' جناب ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا:

ایک دفعہ شام کے گورنر نے اس ہدایت کے ساتھ ان کے پاس تین ہزار دینار بھیجے کہ ''انھیں اپنی ضروریات پر خرچ کریں۔''

لیکن انھوں نے یہ کہہ کر رقم واپس کر دی کہ ''کیا شام کے گورنر کو مجھ سے زیادہ ذلیل کوئی شخص نہیں ملا تھا۔''

ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیسویں سال آپ کی وفات ہوئی۔

---

❶ صحيح بخاري، كتاب الزكاة، رقم: 1406.

(26) جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

بنی عبد مناف میں سے چند آدمی رسول اللہ ﷺ سے ایسی غیر معمولی مشابہت رکھتے تھے کہ کمزور نگاہ والوں کو ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان اکثر التباس ہوجایا کرتا تھا۔

یقیناً آپ ان حضرات کا تعارف حاصل کرنا چاہتے ہوں گے جو ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ اتنی مشابہت رکھتے ہوں تو آیئے ہم ان کا تعارف حاصل کریں۔

وہ ہیں جناب ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے برادرعم زاداور رضاعی بھائی جناب قثم بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی۔ جناب سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم رضی اللہ عنہ امام شافعی رحمہ اللہ کے دادا۔ جناب حسن بن علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے نواسے۔ وہ پانچوں میں سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے مشابہ تھے اور جناب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے برادر حقیقی۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

ذیل کی سطروں میں ہم جناب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی زندگی کی چند جھلکیاں آپ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

ابو طالب قریش اور خاندان بنی ہاشم میں اپنی رفعت شان اور علو منزلت کے علی الرغم ایک کثیر العیال اور تنگ دست شخص تھے اور اس قحط نے ان کی مفلوک الحالی میں مزید اضافہ کر دیا تھا جس میں قریش کے لوگ مبتلا تھے، جس کی لپیٹ میں آکر جانور ہلاک اور فصلیں تباہ و برباد ہو رہی تھیں، جس نے لوگوں کو بوسیدہ ہڈیاں تک کھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس وقت محمد مصطفیٰ ﷺ اور ان کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بنو ہاشم کے خوشحال ترین افراد تھے۔ ایک روز محمد ﷺ نے عباس رضی اللہ عنہ سے کہا:

''چچا جان! آپ کے بھائی ابو طالب ایک کثیر العیال آدمی ہیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ لوگ کس بُری طرح سے قحط کی شدت اور فاقہ کشی کا شکار ہو رہے ہیں۔ کیوں نہ ہم ان کے پاس چلیں اور ان کے بچوں میں سے کچھ کی کفالت اپنے ذمے لے کر ان کے بار کو کچھ ہلکا کرنے کی کوشش کریں۔''

عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے کہا:

''بے شک تم نے ایک کار خیر کی طرف دعوت دی ہے اور حسن سلوک پر اُکسایا ہے۔''

پھر دونوں نے جا کر ابو طالب سے کہا:

''جب تک لوگوں کے سرداروں سے مصیبت کے یہ بال چھٹ نہیں جاتے، ہم چاہتے ہیں کہ بچوں کی پرورش کا جو بھاری بوجھ تنہا آپ کے کندھوں پر ہے، اس میں آپ کا ہاتھ بٹائیں اور آپ کے اس بوجھ کو کچھ ہلکا کریں۔''

ابو طالب نے بھائی اور بھتیجے کی اس پیش کش کو قبول کرتے ہوئے کہا:

''اگر تم لوگ عقیل کو میرے لیے چھوڑ دو تو باقی بچوں کے متعلق جو چاہو فیصلہ کر سکتے ہو۔''

چنانچہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کو لے کر اپنے بچوں کے ساتھ شامل کر لیا۔ اس کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ برابر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) بنایا اور دین حق اور ہدایت دے کر مبعوث فرمایا۔ اسی طرح جعفر رضی اللہ عنہ بھی برابر اپنے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے یہاں رہے یہاں تک کہ وہ جوانی کی عمر کو پہنچ گئے او ر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور پھر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔

جناب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ محترمہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اس کاروان نکہت ونور میں آغاز سفر ہی سے شریک تھے۔ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دارارقم میں داخل ہونے سے پہلے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر ایمان لا چکے تھے اور اس ہاشمی نوجوان اور اس کی نوعمر بیوی نے قریش کے ہاتھوں وہ ساری بلائیں اور مصیبتیں جھیلیں جن سے ابتدائی زمانے کے مسلمانوں کو پالا پڑا تھا۔ انھوں نے ہر اذیت پر صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا، کیوں کہ ان کو یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ جنت تک پہنچنے کے لیے ان پر خار وادیوں اور دشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کرنا ناگزیر ہے۔ لیکن یہ چیز ان کے اور ان کے دوسرے دینی بھائیوں کے لیے انتہائی تکدر اور پریشانی کا سبب بنی ہوئی تھی کہ قریش کے لوگ ان کے اور اسلامی شعائر واحکام کی ادائیگی کے درمیان حائل ہو کر انھیں لذت عبادت سے محروم کر رہے تھے۔ وہ ہر جگہ ان کی گھات میں بیٹھے رہتے اور ہر وقت ان کی نگرانی کرتے رہتے تھے۔

اس صورتحال سے تنگ آ کر جناب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی اجازت طلب کی کہ وہ اپنی بیوی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس کی اجازت تو دے دی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر دلی صدمہ ہوا۔ کیوں کہ یہ چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مستقل سوہان روح کا باعث تھی کہ ان پاک طینت اور نیک نفس ہستیوں کو صرف اس جرم میں کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اعلان کیا ہے، ناحق اور ظالمانہ طور پر مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنا پیارا وطن جس کی گلیوں اور میدانوں میں انھوں نے اپنے بچپن اور جوانی کے بہترین ایام گزارے ہیں، جس کے گوشے گوشے اور ذرے ذرے پر ان کی محبت کے لافانی نقوش ثبت ہیں چھوڑ کر

چلے جائیں، لیکن اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اتنی طاقت نہیں تھی کہ قریش کے ان مظالم کو روک سکتے۔

مہاجرین کا یہ پہلا قافلہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑ کر جناب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں سرزمین حبشہ کی طرف روانہ ہوا، وہاں پہنچ کر اس کے نیک دل اور انصاف پسند حکمران نجاشی کی پناہ میں قیام پذیر ہو گیا اور قبول اسلام کے بعد پہلی بار انھوں نے سکون و اطمینان کا سانس لیا اور عبادت الٰہی کی لذت اور اس کی حلاوت سے لطف اندوز ہوئے۔ وہاں نہ ان کو اس بات کا کھٹکا تھا کہ کوئی ان کی عبادت کا مزہ کرکرا کرے گا نہ وہ اس اندیشے میں مبتلا تھے کہ کوئی ان کے پرسکون لمحات کو بے چینی اور بے اطمینانی سے بدل دے گا۔

ادھر جب قریش کو ان مسلمانوں کے ارض حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا علم ہوا اور ان کو پتہ چلا کہ وہ لوگ شاہ حبشہ کی حمایت اور اس کی پناہ میں اپنے دین وعقیدہ کے مطابق اطمینان اور بے خوفی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں تو وہ ان کے خلاف سازش اور صلاح ومشورہ میں مصروف ہو گئے تاکہ یا تو انھیں قتل کرنے میں کامیاب ہو جائیں یا واپس لا کر قید خانے میں ڈال دیں۔ اب اس پوری سرگزشت کو اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔ وہ فرماتی ہیں:

''جب ہم لوگ حبشہ کی سرزمین میں جا کر ٹھہرے تو وہاں ہم کو بہترین لوگوں کی ہم سائیگی ملی۔ وہاں ہم اپنے دین کے متعلق ہر طرح سے بے خوف ہو کر اپنے رب کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔ وہاں نہ تو ہم کو کسی اذیت سے دو چار ہونا پڑا نہ کوئی ناپسندیدہ اور دل آزار بات سننی پڑی۔ ان حالات کی اطلاع جب قریش کو ہوئی تو انھوں نے ہمارے خلاف سازش کر کے اپنے دو مضبوط آدمیوں، عمرو بن عاص اور

عبداللہ بن ربیعہ کو نجاشی کے پاس بھیجا اور ان کے ہاتھ نجاشی، اس کے درباریوں اور فوجی سرداروں کے لیے سرزمین حجاز کی وہ نادر اور بیش قیمت چیزیں تحفہ کے طور پر بھیجیں جنھیں وہ پسند کرتے تھے۔ ساتھ ہی ان کو اس بات کی تاکید بھی کردی کہ ہمارے (یعنی مسلمانوں کے) مسئلہ پر بادشاہ سے گفتگو کرنے سے پہلے ہر سردار کو اس کا تحفہ دے دینا۔''

جب وہ دونوں حبشہ پہنچے تو حسب ہدایت سب سے پہلے وہ نجاشی کے درباریوں سے ملے اور ان میں سے ہر ایک کے سامنے ہدیہ پیش کرنے کے بعد اس سے کہا کہ ہمارے یہاں سے کچھ ناسمجھ لڑکے جنھوں نے اپنے آباء واجداد کا پرانا دین ترک کر کے ایک نیا دین اپنالیا اور اپنی قوم کے اندر پھوٹ ڈال دی ہے، بھاگ کر بادشاہ کے ملک میں آگئے ہیں۔ جب ہم بادشاہ سے ان کے معاملہ پر گفتگو کریں تو آپ لوگ ہماری تائید کریں اور اس کو یہ مشورہ دیں کہ وہ ان سے ان کے دین کے بارے میں کوئی سوال وجواب کیے بغیر انھیں ہمارے حوالے کر دے، کیوں کہ ان کے قبیلوں کے سربراہ ان کو اور ان کے عقائد کو زیادہ بہتر طور پر جانتے اور سمجھتے ہیں۔ تو درباریوں نے کہا کہ ہم ضرور بادشاہ کو مشورہ دیں گے۔''

اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

''عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی کو اگر کوئی بات سب سے زیادہ ناگوار تھی تو وہ یہ کہ نجاشی ہم لوگوں میں سے کسی کو اپنے پاس بلا کر اس کی بات سنے۔ ان دونوں نے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر اس کی خدمت میں ہدیے پیش کیے جن کو اس نے بہت پسند کیا پھر اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

''اے بادشاہ! ہمارے کچھ بدترین قسم کے نوجوان ہیں جنھوں نے بھاگ کر آپ کے ملک میں پناہ لے رکھی ہے۔ انھوں نے ایک ایسا دین اختیار کر رکھا ہے جس سے نہ

ہم لوگ واقف ہیں نہ آپ ہی اس سے متعارف ہیں۔ انھوں نے ہمارا دین چھوڑ دیا ہے مگر وہ آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ اس لیے ان کی قوم کے سرداروں، ان کے آباء واعمام اور ان کے خاندان کے سربراہوں نے اس درخواست کے ساتھ ہم کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپ انھیں واپس بھیج دیں کیوں کہ جو فتنہ ان لوگوں نے برپا کر رکھا ہے اس کو وہی لوگ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔''

یہ سن کر بادشاہ نے سرداروں کی طرف نظر اُٹھائی۔ انھوں نے قریشی سفیروں کی تائید کرتے ہوئے کہا:

''عالی جاہ! یہ دونوں ٹھیک کہہ رہے ہیں کیوں کہ انھوں نے جو غلط رویہ اپنایا ہے اس کے متعلق وہی لوگ بہتر جانتے ہیں۔ اس لیے ان کو واپس بھیج دیں تا کہ وہ لوگ ان کے بارے میں جو مناسب سمجھیں فیصلہ کریں۔''

بادشاہ کو درباریوں کی یہ بات پسند نہیں آئی۔ اس نے سخت غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

''نہیں اللہ کی قسم! جب تک ان کو بلا کر ان باتوں کے متعلق ان سے پوچھ نہیں لیتا جو ان کی طرف منسوب کی جارہی ہیں، انھیں کسی کے حوالے نہیں کرسکتا۔ اگر وہ باتیں جو یہ دونوں ان کے بارے میں کہہ رہے ہیں درست ہوئیں تو میں انھیں ان کے سپرد کر دوں گا۔ لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا تو میں اس وقت تک ان کی حمایت سے ہاتھ نہیں اُٹھاؤں گا جب تک وہ یہاں رہیں گے۔'' [1]

ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے بیان کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہوئے کہتی ہیں:

---

[1] سیرت النبی مؤلفہ امام ابن کثیر: 1/329۔330، سیرت ابن ہشام، ص: 161-162.

پھر نجاشی نے ہم لوگوں کو ملاقات کے لیے بلا بھیجا۔ اس کے یہاں جانے سے پہلے ہم لوگ ایک جگہ جمع ہوئے اور ہم نے آپس میں کہا کہ بادشاہ ہم سے ہمارے دین کے بارے میں ضرور پوچھے گا۔ اس موقع پر ہمیں کسی لاگ لپیٹ کے بغیر بالکل واضح طور پر وہ باتیں اس کے سامنے رکھ دینی چاہئیں جن پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ اور بادشاہ کے سامنے ہم سب لوگوں کی نمائندگی صرف جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کریں گے۔ ان کے سوا دوسرا کوئی نہیں بولے گا۔

جب ہم لوگ بادشاہ کے دربار میں پہنچے تو دیکھا کہ اس نے اپنے درباریوں کو بلا رکھا ہے، جو اپنی اپنی جگہوں پر اپنے مخصوص درباری لباس زیب تن کیے، سروں پر ٹوپیاں رکھے، سامنے کتابیں کھولے بیٹھے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ بھی اس کے پاس پہلے سے موجود ہیں۔ جب سب لوگ اطمینان سے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تو نجاشی نے ہماری طرف رخ کرتے ہوئے پوچھا:

''وہ کون سا نیا دین ہے جو تم لوگوں نے اختیار کیا ہے، جس کے لیے تم نے اپنے آباء واجداد کا دین ترک کر دیا مگر نہ تو میرے دین میں داخل ہوئے نہ دیگر ادیان و ملل میں سے کسی کو اپنایا؟''

بادشاہ کا سوال سن کر جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور انھوں نے بادشاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''اے بادشاہ! ہم جاہل تھے، بت پرستی کرتے، مردار کھاتے، فواحش کا ارتکاب کرتے، قطع رحمی کرتے اور پڑوسیوں سے بدسلوکی کرتے تھے۔ ہم میں سے ہر طاقتور اپنے کمزوروں پر ظلم ڈھاتا تھا۔ ایک زمانے تک ہماری زندگی کے شب و روز اسی طرح گزرتے رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ہماری

طرف ایک رسول (ﷺ) بھیجا جو خود ہم ہی میں سے تھا۔ جس کی خاندانی شرافت و نجابت، ذاتی صداقت و امانت اور فطری عفت و عصمت سے ہم سب اچھی طرح واقف تھے۔ اس نے ہم کو اللہ تعالیٰ کی طرف پکارا۔ اس نے ہمیں دعوت دی کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ایک مانیں، صرف اسی کی عبادت کریں اور پتھر سے تراشے ہوئے ان بے جان بتوں کی پرستش سے باز آجائیں جن کی پوجا ہم اور ہمارے آباء واجداد کرتے چلے آرہے تھے۔ اس نے ہم کو راست گوئی، امانت داری، صلہ رحمی، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک، محارم سے اجتناب اور خونریزی سے احتراز کرنے کی تلقین کی۔ نیز بے حیائی، دروغ گوئی، یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ اس نے ہم کو حکم دیا کہ ہم اللہ واحد کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، نماز قائم کریں، زکاۃ ادا کریں اور ماہ رمضان کے روزے رکھیں۔

ہم نے اس کی تصدیق کی، اس پر ایمان لائے اور اس کے ان تمام احکام وہدایت کی پیروی کی جن کو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سے لایا تھا۔ اس نے جن چیزوں کو ہمارے لیے حلال کیا، ہم نے ان کو حلال جانا اور جن چیزوں کو ہمارے اوپر حرام قرار دیا، ہم نے ان کو حرام مان لیا۔

اے بادشاہ! یہی ہمارے وہ جرائم ہیں جن کی وجہ سے ہماری قوم ہماری مخالف ہوگئی۔ وہ ہمارے اوپر ٹوٹ پڑی۔ اس نے ہم کو سخت ترین عذاب سے دوچار کیا تاکہ وہ ہم کو ہمارے دین سے پھیر کر دوبارہ بت پرستی میں مبتلا کردے۔ جب انھوں نے ہمارے اوپر ظلم وستم کی حد کردی، ہمارے

اوپر عرصہ حیات تنگ کر دیا، ہم کو مغلوب کر لیا اور ہم کو اپنے دین پر عمل کرنے سے روک دیا اور پانی ہمارے سر سے اونچا ہو گیا تو ہم اپنا وطن چھوڑ کر آپ کے ملک میں چلے آئے۔ ہم نے دوسروں پر آپ کو ترجیح دی اور آپ کی ہم سائیگی کو پسند کیا کیوں کہ ہم کو اس بات کی پوری اُمید تھی کہ آپ کے یہاں ہمارے اوپر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

''اس موقع پر نجاشی نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے دریافت کیا کہ تمھارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیغام لائے ہیں، کیا اس میں سے کچھ تمھارے پاس ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: ''ہاں!''

''مجھے سناؤ۔'' نجاشی نے کہا۔

چنانچہ جعفر رضی اللہ عنہ نے پڑھنا شروع کیا:

﴿كٓهٰيٰعٓصٓ ۝ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّ لَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝﴾ (مریم: 1-4)

''یہ ذکر ہے اس رحمت کا جو تیرے رب نے اپنے بندے زکریا (علیہ السلام) پر کی تھی، جب کہ اس نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا۔ اس نے عرض کیا اے پروردگار! میری ہڈیاں تک گھل گئی ہیں اور میرا سر بڑھاپے سے بھڑک اُٹھا ہے۔''

یہاں تک کہ انھوں نے سورۃ کا ابتدائی حصہ مکمل کرلیا۔

اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سلسلہ بیان کو جاری رکھتے ہوئے فرماتی ہیں:

''کلام الٰہی کو سن کر نجاشی اتنا متاثر ہوا کہ زار و قطار رونے لگا یہاں تک کہ روتے روتے اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ اس کے ساتھ اس کے درباری بھی رو رہے تھے۔ وہ بھی اتنا روئے کہ ان کی کتابیں اشکوں سے بھیگ گئیں۔ اس کے بعد نجاشی نے ہم سے کہا کہ یہ کلام جو تمھارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اُترا ہے اور وہ کلام جو عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے، دونوں ایک ہی نور کی شعائیں ہیں۔''

پھر اس نے عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی کو مخاطب کر کے کہا:

''تم لوگ واپس چلے جاؤ۔ اللہ کی قسم میں انھیں کبھی تمھارے حوالے نہیں کر سکتا۔''

اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

''جب ہم لوگ نجاشی کے دربار سے باہر نکلے تو عمرو بن عاص نے ہم لوگوں کو دھمکی دیتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا:

''اللہ کی قسم! میں کل پھر بادشاہ کے پاس آؤں گا اور اس کو ان لوگوں کے متعلق ایک ایسی بات بتاؤں گا جو اس کے سینے کو ان کے خلاف غیظ و غضب اور اس کے دل کو نفرت و کراہت سے بھر دے گی۔ میں اس کو اس بات پر آمادہ کر کے چھوڑوں گا کہ وہ مکمل طور پر ان کا استیصال کر دے اور ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکے۔''

اس پر عبداللہ بن ربیعہ نے کہا:

''عمرو! اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا نہ کرنا۔ یہ سب اگرچہ ہمارے مخالف ہیں مگر

ہیں تو ہمارے قریبی عزیز ہی۔''

مگر عمرو بن عاص نے انکار کرتے ہوئے کہا:

''چھوڑو اس بات کو۔ میں بادشاہ کو ایسی بات بتاؤں گا جس کی وجہ سے ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک جائے گی۔ اللہ کی قسم! میں اس سے کہوں گا کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے متعلق ان لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے نہیں، اس کے بندے ہیں۔''

اور اگلے روز عمرو بن عاص نے نجاشی کے دربار میں حاضر ہو کر کہا:

''عالی جاہ! یہ لوگ جن کو آپ نے اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے اور جن کو آپ نے اپنی حمایت کا سایہ فراہم کیا ہے، یہ لوگ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے متعلق بہت سخت اور نہایت ناپسندیدہ بات کہتے ہیں۔ آپ انھیں بلوائیے اور اس بات پر باز پرس کیجیے۔ جو وہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں۔''

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ بیان آگے بڑھتا ہے:

''ہم لوگوں کو اس کا پتہ چلا تو ہمیں اس کی بڑی فکر ہوئی اور ہم لوگ غم سے نڈھال ہوگئے پھر ہم نے اس مسئلہ پر غور کرنے کے لیے باہم مشورہ کی ایک مجلس منعقد کی کہ اگر بادشاہ نے عیسیٰ علیہ السلام بن مریم کے بارے میں پوچھا تو ہمیں کیا جواب دینا چاہیے؟ آخر کار یہ بات طے ہوئی کہ ہم ان کے متعلق وہی بات کہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتائی ہے۔ اس معاملے میں ہم رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیم سے سر مو انحراف نہیں کریں گے، چاہے اس کے نتیجے میں ہمارا جو بھی حشر ہو۔ ہم نے یہ بات بھی متفقہ

طور پر طے کی کہ بادشاہ کے سامنے اس دفعہ بھی جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہی ہماری نمائندگی کریں گے۔

پھر جب بادشاہ کے طلب کرنے پر ہم اس کے دربار میں پہنچے تو دیکھا کہ اس کے درباری آج بھی حسب معمول اور حسب مراتب اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہم نے عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی کو بھی بادشاہ کے پاس موجود پایا۔ جب ہم بادشاہ کے سامنے پہنچ گئے تو اس نے سلسلہ گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا:

''تم لوگ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

''ان کے بارے میں ہم وہی بات کہتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بتائی ہے۔''

جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

''وہ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟'' نجاشی نے پوچھا۔

''وہ کہتے ہیں۔'' جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا'' کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول (علیہ السلام)، اس کی روح اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے کنواری مریم بتول علیہا السلام کی طرف القاء کیا تھا۔''

جعفر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر نجاشی نے اپنے ہاتھ کو زمین پر مارتے ہوئے کہا:

''اللہ کی قسم! عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات بتائی ہے، ان کی حیثیت ایک بال کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہے۔''

نجاشی کے منہ سے یہ باتیں سن کر اس کے پاس بیٹھے ہوئے درباری غصے سے پیچ وتاب کھانے اور پھنکاریں مارنے لگے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر نجاشی نے پھر کہا:

''چاہے تم لاکھ پھنکاریں مارو مگر حقیقت یہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔'' پھر اس

نے ہماری طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا:

''جاؤ! تم لوگ بے خوف وخطر اور اطمینان کے ساتھ رہو۔ جو شخص بھی تم کو گالی دے گا یا بُرا بھلا کہے گا، اس کو تاوان ادا کرنا پڑے گا اور جو تم سے کسی قسم کا تعرض کرے گا، اسے سزا بھگتنی پڑے گی۔ اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بھی منظور نہیں کہ تم میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی جائے اور اس کے عوض میں مجھے سونے کا پہاڑ مل جائے۔''

پھر اس نے عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے آدمیوں کو حکم دیا: ''ان کے ہدیے انھیں واپس کر دو۔ مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔''

ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنی سرگزشت کا آخری ورق پلٹتی ہیں:

''اس کے بعد عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ وہاں سے خائب وخاسر لوٹ گئے اور ہم لوگ عزت اور آرام کے ساتھ نجاشی کے یہاں رہنے لگے۔'' [1]

جناب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نہایت امن واطمینان کے ساتھ نجاشی کے یہاں دس سال گزارنے کے بعد سن سات ہجری میں مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ حبشہ چھوڑ کر یثرب کا رخ کیا۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی فتح سے فارغ ہو کر مدینہ واپس پہنچے ہی تھے کہ مہاجرین حبشہ کا یہ قافلہ بھی جناب جعفر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں وہاں پہنچ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اپنی خوشی کا اظہار ان لفظوں میں فرمایا:

((مَا اَدْرِیْ بِاَیِّهِمَا اَنَا اَشَدُّ فَرَحًا، اَبِفَتْحِ خَیْبَرَ اَمْ بِقُدُوْمِ جَعْفَرٍ.))

---

[1] سیرت ابن ہشام، ص: 162 تا 165.

''مجھے نہیں معلوم کہ دونوں میں کس بات کی مجھے زیادہ خوشی ہے، آیا خیبر کی فتح کی یا جعفر (رضی اللہ عنہ) کی آمد کی؟''

اور ان کی واپسی پر مسلمانوں، خصوصاً ان میں سے فقراء و مساکین کی خوشی رسول اللہ ﷺ کی خوشی سے کسی طرح کم نہ تھی۔ کیوں کہ وہ کمزوروں، ضعیفوں اور حاجت مندوں کے ساتھ نہایت مہربانی اور حسن سلوک کا معاملہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے لوگ ان کو ''ابو المساکین'' کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ ان کے متعلق جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔

''ہم مساکین کے حق میں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سب سے اچھے تھے۔ وہ ہمیں اپنے گھر میں لے جاتے اور جو کچھ بھی ان کے پاس ہوتا، ہم کو کھلاتے۔ یہاں تک کہ اگر کھانے کی چیز ختم ہو جاتی تو وہ گھر رکھنے کا خالی شدہ مشکیزہ لا کر ہمارے آگے رکھ دیتے جس کو پھاڑ کر ہم گھی کی وہ معمولی مقدار بھی جو اس کی اندرونی دیوار کے ساتھ لپٹی ہوئی، چاٹ لیا کرتے تھے۔''[1]

مدینہ منورہ میں جناب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا زمانہ قیام بہت مختصر رہا۔ کیوں کہ آٹھ (8) ہجری کے آغاز میں رسول اللہ ﷺ نے بلاد شام میں رومیوں کے ساتھ معرکہ آرائی کے لیے ایک فوج تیار کی اور اس فوج کی قیادت جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا:

''اگر زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) قتل یا زخمی ہو جائیں تو فوج کی امارت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ذمے ہوگی۔ اگر جعفر رضی اللہ عنہ بھی شہید یا مجروح ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ امیر ہوں گے۔ لیکن اگر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، رقم: 3708.

بھی جنگ میں کام آجائیں یا وہ گھائل ہو جائیں تو مسلمان خود اپنے میں سے کسی کو اپنا سپہ سالار بنالیں۔''[1]

جب مسلمان ''موتہ'' پہنچے جو اردن میں شام کے بالائی حصے میں واقع ہے تو انھوں نے دیکھا کہ ان کے مقابلے کے لیے ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل زبردست رومی فوج تیار کھڑی ہے اور اس کی مدد کے لیے نصرانی عربوں نے مزید ایک لاکھ کی بھاری جمعیت فراہم کر رکھی ہے جس میں لخم، جذام اور قضاعہ وغیرہ عیسائی قبائل کے جنگ جو شامل ہیں۔ اس دو لاکھ کے عظیم لشکر کا مقابلہ کرنے والی مسلمانوں کی فوج صرف تین ہزار مجاہدین پر مشتمل تھی۔

آخر کار جب دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہوئی اور جنگ کی چکی اپنی پوری رفتار سے چلنے لگی تو جناب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کے گرتے ہی جناب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنی گھوڑی (شقراء) سے کود پڑے۔ پھر انھوں نے تلوار سے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں تاکہ ان کے بعد دشمن اس سے فائدہ نہ اُٹھا سکیں اور جھنڈا لے کر یہ رجز پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں دور تک گھستے چلے گئے:

''آہا! کتنی عمدہ ہے جنت، کتنا خوش آئندہ ہے اس کا قرب اور کیسا ٹھنڈا ہے اس کا پانی۔ رومیوں کا عذاب قریب آگیا ہے۔ یہ سب کافر اور بعید النسب ہیں۔ جب ان سے مڈبھیڑ ہو گئی ہے تو لازم ہے کہ ان کے اوپر کاری ضرب لگاؤں۔''

وہ دشمن کی صفوں میں ہر طرف چکر لگاتے اور اپنی شمشیر خاراشگاف کے جوہر دکھاتے پھر رہے تھے کہ دشمن کی ایک کاری ضرب نے ان کے دائیں ہاتھ کو کاٹ کر

[1] صحيح بخاری، كتاب المغازی، رقم: 4261.

الگ کر دیا۔ انھوں نے جھنڈے کو بائیں ہاتھ میں تھام لیا مگر دشمن نے تلوار کا دوسرا وار کیا اور ان کا بایاں ہاتھ بھی کٹ کر جدا ہو گیا۔ اب انھوں نے جھنڈے کو اپنے دونوں بازوؤں کے حلقے میں لے کر سینے سے چمٹالیا مگر جلد ہی تیسری ضرب نے ان کے جسم کے دوٹکڑے کر دیے۔ اب جھنڈا جناب عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ وہ بھی برابر لڑتے رہے یہاں تک کہ اپنے دونوں ساتھیوں سے جا ملے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تینوں سالاروں کے قتل کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رنج اور صدمے سے نڈھال ہو گئے اور تعزیت کے لیے اپنے ابن عم جناب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ان کی زوجہ محترمہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ان کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ وہ روٹی کے لیے آٹا گوندھ کر رکھ چکی تھیں اور بچوں کو نہلا دھلا کر، تیل وغیرہ لگا کر، صاف ستھرے کپڑے پہنا کر تیار کر چکی تھیں۔

اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے تو میں نے حزن و ملال کے وہ سائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر پھیلے ہوئے دیکھ لیے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندرونی کرب کی غمازی کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح رنجیدہ دیکھ کر میرے دل میں مختلف اندیشے اور وسوسے سر اُٹھا رہے تھے مگر اس وقت میں جعفر رضی اللہ عنہ کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سوال اس لیے نہیں کرنا چاہتی تھی کہ مبادا مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کوئی ناپسندیدہ بات سننی پڑ جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کے بعد مجھ سے فرمایا کہ جعفر (رضی اللہ عنہ) کے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔ میں نے انھیں آواز دی

تو وہ خوشی سے چہکتے ہوئے آپ ﷺ کی طرف دوڑ پڑے۔ وہ آپ ﷺ کے پاس پہنچنے کے لیے ایک دوسرے کو دھکا رہے تھے۔ ان میں سے ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ وہ سب سے پہلے آپ ﷺ کے پاس پہنچ جائے۔ آپ ﷺ نے ان کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا، ان کے اوپر جھک گئے اور انھیں چومنے لگے۔ اس وقت آپ ﷺ کی آنکھوں سے بے تحاشا آنسو جاری تھے۔

جب میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ ﷺ پر قربان ہوں۔ آپ ﷺ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا آپ ﷺ کے پاس جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کے متعلق کوئی ناخوشگوار اطلاع ہوئی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، آج وہ سب شہید ہو گئے۔"[1]

اس وقت جب چھوٹے بچوں نے اپنی ماں کو روتے دیکھا تو ان کے معصوم چہروں سے تبسم کی کرنیں غائب ہوگئیں اور وہ سب اپنی جگہ پر اس طرح بے حس و حرکت اور ساکت و جامد ہو گئے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ پھر رسول اللہ ﷺ اپنے آنسو پوچھتے ہوئے یہ کہتے ہوئے واپس گئے۔

((اَللّٰھُمَّ اخْلُفْ جَعْفَرًا فِیْ وَلَدِہٖ، اَللّٰھُمَّ اخْلُفْ............))

"اے اللہ! جعفر (رضی اللہ عنہ) کے پیچھے اس کے بچوں کی کفالت فرما۔"

پھر فرمایا کہ میں نے جعفر (رضی اللہ عنہ) کو جنت میں اس حال میں دیکھا ہے کہ ان کے دو بازو ہیں جو خون سے رنگین ہیں۔[2]

---

[1] سیرت ابن ہشام، ص: 485.

[2] مسند احمد: 205/1، البداية والنهاية: 253/4.

(27) عقبہ بن عامر جُہنی رضی اللہ عنہ

یہ ہیں رسول اللہ ﷺ جو ایک طویل انتظار اور شدید بے چینی کے بعد یثرب کے بالائی حصے سے نمودار ہو رہے ہیں۔ اور ادھر مدینہ منورہ کے باشندے ہیں جو نبی رحمت ﷺ اور ان کے رفیق جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ملاقات کی خوشی میں اپنے گھروں کے دروازوں اور مکانوں کی چھتوں پر اکٹھا ہو رہے ہیں ان کے ہونٹوں پر تہلیل و تکبیر کے سرمدی کلمات مچل رہے ہیں، اور اس طرف مدینہ کی کم سن اور بھولی بھالی بچیاں اپنے ہاتھوں میں دف اور آنکھوں میں شوق انتظار لیے نکل پڑی ہیں۔ان کے لبوں پر خیر مقدمی نغمات ہیں، جنھیں وہ ایک ساتھ مل کر بار بار دوہرا رہی ہیں:

"اقبل [1] البدر علینا من ثنیات الوداع ، وجب الشکر علینا مادعا اللّٰہ داع"

''ثنیۃ الوداع کی گھاٹیوں سے طلوع ہو کر ماہ کامل کا چاند ہمارے سامنے آ گیا۔ جب تک بلانے والا اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا رہے ہمارے اوپر اس کا شکر واجب ہے۔'' [2]

اور یہ رہا رسول کریم ﷺ کا جلوس جو دورویہ صف بستہ کھڑے ہوئے لوگوں کے درمیان سے گزرتا ہوا نہایت سبک خرامی اور نرم روی کے ساتھ آگے بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ جس کو مشتاق روحوں اور پرشوق دلوں نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے، جس کے اوپر اشک ہائے مسرت و نشاط کے گہر ہائے آبدار اور تبسم ہائے سرور و انبساط کے گلہائے مشکبار نچھاور کیے جا رہے ہیں۔

---

[1] بعض روایات میں اَقْبَلَ کی جگہ پر طلع بھی آیا ہے۔

[2] سیرت النبی امام ابن کثیر: 475/1.

لیکن جناب عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جلوس کا مشاہدہ نہ کر سکے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کی سعادت سے محروم رہ گئے۔ یہ محرومی ان کے حصے میں اس لیے آئی کہ وہ اپنی بکریوں کو لے کر انھیں چرانے کے لیے وادیوں کی طرف نکل گئے تھے کیوں کہ بھوک پیاس کی وجہ سے ان کے ہلاک ہوجانے کا اندیشہ تھا۔ جب کہ یہ چند بکریاں ہی ان کا کل سرمایہ تھیں جو دنیا کے متاع فانی میں سے ان کے زیر ملکیت تھا۔

فرحت و سرور کی وہ کیف پرور فضا جو مدینہ پر چھائی ہوئی تھی، بہت جلد اس کی خوشبو دور و قریب کی وادیوں تک عام ہوگئی، سارے کہسار و بیابان اس کی ضیاباریوں سے جگمگا اُٹھے اور اس کی خوشخبریاں جناب عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کے کانوں تک بھی پہنچ گئیں حالانکہ وہ مدینہ سے دور وسیع میدانوں میں اپنی بکریاں چراتے پھر رہے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات کیسے اور کن حالات میں ہوئی؟ اس کی تفصیل ہم انھی کے الفاظ میں ہدیہ قارئین کر رہے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو میں اس وقت اپنی بکریوں میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر جیسے ہی مجھے ملی، میں نے بکریوں کو وہیں چھوڑا اور بلاتاخیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے مدینہ روانہ ہوگیا اور بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچ کر عرض کیا:'' اللہ کے رسول! آپ میری بیعت قبول فرمائیں گے؟''

''تم کون ہو؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

''عقبہ بن عامر جہنی۔'' (رضی اللہ عنہ) میں نے جواب دیا۔

''کون سی بیعت تمھیں پسند ہے۔ تم بیعت اعرابیہ کرو گے یا بیعت ہجرت؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

''بیعت ہجرت۔'' میں نے جواباً عرض کیا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے بھی انھی باتوں پر بیعت کی جن پر اور مہاجرین سے لی تھی۔ پھر میں آپ ﷺ کی خدمت میں ایک رات گزار کر واپس اپنی بکریوں میں آ گیا۔

ہم لوگ کل بارہ آدمی تھے جو اسلام لانے کے بعد اپنی بکریاں چرانے کے لیے مدینہ منورہ سے دور وادیوں میں اقامت گزین تھے۔ ایک دن ہمارے ایک ساتھی نے کہا: ''اگر ہم رسول اللہ ﷺ سے دین سیکھنے اور ان کے اوپر آسمان سے نازل ہونے والی وحی کو سننے کے لیے باری باری خدمت اقدس میں حاضری نہ دے سکیں تو ہمارے اندر خیر کی کوئی بات نہ ہوگی۔ مناسب یہ ہے کہ روزانہ ہم میں سے ایک آدمی یثرب جائے اور اپنی بکریاں باقی ساتھیوں کی حفاظت میں چھوڑ جائے۔''

میں نے کہا کہ ''تم لوگ یکے بعد دیگرے رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور ہر جانے والا اپنی بکریاں میرے حوالے کر جایا کرے۔ میں اپنی بکریوں کے بارے میں بہت محتاط رہتا تھا اور انھیں کسی کے سپرد کر جانا مجھے گوارا نہ تھا۔

اس کے بعد سے روزانہ صبح کو میرا ایک ساتھی نبی ﷺ کی خدمت میں جاتا اور اس کی بکریوں کو چرانے کی ذمہ داری میں انجام دیتا اور واپسی پر میں وہ تمام باتیں اس سے پوچھ کر معلوم کر لیتا جو وہاں سے سن کر اور دیکھ کر وہ آتا تھا۔

لیکن چند روز کے بعد میں نے اپنے آپ سے کہا:

''تمھارا بُرا ہو۔ کیا تم ان چند حقیر سے بکریوں کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور ان سے براہ راست اور بالمشافہ دین سیکھنے پر ترجیح دینا چاہتے ہو۔'' پھر میں اپنی بکریوں سے کنارہ کش ہو کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گیا تا کہ وہاں پہنچ کر رسول اللہ

ﷺ کے زیر ہمسائیگی مسجد نبوی ﷺ میں قیام کروں۔

جب عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ جس وقت یہ اہم فیصلہ کر رہے تھے اس وقت ان کے دل میں یہ بات کھٹکی بھی نہ ہوگی کہ چند سال گزرنے کے بعد وہ اکابر علماء صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک زبردست عالم، بڑے قراء میں سے ایک مشہور قاری، عظیم فاتحین میں سے ایک نامور فاتح اور قابل ذکر والیان اسلام میں سے ایک کامیاب والی ہو جائیں گے۔ جب وہ اپنی بکریوں سے کنارہ کشی اختیار کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف جا رہے تھے تو ان کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ وہ ام الدنیا۔ دمشق۔ کو فتح کرنے والے لشکر کا ہراول دستہ ہوں گے اور اس کے سرسبز و شاداب باغات کے درمیان باب توما کے پاس اپنے لیے ایک شاندار محل تعمیر کروائیں گے۔ نیز وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ وہ دنیا کے سبز نگینہ اور اس کے والی۔ مصر کو فتح کرنے والی فوج کے قائدین میں سے ایک قائد ہوں گے اور وہاں جبل مقطم کی جڑ میں ایک خوبصورت مکان بنوائیں گے۔ یہ ساری باتیں مستقبل کے سینے میں پوشیدہ تھیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی انھیں نہیں جانتا تھا۔

مدینہ منورہ آ کر جناب عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے مستقل طور پر رسول اللہ ﷺ کی صحبت اختیار کر لی۔ وہ سائے کی طرح ہمیشہ آپ ﷺ کے ساتھ رہتے۔ آپ ﷺ جہاں کہیں تشریف لے جاتے، آپ ﷺ کی سواری کی لگام ان کے ہاتھ میں ہوتی۔ آپ ﷺ جدھر بھی رخ کرتے وہ ہمیشہ آپ ﷺ کے آگے آگے چلتے اور بسا اوقات آپ ﷺ انھیں اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھا لیتے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ ''ردیف رسول اللہ ﷺ'' کے لقب سے پکارے جانے لگے۔ بارہا ایسا بھی ہوتا کہ نبی ﷺ خود اپنی سواری سے اُتر جاتے تا کہ وہ سوار ہو جائیں اور آپ ﷺ خود

پاپیادہ چلیں۔ان کا اپنا بیان ہے کہ:

''ایک دفعہ میں رسول اللہ ﷺ کے خچر کی لگام تھامے مدینہ میں کسی جگہ آپ ﷺ کے آگے چل رہا تھا۔آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:''عقبہ! کیا تم سوار نہیں ہو گے؟''

میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں ''نہیں'' مگر پھر اس خوف سے کہ کہیں اس میں نبی ﷺ کی نافرمانی نہ ہو جائے، میں نے کہا:

''جی ہاں! اے اللہ کے نبی۔''

تب آپ ﷺ اپنے خچر سے نیچے اُتر آئے اور میں آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سوار ہو گیا اور آپ ﷺ پیدل چلنے لگے۔تھوڑی دیر کے بعد میں نیچے اُتر آیا اور رسول اللہ ﷺ سوار ہو گئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

''عقبہ! میں تم کو دو بے مثل سورتیں بتاؤں؟''

میں نے کہا:''ہاں اے اللہ کے رسول ﷺ! ضرور بتائیں۔''

تب آپ ﷺ نے مجھے: ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھایا۔اس کے بعد جب نماز کھڑی ہوئی تو آپ ﷺ نے امامت فرمائی اور انھی دونوں سورتوں کو اس نماز میں پڑھا اور مجھ سے فرمایا:

''سونے سے پہلے اور نیند سے بیدار ہونے کے بعد ان دونوں سورتوں کو ضرور پڑھ لیا کرو۔''[1]

اس کے بعد سے میں زندگی بھر اس وظیفے پر عمل پیرا رہا۔

---

[1] سلسلة الاحاديث الصحيحة، رقم: 1514، صحيح ابوداؤد، رقم: 1363.

جناب عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ نے صرف دو چیزوں علم اور رجہاد پر اپنی تمام توجہ مرکوز کر دی تھی اور اپنے تمام ظاہری اور باطنی صلاحیتوں کو ان کے لیے وقف کر دیا تھا۔ وہ علم کے گہرے اور میٹھے چشمے...... چشمہ نبوت سے خوب خوب سیراب ہوئے اور مختلف اصناف علم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسب فیض کیا۔ حتی کہ قرآن و حدیث، تفقہ فی الدین وفرائض، ادب وفصاحت اور شعر وشاعری میں درجہ کمال کو پہنچ گئے۔

جناب عقبہ رضی اللہ عنہ نہایت خوش اخلاق شخص تھے۔ قرآن نہایت خوش الحانی اور ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے۔ جب رات کا سناٹا چھا جاتا تو یہ کتاب اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے اور اس کی آیات کی تلاوت شروع کرتے، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی قرأت کو سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہو جاتے، اس سے بے حد متاثر ہوتے اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے ان کے دلوں میں سوز وگداز ہو جاتا اور ان کی آنکھیں بے تحاشا اشک ریز ہو جاتیں۔

ایک روز جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو بلایا اور فرمایا کہ "عقبہ! مجھے کچھ قرآن سناؤ۔" انھوں نے قرآن حکیم کی آیات پڑھنی شروع کیں۔ ایک تو "رب السمٰوات والارض" کا پرشوکت اور لرزہ براندام کر دینے والا کلام، دوسرے جناب عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی پرسوز اور دل میں اُتر جانے والی آواز۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ بے حد متاثر ہوئے۔ ان کے اوپر بے اختیار گریہ طاری ہو گیا اور روتے روتے ان کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی۔

انتقال کے بعد جناب عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک مصحف چھوڑ گئے تھے۔ یہ مصحف مصر کی ایک جامع مسجد جامع عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ میں بہت زمانے تک موجود تھا جس کے آخر میں "کتبہ عقبۃ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ" کے الفاظ درج تھے۔

جناب عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا یہ مصحف دنیا میں پایا جانے والا قدیم ترین مصحف تھا، لیکن یہ بھی ہمارے دیگر قدیم اور بیش قیمت سرمایوں کی طرح زمانے کی دست برد سے بچ نہ سکا۔

اور جہاں تک جولان گاہ جہاد میں ان کی سرگرمیوں اور کارناموں کا تعلق ہے، تو ہمارے لیے اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ جناب عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحد اور اس کے بعد پیش آنے والے تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ وہ ان جانبازوں میں سے ایک تھے جنھوں نے فتح دمشق کے موقع پر غیر معمولی شجاعت اور ہمت و مردانگی کا مظاہرہ کیا اور دشمن کے چھکے چھڑا دیے۔ جناب ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اس کے صلہ میں ان کو اس اعزاز سے نوازا کہ فتح دمشق کی خوش خبری انھی کے ذریعہ سے امیر المؤمنین جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ بھجوائی۔ وہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک آٹھ دن سات راتیں کہیں رُکے بغیر تیز رفتاری کے ساتھ سفر کر کے وہاں پہنچے اور جناب عمر رضی اللہ عنہ کو فتح عظیم کی خوشخبری سنائی۔ وہ اس لشکر اسلام کے قائدین میں سے تھے جس نے مصر کو فتح کیا تھا اور اس کا بدلہ امیر المؤمنین جناب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے یہ دیا کہ انھیں وہاں کا گورنر مقرر کر دیا۔ وہ تین سال تک اس عہدے پر فائز رہے۔ پھر جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں جہاد کے لیے بحر ابیض متوسط میں واقع جزیرہ روڈس [1] بھیج دیا۔

جہاد سے ان کے شوق و تعلق کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے جہاد سے متعلق بہت سی احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینے میں محفوظ کر لیا تھا۔ وہ بڑی جاں فشانی اور شوق و دلچسپی کے ساتھ تیر اندازی کی مشق کرتے اور اس میں غیر معمولی مہارت پیدا کرنے کی

[1] بحر متوسط میں واقع ایک جزیرہ قبرص کے مغربی اور ترکی کے جنوب مغربی سمت میں ہے۔

کوشش کرتے۔

جب جناب عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ اور اس وقت وہ مصر میں تھے۔ تو انھوں نے اپنے لڑکوں کو پاس بلا کر یہ نصیحت کی۔ میرے جگر گوشو! میں تم کو تین باتوں سے روکتا ہوں۔ ان کی سختی سے ساتھ پابندی کرنا۔

1:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کبھی کسی غیر ثقہ سے قبول نہ کرنا۔

2:...... کبھی قرض نہ لینا، خواہ تم فقر و احتیاج کے اس درجے تک پہنچ جاؤ کہ تمھیں کمبل اور معمولی کپڑے پہننے پڑیں۔

3:...... اشعار کبھی نہ لکھنا کہ اس کی مشغولیت کے نتیجے میں تمھارے دل قرآن پاک سے غافل ہو جائیں۔

جب ان کی وفات ہوگئی تو انھیں جبل مقطم کی تلی میں دفن کیا گیا۔ پھر جب لوگ ان کے ترکے کی طرف متوجہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ انھوں نے ستر سے اوپر کمانیں چھوڑی ہیں اور ہر کمان کے ساتھ ترکش اور تیر بھی ہیں۔ ان کے متعلق ان کی یہ وصیت موجود تھی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دیا جائے۔

(28) حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ

جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہ ایک ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے جس کے ایک ایک شخص سے ایمان کی خوشبو پھوٹتی تھی اور ان کی نشو ونما ایک ایسے گھر میں ہوئی تھی جس کے ایک ایک فرد کی لوح جبین پر قربانی وفداکاری کی ان گنت داستانیں رقم تھیں۔

ان کے والد جناب زید بن عاصم رضی اللہ عنہ تھے جو یثرب میں مسلمانوں کے ہراول میں شامل تھے۔ وہ ان ستر سعادت مند لوگوں میں سے تھے جو لیلۃ العقبہ میں موجود تھے، جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ اس موقع پر ان

کے ساتھ ان کی زوجہ محترمہ اور ان کے دونوں صاحبزادے بھی موجود تھے۔ ان کی والدہ تھیں ام عمارہ نسیبہ مازنیہ رضی اللہ عنہا۔ وہ پہلی خاتون تھیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں ہتھیار اُٹھایا تھا۔ ان کے بھائی تھے جناب عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ جنھوں نے غزوۂ اُحد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی جان کی بازی لگادی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہوکر ان لوگوں کے متعلق فرمایا تھا:

((بَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ مِنْ اَهْلِ بَيْتٍ، رَحِمَكُمُ اللّٰهُ مِنْ اَهْلِ بَيْتٍ .))

''تم گھر والوں پر اللہ تعالیٰ اپنی برکت نازل فرمائے، تم گھر والوں پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نازل فرمائے۔''

ایمان کا نور جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کے دل میں اس وقت جاگزین ہو چکا تھا جب وہ ابھی اپنی عمر کی ابتدائی منزلیں طے کر رہے تھے، اورقسامِ ازل کی طرف سے ان کے مقدر میں یہ بات لکھ دی گئی تھی کہ وہ اپنے والدین خالہ اور بھائی کے ساتھ مکہ جائیں اور ستر خوش بخت اور فرخندہ فال ہستیوں کے ساتھ مل کر اسلام کی تاریخ بنانے میں اپنا کردار ادا کریں، جہاں انھوں نے تاریکی کے پردے میں اپنے ننھے ننھے ہاتھوں کو بڑھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقبہ کی بیعت کی تھی۔ اس تاریخ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے والدین سے زیادہ محبوب اور ان کا دین ان کے نزدیک اپنی جان سے زیادہ عزیز ہوگیا تھا۔

اپنی کم سنی کے باعث جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہ معرکہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے۔ اسی طرح وہ غزوۂ اُحد میں شرکت کے شرف سے بھی محروم رہے کیوں کہ اس

موقع پر بھی ان کی عمر ہتھیار اُٹھانے کی نہیں تھی۔ البتہ اس کے بعد سارے غزوات میں ان کو رسول اللہ ﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ اور ان میں سے ہر ایک میں انھوں نے عزت و غلبہ، مجد و شرف اور فدا کاری و جاں سپاری کے لافانی نقوش اور ناقابل فراموش کارنامے انجام دیے۔

لیکن یہ سارے کارنامے اپنی عظمت و دلکشی کے باوجود حقیقت میں اس عظیم الشان کارنامے کی زبردست تیاری کے مختلف مراحل تھے جس کا ذکر ہم آئندہ سطور میں کرنے والے ہیں، جو آپ کے ضمیر کو اس طرح جھنجھوڑ کر رکھ دے گا جس طرح وہ زمانہ نبوت ﷺ سے لے کر اب تک لاکھوں مسلمانوں کے ضمیر کو جھنجھوڑ چکا ہے اور جس کی کہانی مرور زمانہ کے باوجود آپ کو اسی طرح حیرت و استعجاب سے دوچار کر دے گی جس طرح ان کو کر چکی ہے۔ تو آیئے! ہم اس المناک کہانی کو اس آغاز سے سنتے ہیں:

نو (9) ہجری تک شجر اسلام کا تنا کافی مضبوط و توانا ہو چکا تھا، اس کی شاخیں قوی ہو چکی تھیں اور اس کی جڑیں گہرائیوں میں اُتر چکی تھیں۔ اس سال عرب کے اطراف و جوانب سے مختلف قبائل کے وفود کی آمد کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ یہ وفود مدینہ منورہ میں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے، ان کے سامنے اپنے قبول اسلام کا اعلان کرتے اور ان کے دست مبارک پر سمع و طاعت کی بیعت کرتے تھے۔ انھیں وفود میں بنی حنیفہ کا وہ وفد بھی تھا جو نجد کے بالائی حصے سے آیا تھا۔ اس وفد نے مدینۃ الرسول ﷺ کے کنارے پڑاؤ ڈالا اور مسیلمہ بن حبیب نامی ایک شخص کو سامان کی حفاظت کے لیے پیچھے چھوڑ کر دربار نبوی ﷺ میں حاضری کے لیے روانہ ہو گیا۔ انھوں نے آپ ﷺ کے سامنے اپنی اور اپنے قبیلے کی طرف سے اسلام کا اعلان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا، ان کی خاطر

تواضع فرمائی اور پیچھے رہ جانے والے ساتھی سمیت ان میں سے ہر ایک کے لیے عطیات کا حکم دیا۔

اس وفد کے واپس نجد پہنچنے کے ساتھ ہی مسیلمہ بن حبیب اسلام سے پھر گیا اور اس نے لوگوں کے مجمع میں کھڑے ہو کر اعلان کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو بنو حنیفہ کے لیے نبی بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ محمد بن عبداللہ کو قریش کے لیے بھیجا ہے۔

اس اعلان کے ساتھ ہی بنو حنیفہ کے لوگ مختلف عوامل و داعیات کے تحت اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ ان لوگوں میں قبائل کی عصبیت کا جذبہ تھا۔ ان اس کے سردار نے کہا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) سچے اور مسیلمہ جھوٹا ہے لیکن مجھے بنو ربیعہ کا کذاب بنو مضر کے سچے سے زیادہ پسند ہے۔''

جب مسیلمہ کے بازو مضبوط ہو گئے، اس کا معاملہ قوی ہو گیا اور اس کے متبعین کی تعداد کافی بڑھ گئی تو اس نے اپنے دو آدمیوں کے ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک خط بھیجا جس میں اس نے لکھا تھا:

''اللہ کے رسول مسیلمہ کی طرف سے اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کو۔

سلام علیک۔ اما بعد! نبوت کے اس منصب میں آپ (ﷺ) کے ساتھ مجھے بھی شریک کیا گیا ہے۔ لیکن قریش زیادتی کرتے ہیں۔''

جب یہ خط رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پڑھ کر سنایا گیا تو آپ ﷺ نے ان دونوں قاصدوں سے پوچھا:

''تم دونوں اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

''ہم بھی وہی کہتے ہیں جو اس خط میں لکھا ہوا ہے۔'' ان دونوں نے جواب دیا۔

''اللہ کی قسم! اگر سفیر کا قتل جائز ہوتا تو میں دونوں کی گردنیں اُڑا دیتا۔'' آپ

ﷺ نے فرمایا اور یہ خط لکھ کر انھیں دونوں کے ہاتھ مسیلمہ کے یہاں بھیج دیا:

"بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد رسول اللّٰہ الی مسیلمة الکذاب۔ السلام علی من اتبع الھدی أما بعد! فان الارض للّٰہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبة للمتقین"

''اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے مسیلمہ کذاب کو۔ سلام اس پر جو ہدایت الٰہی کی پیروی کرے۔ امابعد! بلاشبہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اسے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور آخرت کا بہترین انجام متقیوں کے لیے ہے۔''[1]

جب مسیلمہ کا شر حد سے تجاوز کرنے اور اس کا فساد ہر طرف پھیلنے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ اس کی گمراہی پر زجر و توبیخ کرتے ہوئے اس کو ایک خط بھیجیں۔ چنانچہ اس خدمت کے لیے آپ ﷺ نے جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہما کو طلب فرمایا جو اس وقت ایک خوبصورت اور بھرپور جوانی کے مالک اور سرتاپا ایمان کی ایک مکمل تصور تھے۔

جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کسی سستی اور تاخیر کے بغیر رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کے لیے روانہ ہوگئے۔ وہ راستے کے نشیب و فراز کو طے کرتے ہوئے نجد کے بالائی حصے میں واقع بنو حنیفہ کے دیار میں پہنچے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک مسیلمہ کے حوالے کر دیا۔

خط کے مندرجات سے آگاہ ہوتے ہی مسیلمہ کا سینہ نفرت اور کینہ سے پھول گیا

---

[1] سیرت النبی، امام ابن کثیر: 2/559۔ 560.

اور اس کے زرد اور قبیح چہرے پر شرارت اور غداری کے آثار نمایاں ہو گئے۔ اس نے جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں حکم دیا کہ ان کو پابہ زنجیر کر دیا جائے اور اگلے روز چاشت کے وقت میرے سامنے پیش کیا جائے۔

اگلے روز مسیلمہ نے اپنی مجلس منعقد کی، کرسی صدارت پر متمکن ہوا، دائیں بائیں اپنے متبعین کے سرغنوں کو بٹھایا اور عوام کی مجلس میں آنے کا حکم دیا۔ پھر اس نے جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کو پیش کرنے کا اشارہ کیا چنانچہ وہ بوجھل بیڑیوں میں آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے ہوئے اس کے سامنے پہنچے اور اس کینہ پرور مجمع میں اپنے لمبے قد، بلند سر اور اونچی ناک کے ساتھ اس طرح تن کر کھڑے ہو گئے جیسے کوئی مضبوط نیزہ زمین میں سیدھا گاڑ دیا گیا ہو۔

مسیلمہ نے ان کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا:

''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں؟''

''ہاں'' انھوں نے فوراً جواب دیا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔''

یہ جواب سن کر وہ غصے سے پھٹ پڑا اس نے پھر پوچھا:

''اور کیا تم یہ بھی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟''

''میرے کان تمھاری بات سننے کے لیے بہرے ہیں۔'' انھوں نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا:

یہ سن کر مسیلمہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ غصے میں اس کے ہونٹ کانپنے لگے اور اس نے اپنے جلاد کو حکم دیا کہ اس کے بدن کا ایک عضو کاٹ دو۔ جلاد نے تلوار کا ایک بھرپور وار کیا اور ان کے جسم کا ایک حصہ کٹ کر زمین پر تڑپنے لگا۔ اس نے پھر وہی

سوال دوہرایا:

''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں؟''

''ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔'' انھوں نے پھر وہی جواب دیا۔

''اور تم یہ بھی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟'' اس نے دوبارہ وہی سوال کیا۔

''میں کہہ چکا ہوں کہ میرے کان تمھاری یہ بات سننے سے معذور ہیں۔'' انھوں نے جواب دیا۔

اس نے جلاد کو ان کے جسم کا ایک اور عضو کاٹنے کا حکم دیا، جو کاٹ دیا گیا اور لڑھکتا ہوا پہلے عضو کے پاس جا کر ٹھہر گیا۔ لوگ پورے عرصے میں نگاہیں اُٹھائے بڑی حیرت و استعجاب کے ساتھ ان کی ثابت قدمی اور ضد کو دیکھتے رہے۔

مسیلمہ سوال کرتا رہا، جلاد ایک ایک عضو کاٹتا رہا اور جناب حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کہتے رہے:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔'' یہاں تک کہ ان کا آدھا جسم کٹے ہوئے ٹکڑوں کی شکل میں زمین پر بکھر گیا اور آدھا گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں بولتا رہا۔ پھر ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اس وقت ان کے پاکیزہ ہونٹوں پر انھی رسول پاک ﷺ کا نامِ نامی تھا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کا نام جن کے دست مبارک پر انھوں نے عقبہ کی رات میں بیعت کی تھی۔

جب ان کی ماں، نسیبہ مازنیہ رضی اللہ عنہا کو ان کی شہادت کی خبر دی گئی تو انھوں نے صرف اتنا کہا:

''میں نے ایسے ہی مواقع کے لیے اس کو تیار کیا تھا۔ اور اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ سے بہترین اجر کی توقع کی تھی۔ اس نے بچپن میں رسول اللہ ﷺ سے عقبہ کی بیعت کی اور جوان ہو کر ان سے وفاداری کا حق ادا کر دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مسیلمہ پر قابو بخشا تو میں اس کی لڑکیوں کو اس پر نوحہ کرنے کے لیے مجبور کر دوں گی۔''

اور نسیبہ رضی اللہ عنہا کو جس دن کی تمنا کی تھی، اس کے آنے میں زیادہ دن نہیں لگے۔ ایک روز خلیفہ رسول اللہ ﷺ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ اعلان ان کے منادی کی زبانی مدینہ منورہ کے تمام گلی کوچوں میں سنائی دے رہا تھا:

''جھوٹے مدعی نبوت ...... مسیلمہ کذاب...... سے جنگ کے لیے چلو۔''

اور مسلمان تیزی سے قدم اُٹھاتے ہوئے اس سے مقابلے کے لیے روانہ ہو گئے۔ اس فوج میں نسیبہ مازنیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے صاحبزادے جناب عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ جنگ کے دوران میں یہ دیکھا گیا کہ نسیبہ رضی اللہ عنہا ایک بپھری ہوئی شیرنی کی طرح دشمن کی صفوں میں چیرتی ہوئی پکارتی پھر رہی تھی:

''کہاں ہے اللہ تعالیٰ کا دشمن ...... بتاؤ مجھے، کہاں ہے وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن؟'' اور جب اس کے پاس پہنچیں تو دیکھا کہ وہ زمین پر گرا ہوا ہے اور مسلمانوں کی پیاسی تلواریں اس کے خون سے سیراب ہو رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر ان کا جی خوش ہو گیا اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ اور کیوں نہ ہوتیں! کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے نیک اور متقی فرزند کا انتقام ان کے ظالم اور بدبخت قاتل سے نہیں لے لیا؟ کیوں نہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان کا انتقام لے لیا اور وہ دونوں فریق اپنے رب کی طرف گئے، مگر ایک فریق جنت میں ہے اور دوسرا جہنم میں۔

(29) (مولودِ کعبہ) جناب حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ

ایک روز جب کعبہ کسی تہوار کے موقع پر عوام کے لیے کھلا ہوا تھا، جناب حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی والدہ غم غلط کرنے اور جی بہلانے کے خیال سے اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ اس میں داخل ہوئیں۔ اس وقت وہ حاملہ تھیں اور حمل کی مدت پوری ہو چکی تھی۔ خانہ کعبہ کے اندر ہی یکا یک ان کو اس شدت کا دردِ زہ شروع ہو گیا کہ اس میں سے باہر نہ نکل سکیں۔ آخر کار ان کے لیے چمڑے کا ایک فرش لا کر بچھا دیا گیا جس پر انھوں نے اپنے بچے کو جنم دیا۔ اور وہ بچہ تھا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ جو ام المؤمنین خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کا بھتیجا تھا۔

جناب حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی نشو ونما ایک ایسے اعلیٰ اور شریف خاندان میں ہوئی تھی جو زبردست اثر و رسوخ اور غیر معمولی دولت و ثروت کا مالک تھا۔ اس کے علاوہ ذاتی طور پر بھی وہ نہایت عقل مند، شریف اور فاضل شخص تھے۔ انھیں خوبیوں کی وجہ سے قبیلے والوں نے ان کو اپنا سردار منتخب کر لیا اور رقادہ کا اہم منصب ان کے حوالے کر دیا تھا۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت میں وہ اپنے ذاتی مال میں سے کافی رقم بیت اللہ کے ان حجاج پر خرچ کرتے تھے جو زادِ راہ اور سواری سے محروم ہوتے۔

جناب حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت پر فائز ہونے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے گہرے دوست تھے۔ اگرچہ عمر میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سال بڑے تھے مگر اس کے باوجود انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی انسیت اور محبت تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھ کر انھیں بے انتہا مسرت حاصل ہوتی تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پھوپھی خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی تو دوستی پر رشتہ داری کا اضافہ بھی ہو گیا، جس نے ان دونوں

کے تعلقات کو مزید مستحکم کر دیا۔

چنانچہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو کر لذت ایمان سے آشنا ہوئے تھے، اپنی زندگی کے ان لمحات پر مسلسل پچھتاتے اور ندامت کے آنسو بہاتے رہے جو شرک باللہ اور نبی کریم ﷺ کی تکذیب میں گزرے تھے۔ اسلام لانے کے بعد ایک دن ان کے بیٹے نے ان کو روتے ہوئے دیکھ کر پوچھا:

''ابا جان! کیا چیز آپ کو رلا رہی ہے؟''

''بہت سی باتیں ہیں بیٹے! اور وہ سب مجھے رونے پر مجبور کر رہی ہیں۔'' انھوں نے بڑی حسرت سے کہا: ''ان میں سے سب سے پہلی بات ہے اسلام میں میرا پیچھے رہ جانا جس کی وجہ سے بہت سے ایسے زریں مواقع میرے ہاتھ سے نکل گئے کہ اب اگر دنیا کی ساری دولت بھی خرچ کر دوں تو ان کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا۔ پھر یہ بات کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر اور اُحد سے مجھے نجات دی تو اس وقت میں نے اپنے دل میں ٹھان لیا تھا کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے خلاف کسی بھی موقع پر قریش کے ساتھ نہ کسی قسم کا کوئی تعاون کروں گا نہ مکے سے باہر نکلوں گا۔ مگر افسوس! قریش کی مدد کے لیے مجھے برابر گھسیٹا جاتا رہا۔ پھر یہ بات کہ جب بھی میں دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ کرتا، میری نگاہیں قریش کے ان اہم اور سربرآوردہ لوگوں کی طرف اُٹھ جاتیں جو عمر میں مجھ سے بڑے اور قدر و منزلت میں مجھ سے فائق تر تھے۔ میں دیکھتا کہ وہ لوگ جاہلی دین اور اس کے طور طریقوں کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں اور اس وقت میں خود کو ان کی تقلید پر مجبور پاتا تھا۔ کاش کہ میں نے ایسا نہ کیا ہوتا ہم کو تو بس ہمارے آباء و اجداد اور سرداروں کی اندھی تقلید ہی نے تباہی کے گڑھے میں گرایا ہے۔ تو میرے بیٹے! بتاؤ کہ میں ان حالات میں کیوں نہ روؤں؟''

اور حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا اسلام کی راہ میں پیچھے رہ جانا جس طرح ہمارے اور خود ان کے لیے وجہ حیرت ہے، اسی طرح یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی حیران کن تھی کہ کوئی شخص جو حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ جیسی عقل وفہم سے آراستہ ہو، اسلام کی خوبیوں سے نابلد کیسے رہ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اور ان جیسے چند دوسرے لوگوں کے متعلق توقع رکھتے تھے کہ یہ لوگ اسلام قبول کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں گے۔ چنانچہ فتح مکہ سے ایک رات پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا:

مکے میں چار اشخاص ایسے ہیں جن کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ انھیں شرک سے دور اور اسلام سے قریب ہونا چاہیے تھا۔'' اور یہ پوچھنے پر کہ وہ کون لوگ ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

''وہ ہیں عتاب بن اسید، جبیر بن مطعم، حکیم بن حزام اور سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہم۔''

اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ چاروں حضرات اسلام قبول کر کے اس کے دست و بازو بن گئے تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک فاتح کی حیثیت سے مکے میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی عزت افزائی کے لیے اپنے منادی کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا:

''جو شخص اس بات کی شہادت دے کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ مامون ہے۔ جو شخص کعبہ کے پاس بیٹھ جائے اور اپنے ہتھیار اُتار کر رکھ دے، وہ بھی مامون ہے۔ جو کوئی اپنے گھر کا دروازہ اندر سے بند کر لے، وہ محفوظ ہے۔ جو آدمی ابو سفیان بن حرب کے گھر میں داخل ہو جائے، اس کو امان ہے۔ اور جو آدمی حکیم بن حزام (رضی اللہ عنہ) کے گھر میں داخل ہو جائے، اس کو بھی امان ہے۔''

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا مکان مکہ کے نشیبی حصے میں اور ابو سفیان کا مکان اس کے بالائی حصے میں واقع تھا۔

جناب حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو اس شان سے کہ وہ ان کے دل ودماغ پر حاوی ہو گیا اور انھوں نے ایمان کو اپنایا تو اس اندازہ سے کہ وہ ان کے رگ و پے میں سرایت کر گیا اور ان کے دل کی گہرائیوں میں جاگزین ہو گیا۔ انھوں نے اس بات کا عزم مصمم کر لیا کہ زمانہ جاہلیت میں جو موقف بھی انھوں نے اپنائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں جو اخراجات بھی انھوں نے کیے تھے، ان سب کی چند در چند تلافی کر کے رہیں گے۔ اور واقعی انھوں نے اپنے اس عزم کو پورا کر کے دکھا دیا۔

دارالندوہ جس کی بڑی زبردست تاریخی اہمیت تھی، جس میں جاہلیت کے زمانے میں قریش اپنی مشاورتی مجلسیں منعقد کرتے تھے اور جس میں سرداران قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشیں کرنے کے لیے جمع ہوا کرتے تھے۔ ان کی ملکیت میں آیا تو انھوں نے چاہا کہ اس سے چھٹکارا حاصل کر لیں۔ گویا وہ قابل نفرت اور گھناؤنے ماضی کو طاق نسیان کے حوالے کر دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس کو ایک لاکھ درہم میں فروخت کر دیا اور جب ایک قریشی نوجوان نے ان سے کہا کہ چچا جان! آپ نے قریش کی قابل فخر یادگار کو بیچ دیا تو انھوں نے اس کو جواب دیا:

''بیٹے! تمھاری اس بات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ فخر و مباہات کی ساری باتیں اب ختم ہو چکی ہیں۔ اب اگر کوئی چیز باقی رہ گئی ہے تو وہ تقویٰ ہے۔ میں نے اس کو صرف اس لیے فروخت کیا ہے کہ اس کی قیمت سے جنت میں ایک مکان خرید سکوں۔ تم سب لوگ گواہ رہنا کہ میں اس کی قیمت اللہ عزوجل کی راہ میں صدقہ کر رہا ہوں۔''

جناب حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد جب پہلی بار سفر حج پر گئے تو ان

کے ساتھ قربانی کی ایک سو اونٹنیاں تھیں جن کے اوپر قیمتی کپڑوں کی خوبصورت جھولیں پڑی ہوئی تھیں دوسرے حج میں وقوف عرفات کے موقع پر ان کے ساتھ ایک سو غلام تھے جن کی گردنوں میں چاندی کے پٹے پڑے تھے، جن پر لکھا ہوا: "عُتَقَاءُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ ." تیسرے حج کے موقع پر قربانی کی ایک ہزار بکریاں لے گئے تھے۔ جی ہاں! ایک ہزار بکریاں اور منیٰ میں ان سب کی قربانی کر کے ان کا گوشت فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا تھا۔

غزوۂ حنین کے موقع پر انھوں نے ایک دفعہ مال غنیمت میں سے مانگا تو آپ ﷺ نے ان کو عنایت فرمایا۔ انھوں نے دوبارہ مانگا تو آپ ﷺ نے پھر مرحمت فرمایا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک سو اونٹ دے دیے۔ اس وقت وہ اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''حکیم! یہ مال نفس کے لیے بڑا پرکشش ہوتا ہے۔ جو شخص اسے قناعت کے ساتھ لیتا ہے اس کے لیے یہ بابرکت ہے، اور جو شخص حرص و طمع کے ساتھ لیتا ہے، اس کے لیے نامبارک ثابت ہوتا ہے۔ اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔'' جناب حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو عرض کیا:

> ''اے اللہ کے رسول! قسم ہے اس ہستی کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے آپ ﷺ کے بعد نہ میں کسی سے کچھ مانگوں گا نہ زندگی بھر کسی سے کچھ لوں گا۔''

اور واقعی انھوں نے اپنی یہ قسم پوری کر دکھائی۔ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو متعدد بار بلایا کہ اپنا وظیفہ بیت المال سے لے لیں مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ ان کے بعد جب جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داریاں

سنبھالیں تو وہ بھی انھیں بلاتے رہے، لیکن جب وہ کسی قیمت پر آمادہ نہیں ہوئے تو جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے مجمع میں کھڑے ہوکر فرمایا:

''مسلمانو! آپ سب لوگ اس بات کے گواہ رہیں کہ میں حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو بیت المال سے اپنا حصہ لینے کے لیے بلاتا ہوں مگر وہ اس سے انکار کرتے ہیں۔''

اور جناب حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے پوری زندگی اس طرح گزار دی کہ انھوں نے کبھی کسی سے کچھ نہیں لیا۔ [1]

(30) جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ

''عباد بن بشر'' دعوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ میں ایک نہایت درخشاں اور تابندہ نام ہے۔ اگر آپ عبادت گزاروں کے درمیان تلاش کریں تو ان کو صاحب تقویٰ، پاکیزہ خصلت اور اللہ عزوجل کی بارگاہ میں کھڑے ہوکر قرآن پڑھنے والا پائیں گے اور اگر بہادروں اور سورماؤں میں ڈھونڈیں تو ان کو سرفروش، حامی اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے معرکوں میں گھسنے والا دیکھیں گے اور اگر گورنروں اور والیوں میں دیکھیں تو یہ مسلمانوں کے مال کے محافظ اور امین نظر آئیں گے۔ یہاں تک کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے اور ان کے قبیلے کے دو دوسرے حضرات کے متعلق فرمایا تھا کہ انصار میں تین آدمی ایسے ہیں کہ فضل وشرف میں کوئی ان سے برتر نہیں، ان تینوں کا تعلق بنی عبدالاشہل سے ہے، اور وہ ہیں سعد بن معاذ، اسید بن حضیر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم اس وقت جب افق یثرب پر آفتاب اسلام کی شعاعیں ضوفگن ہوئی تھیں، جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کی نوجوانی اور عنفوان شباب کا زمانہ تھا۔ ان کے چہرے سے عفت وطہارت

[1] صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، رقم: 1472.

کی تازگی وشادابی ہویداتھی اور ان کے رویے اور طریقے کار سے پختہ عمر والوں کی سی سنجیدگی اور متانت نمایاں تھی حالانکہ اس وقت ان کی عمر ابھی پچیس سال سے متجاوز نہیں تھی۔

جب نوجوان مکی داعی اسلام، جناب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ہوئی تو ایمانی روابط، کریمانہ عادات وخصائل اور شریفانہ اخلاق واطوار نے بہت جلد ان دونوں کے دلوں میں الفت ومحبت اور یک جہتی وہم آہنگی پیدا کر دی۔ اور جب انھوں نے جناب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اپنی بلند و پرجوش آواز اور دل کش وپرسوز لہجے میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے سنا تو کلام الٰہی کی محبت ان کے دل کی اتھا گہرائیوں میں اُتر گئی اور سویدائے قلب کی لامحدود وسعتوں پر چھا گئی اور انھوں نے قرآن کریم کی تلاوت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ رات ہو، دن ہو، سفر ہو، حضر ہو ہر وقت اور ہر جگہ اسے پڑھتے رہتے تھے، یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان وہ ''امام'' اور ''صدیق قرآن'' کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں جو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل تھا۔ تہجد میں مصروف تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی، جو اپنی نمناک اور لوچ دار آواز میں قرآن کریم کی قرأت اس طرح کر رہے تھے جیسا کہ جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل کیا تھا۔ تو عائشہ رضی اللہ عنہا کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

''عائشہ! یہ عباد بن بشر کی آواز ہے۔''

''ہاں! اے اللہ کے رسول!'' انھوں نے جواب دیا:

''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ۔'' ''اے اللہ! ان کی مغفرت فرما دے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

کے لیے دعا فرمائی۔

جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے اور ہر ایک میں انھوں نے ایسے ایسے شاندار کارنامے انجام دیے جو ایک حامل قرآن کے شایان شان تھے۔ انھی میں سے ایک یہ ہے:

غزوۂ ذات الرقاع سے فارغ ہونے کے بعد واپس آتے ہوئے رات گزارنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے ساتھ ایک گھاٹی میں قیام فرمایا۔ اس غزوے کے دوران میں کسی مسلمان نے ایک مشرک عورت کو اس کے شوہر کی غیر موجودگی میں گرفتار کر لیا تھا۔ واپس آ کر جب اس نے اپنی بیوی کو نہیں پایا تو لات وعزی کی قسم کھاتے ہوئے کہا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب (رضی اللہ عنہم) کا ضرور پیچھا کروں گا اور ان کا خون بہائے بغیر واپس نہیں آؤں گا۔

جب مسلمان اپنی سواریوں کو بٹھا کر ان کے کجاوے اُتار چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''آج رات ہماری پاسبانی کون کرے گا؟''

''اے اللہ کے رسول! یہ خدمت ہم انجام دیں گے۔'' جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ اور جناب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا۔ مہاجرین جب مدینہ میں آئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان مواخاۃ قائم کی تھی۔ جب یہ دونوں حضرات پہرہ دینے کے لیے گھاٹی کے دہانے پر پہنچے تو جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ رات کے کس حصے میں آرام کرنا پسند کریں گے۔ نصف اول میں یا نصف آخر میں؟ تو جناب عمار رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نصف اول میں آرام کروں گا۔ اور یہ کہہ کر وہ ان کے قریب ہی لیٹ گئے۔

رات سنسان، پرسکون اور تاریک تھی۔ ہر طرف خاموشی کا پہرہ تھا۔ آسمان پر ستارے اور زمین شجر و حجر سب اپنے رب کی تسبیح و تقدیس میں مشغول تھے۔ اس سناٹے کے عالم میں جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کی طبیعت عبادت کی طرف مائل ہوئی اور ان کے دل میں تلاوت قرآن کا شوق پیا ہوا۔ وہ قرآن کی شیرینی سے اس وقت سب سے زیادہ لطف انداز ہوتے تھے جب اسے نماز میں ترتیل کے ساتھ پڑھ رہے ہوں۔ اس طرح وہ نماز اور تلاوت کے لطف کو یکجا کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ قبلہ رو ہو کر انھوں نے نماز کی نیت باندھ لی اور اپنی پرسوز، نمناک اور شیریں آواز میں سورۂ کہف کی تلاوت شروع کر دی۔

وہ اس تابندہ نور الٰہی میں تیر رہے تھے اور سر سے پیر تک اس کی روشنی میں نہائے ہوئے تھے۔ اسی دوران میں وہ بدو تیزی سے قدم اُٹھاتا ہوا آ پہنچا۔ جب اس نے دور ہی سے جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو گھاٹی کے دہانے میں کھڑا دیکھا تو سمجھ گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم گھاٹی کے اندر ہیں اور یہ ان کا پہرے دار ہے۔ اس نے اپنی کمان کی تانت چڑھائی، ترکش سے تیر نکالا اور چلے پر رکھ کر ان کی طرف چلا دیا جو ان کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ جناب عباد رضی اللہ عنہ نے تیر کو اپنے بدن سے نکال کر پھینک دیا اور اپنی تلاوت کے سلسلے کو اسی جوش و خروش کے ساتھ جاری رکھا اور نماز کے خشوع و خضوع میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ اس آدمی نے دوسرا تیر مارا جو ان کے بدن میں ترازو ہو گیا۔ جناب عباد رضی اللہ عنہ نے پہلے کی طرح اس کو بھی نکال پھینکا۔ پھر اس نے تیسرا تیر مارا انھوں نے اس کو بھی اسی طرح نکال کر پھینک دیا جیسے پہلے دونوں کو نکالا تھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ کھسکتے ہوئے اپنے ساتھی کے پاس پہنچے اور یہ کہتے ہوئے ان کو بیدار کیا:

''اُٹھئے، زخموں نے مجھے نڈھال کر دیا۔'' جب اس آدمی نے ایک کے بجائے دو آدمیوں کو دیکھا تو دھیرے سے کھسک گیا۔ جناب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی توجہ ان کی طرف ہوئی تو ان کے تینوں زخموں سے تیزی کے ساتھ خون بہتا ہوا دیکھ کر بولے:

''سبحان اللہ! آپ نے مجھے اسی وقت کیوں نہیں جگا دیا جب اس نے پہلا تیر مارا تھا؟'' تو جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: '' میں ایک سورہ پڑھنے میں مصروف تھا اور اس کو اختتام تک پہنچائے بغیر درمیان میں منقطع کر دینا مجھے اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میں اس پاسبانی کے مقصد کو ضائع کر دوں گا، جس کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیا تھا تو قرأت کے سلسلے کو منقطع نہ کرتا چاہے اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جاتی۔''[1]

جب جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مرتدین کے خلاف جنگوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا اور انھوں نے مسیلمہ کذاب کے فتنے کا سدباب کرنے، اس کے معاون و مددگار مرتدین کی قوت کو توڑنے اور انھیں دوبارہ دائرہ اسلام میں لانے کے لیے ایک زبردست فوج تیار کی تھی جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ اس کے ہراول میں شامل تھے۔ جنگ کے دوران میں جس میں مسلمان ابھی تک کوئی قابل ذکر کامیابی نہیں حاصل کر سکے تھے، جناب عباد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مہاجرین و انصار، دونوں فریق جنگ کو ایک دوسرے پر ٹال رہے ہیں تو اس صورت حال نے ان کے سینے کو رنج و غم سے بھر دیا۔ انھوں نے سنا کہ ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ کو بزدلی اور کم ہمتی کے طعنے دے رہا ہے تو یہ باتیں ان کو سخت ناگوار گزریں اور ان کو اس بات کا پختہ یقین ہو گیا کہ ان ہلاکت آفریں معرکوں میں مسلمانوں کی کامیابی کی اس کے سوا دوسری کوئی شکل نہیں

[1] سیرت النبی، امام ابن کثیر: 2/124۔125.

کہ مہاجرین اور انصار دونوں فریق ایک دوسرے سے الگ ہوکرلڑیں تا کہ ہر گروہ اپنی ذمہ داری کا خود جواب دہ ہو اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ وہ کون لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ڈٹ کر استقلال و پامردی کے ساتھ جہاد کا حق ادا کر رہے ہیں۔

آخری اور فیصلہ کن معرکے سے ایک رات پہلے جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا، انھوں نے دیکھا کہ آسمان ان کے لیے شق ہو گیا اور جب وہ اس میں داخل ہو گئے تو ان کے پیچھے اس کا دروازہ بند ہو گیا۔ صبح کو انھوں نے اس کا ذکر جناب ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے کیا اور پھر خود ہی کہا کہ ابوسعید! اللہ کی قسم! یہ شہادت ہے۔

دن کو جب از سرِنو جنگ کا آغاز ہوا تو جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہوکر بآواز بلند پکارنا شروع کیا: ''اے گروہ انصار! تم دوسرے لوگوں سے الگ ہو جاؤ، تلواروں کی میانیں توڑ کر پھینک دو اور ہرگز اس بات کا موقع نہ دو کہ اسلام کو تمھاری جانب سے کوئی زک پہنچے۔'' اور وہ مسلسل یہ آواز لگاتے رہے حتیٰ کہ ان کے پاس تقریباً چار سو انصاری جاں باز جمع ہو گئے جن کے سربراہ جناب ثابت بن قیس، جناب براء بن مالک اور جناب ابودجانہ رضی اللہ عنہم صاحب سیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ اور ان کے یہ ساتھی اپنی تلواروں سے دشمن کی صفوں کو درہم برہم کرتے اور اپنے سینوں سے موت کو ان کی طرف دھکیلتے ہوئے آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ مسیلمہ اور اس کے حامیوں کا زور ٹوٹ گیا اور وہ حدیقۃ الموت میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ پھر وہیں، حدیقۃ الموت کی فصیلوں کے پاس جناب عباد بن بشر رضی اللہ عنہ شہید ہو کر گر پڑے اور اپنے خون میں نہا گئے۔ اس وقت ان کے بدن پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے اتنے زخم تھے کہ ان کو بڑی مشکل سے ان کی بعض علامتوں کی مدد سے پہچانا جا سکا۔

باب 11

اصحابِ صفہ رضی اللہ عنہم

یہ وہ پردیسی اور بے سروسامان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جو دُنیا سے بے رغبت تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کو قیام گاہ بنائے ہوئے تھے۔ مسجد کے آخر میں ان کے قیام کے لیے ایک چبوترہ تھا جو مسجد سے علیحدہ تھا اور اس پر سایہ کے لیے کچھ پڑا ہوا تھا اسی پر وہ رات گزارے تھے۔ جب باہر سے لوگ آ کر ان میں مل جاتے تو ان کی تعداد بڑھ جاتی اور ان میں سے کوئی وفات پا جاتا یا گھر والا ہو جاتا تو ان کی تعداد گھٹ جاتی۔ علامہ سیوطی نے (101) کے نام گنوائے ہیں اور امام حاکم نے (134) کو اصحاب صفہ میں شمار کیا ہے۔

(1) سیدنا ابو کبشہ رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ کا نام سلیم اور کنیت ابو کبشہ تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے نسب اور قبیلہ میں اختلاف ہے، بعض مکی، بعض فارسی بتاتے ہیں اور بعض کے نزدیک آپ کا تعلق قبیلہ دوس سے تھا۔ آپ غلام تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد فرمایا تھا۔ [1]

ان کے اسلام لانے کا زمانہ متعین کرنا مشکل ہے۔ البتہ دعوت اسلام کے قریب زمانہ میں مسلمان ہوئے۔

مکہ مکرمہ میں تو صاحب مرتبہ اور خاندانی لوگ جو مسلمان ہو جاتے ان کی عزت و آبرو مشرکین کے ہاتھوں محفوظ نہ تھی اور غلاموں کے حالات کا پوچھنا ہی کیا۔ ابو کبشہ رضی اللہ عنہ

[1] سير اعلام النبلاء، جلد دوم.

بھی غلام تھے ان کا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی آسرا نہ تھا۔ اس لیے ہجرت کا حکم ملتے ہی مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور یہاں کلثوم بن ھرم کے ہاں ٹھہرے۔ ❶

مدینہ آنے کے بعد تقریباً سب ہی غزوات میں شریک ہوئے اور بدری ہونے کا شرف بھی حاصل کیا۔

کفارقریش جس طرح آپ ﷺ کی شان اقدس میں اور طریقوں سے گستاخیاں کرتے وہیں ایک گستاخی یہ بھی کرتے کہ آپ ﷺ کو ابو کبشہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا کہتے۔ چنانچہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے قبول اسلام سے قبل ہرقل شاہ روم کے دربار میں جو گفتگو کی تھی اس کے بعد کہا کہ ابو کبشہ (رضی اللہ عنہ) کے بیٹے کا معاملہ بہت بڑھ گیا ہے۔ ❷ اس کی وجہ محدثین کرام رحمہم اللہ کے بیان کے مطابق یہ تھی کہ حضرت ابو کبشہ رضی اللہ عنہ کے آباؤ و اجداد میں کوئی شخص گزرا تھا اس کا نام بھی ابو کبشہ تھا۔ وہ تمام عرب کے خلاف ''شعری'' کی پرستش و پوجا کرتا تھا اور آنحضرت ﷺ نے بھی تمام عرب کے خلاف بت پرستی کو چھوڑ کر ایک اللہ تعالیٰ کی دعوت دینا شروع کی تھی۔ اس لیے عربوں کی مخالفت کی وجہ سے آپ ﷺ کو ابن ابی کبشہ کہا جاتا کہ ابو کبشہ کا دوسرا بیٹا پیدا ہوا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال 22 جمادی الثانیہ 13ھ، پیر کے روز ہوا❸ اور اسی دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سلطنت اسلامیہ کی خلافت سنبھالی تھی۔ گویا کہ ادھر سے ایک آفتاب رشد اپنی کرنیں بکھیرنے چلا تھا اور دوسری طرف ایک ماہ کامل غروب ہورہا تھا۔

(2) سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی رفاعہ اور کنیت ابولبابہ تھی، قبیلہ اوس سے آپ رضی اللہ عنہ کا تعلق

❶ سیر اعلام النبلاء، جلد دوم۔ ❷ صحیح بخاری، 3/1.
❸ اسد الغابہ: 282/5.

تھا، سلسلہ نسب یہ ہے۔

رفاعہ بن عبدالمنذر بن زبیر بن امیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

آپ رضی اللہ عنہ عقبہ ثانیہ میں اسلام لائے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکثر غزوات میں شرکت کی اور غزوہ بدر میں آپ رضی اللہ عنہ کو خاص امتیاز حاصل ہوا۔

سواریوں کی کمی کی وجہ سے ہر اونٹ پر تین تین آدمی سوار ہوتے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے حصے میں جو اونٹ آیا وہ شاہ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس پر سوار ہوتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُترنے کی باری آتی تو یہ دونوں جاں نثارِ نبوت عرض کرتے کہ ہم پیدل چلتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار رہیے۔ لیکن قاسم خیر وانصاف سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: تم مجھ سے زیادہ پیدل چلنے پر قادر نہیں اور نہ میں تم سے زیادہ ثواب سے بے نیاز ہوں۔

مدینہ منورہ سے چھتیس 36 میل کی مسافت پر ایک مقام روحاء ہے۔ وہاں پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ پر اپنا نائب مقرر کر کے واپس روانہ کیا لیکن جب غنیمت میں حصہ لگا تو ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا حصہ بھی دوسرے شرکاء کے برابر دیا گیا۔ اس کے علاوہ غزوہ قینقاع اور غزوہ سویق میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مدینہ منورہ پر اپنا جانشین بنایا۔

پانچ 5ھ میں جناب نبی السیف صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوقریظہ کے یہودیوں کا محاصرہ کیا اور اکیس روز تک محاصرہ جاری رکھا۔

یہ لوگ اسلام کے سخت دشمن تھے، ان کے قبیلے کا قبیلہ اوس سے حلف تھا یعنی یہ

ایک دوسرے کے حلیف تھے، اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کے لیے انھوں نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بلایا جو کہ اوسی تھے۔ یہ وہاں پہنچے تو انھوں نے بڑی تعظیم کی اور ان کے سامنے اصل مسئلہ پیش کیا کہ اگر ہم نیچے اُتر آئیں تو کیا رسول اللہ ﷺ کچھ نرمی فرمائیں گے؟ یہودیوں کی عورتوں اور بچوں نے آہ و بکا شروع کی تو ان کا دل بھر آیا اور کہا میرے خیال میں تمھیں آنحضرت ﷺ کے حکم کے سامنے سرِتسلیم خم کرلینا چاہیے ورنہ......! اور ساتھ ہی گلے کی طرف اشارہ کردیا یعنی نہ ماننے کی صورت میں قتل کر دیے جاؤ گے۔ بعد میں جب خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت ہوگئی ہے تو طوطے اُڑ گئے چنانچہ اپنے آپ کو سزا دینے کا فیصلہ کیا اور مسجد نبوی میں آکر اپنے آپ کو ستون کے ساتھ ایک بھاری زنجیر سے باندھ لیا اور عہد کیا جب تک اللہ تعالیٰ توبہ قبول نہ کریں گے زنجیر نہ کھولوں گا، یہیں بندھا رہوں گا۔ کچھ عرصہ گزرا اور رسالت مآب ﷺ کو علم ہوا تو فرمایا: خیر جو کچھ ہوا اچھا ہوا، لیکن اگر وہ میرے پاس آجاتے تو میں خود ان کے لیے استغفار کرتا۔غرض اسی طرح ساتھ آٹھ دن گزر گئے کہ نماز اور تقاضہ بشری کے علاوہ زنجیر سے بندھے رہتے اور ضرورت کے وقت لڑکی زنجیر کھول دیتی اور فراغت کے بعد پھر باندھ دیتی۔

سزا کے طور پر کھانا پینا ترک کر دیا تھا، جس کے نتیجے میں کانوں نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا اور بینائی بھی خطرے میں تھی اور بھوک کی وجہ سے یہ حالت ہوگئی کہ کھڑے کھڑے گر پڑتے حتیٰ کہ رحمت الٰہی کے نزول کا وقت قریب ہوگیا۔

جناب رسالت مآب ﷺ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تھے کہ طلوع فجر سے پہلے ان کی توبہ کی آیت اُتری:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ

تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ (الانفال : 27-28)

''اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ، اس کے رسول (ﷺ) اور اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو حالانکہ تم اس کو جانتے ہو۔ خوب سمجھ لو تمھارا مال اور اولاد آزمائش ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر ہے۔''

آپ ﷺ مارے خوشی کے مسکرانے لگے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ ''اَضْحَكَ اللّٰهُ سِنَّكَ'' یا رسول اللہ! کیا بات ہے آپ ﷺ کیوں مسکرائے؟

فرمایا: ابولبابہ کی توبہ قبول ہوگئی ہے۔ اتنا کہا تھا کہ یہ خبر تمام شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی لوگ بھاگے کہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو کھول کر آزاد کر دیں لیکن انھوں نے کہا جب آنحضرت ﷺ تشریف لائیں گے تو خود اپنے دست مبارک سے کھولیں گے چنانچہ صبح کی نماز کے بعد آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ان کو کھولا۔ ❶

مارے خوشی کے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ گھر بار چھوڑ آئے اور عرض کی کہ اب آپ ﷺ کے آستانے پر رہوں گا۔ نیز اپنا کل مال صدقہ کرتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ایک تہائی صدقہ کرو۔ ❷

آٹھ 8ھ میں فتح مکہ ہوا اس میں عمرو بن عوف کا جھنڈا ان کے پاس تھا، آپ رضی اللہ عنہ غزوہ تبوک میں بھی شریک تھے۔

آپ کے دو لڑکے تھے، سائب اور عبدالرحمٰن۔

آپ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ ❸

---

❶ معارف القرآن: 211/4. ❷ مسند احمد: 453/4.

❸ الاکمال مع مشکوۃ، ص: 615.

آپ رضی اللہ عنہ بہت جلیل القدر صحابی رسول تھے۔ مدرسہ صفہ کے طالب علم تھے اور برسوں آپ ﷺ سے براہ راست احادیث سننے کا شرف حاصل کیا لیکن آپ کی مرویات کی تعداد بہت قلیل ہے۔

آپ صحبت نبوی ﷺ کے فیضان سے اخلاق نبوت کا عکس رکھتے تھے اور نہایت معمولی درجے کی باتوں میں بھی سنت رسول ﷺ اور فرمان نبوت کا خیال رکھتے۔ مثلاً:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سانپ مارنے کی حدیث سنی تھی۔ اس بنا پر جہاں سانپ دیکھتے مار ڈالتے لیکن گھر کے سانپ اس سے مستثنیٰ تھے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا مکان ان کے گھر سے بالکل ملا ہوا تھا، ایک روز ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اپنے گھر کی کھڑکی کھول دیں میں اس طرف سے مسجد جانا چاہتا ہوں، ابن عمر رضی اللہ عنہ کھڑکی کھول رہے تھے کہ پٹ کھولتے ہی ایک سانپ پر نظر پڑی، ابن عمر رضی اللہ عنہ مارنے کے لیے دوڑے تو ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے روکا اور فرمایا آپ ﷺ نے گھر کے سانپوں کو مارنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ ❶

(3) سیدنا ابومرثد الغنوی رضی اللہ عنہ

کنّاز نام، ابومرثد کنیت اور والد کا نام حصین تھا۔

سلسلہ نسب یہ ہے: کناز بن حصین ابن یربوع بن جہینہ بن سعد بن طریف بن خرشہ بن عبید بن سعد بن عوف بن کعب بن جلان بن غنم بن غنی۔ ❷

ابومرثد رضی اللہ عنہ نے آغازِ دعوت میں اسلام قبول کر لیا تھا اور ہجرت کا اعلان ہوتے ہی مدینہ منورہ چلے گئے تھے۔ سرور دو عالم ﷺ نے ان میں اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ میں بھائی چارہ کروا دیا تھا۔

---

❶ سیر الصحابہ: 207/1.

❷ اسد الغابہ مترجم: 629/3.

غزوہ بدر، اُحد، خندق اور دوسری لڑائیوں میں سرور دو عالم ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔ غزوہ بدر میں ان کے بیٹے مرثد رضی اللہ عنہ بھی ابو مرثد رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے مرثد رضی اللہ عنہ حمزہ بن عبدالمطلب کے حلیف تھے۔ مرثد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی غزوہ رجیع میں شہادت پائی۔ ❶

مشہور بدری صحابی حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے لیکن ان کے اہل و عیال مکہ مکرمہ میں ہی ان کے حلیف کی نگرانی میں تھے، جب آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کا ارادہ کیا تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بال بچوں کی حفاظت کی خاطر اپنے حلیف کو اس خفیہ پروگرام کی اطلاع دینے کے لیے خط روانہ کیا۔ آنحضرت ﷺ کو وحی کے ذریعے اس کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے چند سوار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں اس تحریر کی تلاش میں روانہ فرمائے جن میں ایک ابو مرثد رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

ان لوگوں نے ''خاخ'' کے باغ میں خط لے جانے والی عورت کو گرفتار کر لیا اور جامہ تلاشی کے بعد خط برآمد کر لیا۔ ❷

آپ رضی اللہ عنہ کا قد لمبا اور جسم پر بال بہت زیادہ تھے۔ ❸

آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بارہ 12ھ میں وفات پائی۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر چھیاسٹھ (66) سال کی تھی۔ ❹

آپ رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کی یہ حدیث مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

❶ اسد الغابہ: 629/3. ❷ صحیح بخاری: 925/2.

❸ اسد الغابہ مترجم، 629/3. ❹ اسد الغابہ: 629/3.

”قبروں پر مت بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔“❶

(4) سیدنا بلال بن ابی رباح رضی اللہ عنہ (مؤذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم)

بلال نام، ابوعبداللہ کنیت اور والد کا نام رباح تھا آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام حمامہ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ حبشی نژاد غلام تھے لیکن پیدائش مکہ مکرمہ میں ہی ہوئی، بنی جمح ان کے آقا تھے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ صورت کے لحاظ سے گو سیاہ فام حبشی تھے تاہم آئینۂ دل صاف شفاف تھا جو کہ اس وقت نورِ ایمان سے منور ہو چکا تھا جب وادی بطحا کی گوری مخلوق غرورِ حسن و زعم شرافت میں ضلالت و گمراہی کی ٹھوکریں کھا رہی تھی وہ چند بزرگ جو ابتداء میں اسلام لائے ان میں سے جن کو اظہارِ اسلام کا شرف حاصل تھا ان میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی ایک تھے سچ ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کمزور ہمیشہ سب سے زیادہ ظلم و ستم کی آماجگاہ بنتا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنی ذاتی حالت کی وجہ سے اور زیادہ جور و جفا کا شکار ہوئے اور گوناگوں مصائب اور طرح طرح کے مظالم سے ان کے صبر و استقلال کی آزمائش ہوئی تپتی ریت، جلتے ہوئے سنگریزے اور دہکتے ہوئے انگاروں پر ان کو لٹا دیا گیا۔

مشرکین کے لڑکوں نے گلے میں رسیاں ڈال کر بازیچہ اطفال بنایا لیکن ان تمام روح فرسا اور جاں گسل آزمائشوں کے باوجود توحید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ ابوجہل ان کو منہ کے بل سنگریزوں پر لٹا کر اوپر سے پتھر کی چکی رکھ دیتا اور جب آفتاب کی تپش

❶ اسد الغابہ: 629/3.

بے قرار کر دیتی تو کہتا بلال! اب محمد (ﷺ) کے رب سے باز آ جا لیکن اس وقت بھی آپ رضی اللہ عنہ کے دہن مبارک سے احد، احد، نکلتا۔ ❶

ستم پیشہ مشرکین میں اُمیہ بن خلف پیش پیش تھا، اس کی جدت طرازیوں نے ظلم وجفا کے نت نئے طریقے ایجاد کیے تھے وہ ان کو طرح طرح سے اذیتیں دیتا، کبھی گائے کی کھال میں لپیٹنا، کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر جلتی دھوپ میں بٹھایا اور کہتا تمھارا معبود لات اور عزیٰ ہے لیکن اس وارفتہ توحید کی زبان سے احد احد ہی نکلتا، مشرکین کہتے کہ ہمارے کہے ہوئے کلموں کو دہراؤ تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے کہ ان کلموں کو میری زبان اچھی طرح ادا نہیں کر سکتی۔ ❷

حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک روز حسب معمول وادی بطحاء میں مشق ستم بنائے جا رہے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس طرف سے گزرے تو یہ عبرت ناک منظر دیکھ کر دل بھر آیا اور چالیس اوقیہ دے کر ان کو آزاد کر والیا آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا کہ ابوبکر! تم اس میں مجھے بھی شریک کرلو۔ عرض کی یا رسول اللہ اب تو میں آزاد کروا چکا ہوں۔

وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے مہمان بنے حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عبدالرحمٰن خثعمی سے مواخاۃ ہوئی اور ان دونوں میں شدید محبت ہو گئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شامی لشکر میں شرکت کا ارادہ ظاہر فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ بلال! تمھارا وظیفہ کون وصول کرے گا؟ عرض کی کہ ابورویحہ! کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم دونوں میں جو برادرانہ تعلق پیدا کر دیا ہے اس کو کوئی نہیں توڑ سکتا۔

مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس و مجبور نہ تھا، یہاں پہنچنے کے ساتھ شعائر اسلام

---

❶ اسد الغابہ: 206/1. ❷ سیر اعلام النبلاء: 154/3.

اور دین متین کی اُصولی تدوین کا سلسلہ شروع ہوا، مسجد تعمیر ہوئی اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت و پرستش کے لیے نماز پنجگانہ قائم ہوئی اور اعلانِ عام کے لیے اذان کا طریقہ وضع کیا گیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سب سے پہلے بزرگ ہیں جو اذان کے لیے مقرر کیے گئے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز نہایت دلکش اور بلند تھی، ان کی ایک صدا توحید کے متوالوں کو بے چین کر دیتی۔ مرد اپنا کاروبار اور عورتیں شبستانِ حرم چھوڑ کر والہانہ وارفتگی کے ساتھ باہر نکل آتے اور بچے اپنا کھیل کود چھوڑ کر ادب کے ساتھ ان کے گرد جمع ہو جاتے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کبھی مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود نہ ہوتے تو حضرت ابو محذورہ اور حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ ان کی قائم مقامی کرتے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ صبح کی اذان کچھ رات رہتے ہوئے دیتے تھے یہی وجہ ہے کہ صبح کی دو اذانیں مقرر کی گئیں آخری اذان حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ دیتے تھے چونکہ وہ نابینا تھے اس لیے ان کو وقت کا درست اندازہ نہ ہوتا تھا جب لوگ ان سے کہتے کہ صبح ہوگئی ہے تو وہ اُٹھ کر اذان دے دیتے۔ [1]

اور اسی بنا پر رمضان میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے بعد کھانا پینا جائز تھا کیوں کہ آپ نے فرمایا تھا کہ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان صرف اس لیے ہے کہ جو لوگ رات بھر عبادت الٰہی میں مصروف رہے وہ کچھ دیر آرام کریں اور جو تمام رات خواب راحت میں سرشار رہے ہیں وہ بیدار ہو کر نمازِ صبح کی تیاری کریں۔ لیکن وہ صبح کا وقت نہیں ہوتا بلکہ ابھی کچھ رات باقی رہتی تھی۔ [2]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سفر و حضر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے ایک دفعہ سفر درپیش

---

[1] صحیح بخاری : 86/1.
[2] سیر الصحابہ : 209/1.

تھا ایک جگہ رات ہوئی، بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ! اگر اسی جگہ پڑاؤ کا حکم ہوتو بہتر ہوگا۔ ارشاد ہوا مجھے خوف ہے کہ نیندتم کو نماز سے غافل کر دے گی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنی شب بیداری پر اعتماد تھا انھوں نے آگے بڑھ کر ذمہ لیا کہ وہ سب کو بیدار کردیں گے۔ غرض پڑاؤ کا حکم ہوا اور سب لوگ مشغولِ راحت ہوئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مزید احتیاط کے خیال سے شب زندہ داری کا ارادہ کر لیا اور نوافل میں مشغول ہو گئے اور رات بھر نوافل پڑھتے رہے، فجر سے کچھ پہلے ذرا کمر سیدھی کرنے کے خیال سے کجاوہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے کہ اتفاق سے اس حالت میں آنکھ لگ گئی اور ایسی غفلت طاری ہوئی کہ طلوعِ آفتاب تک بیدار نہ ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوابِ راحت سے بیدار ہو کر ان کو پکارا اور فرمایا بلال! تمھاری ذمہ داری کیا ہوئی؟ عرض کی یارسول اللہ! آج کچھ ایسی غفلت طاری ہوئی کہ مجھے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا۔ ارشاد ہوا بے شک اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے تمھاری روحوں پر قبضہ کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے تم میں واپس کر دیتا ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور تمام قافلہ کو لے کر آگے کی طرف روانہ ہوئے اور کچھ دور جا کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کہنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اذان دو اور لوگوں کو نماز کے لیے جمع کرو چنانچہ اذان ہوئی اور یہ قضا نماز باجماعت ادا کی گئی۔ [1]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ تمام مشہور غزوات میں شریک تھے، غزوہ بدر میں انھوں نے اُمیہ بن خلف کو تہہ وتیغ کیا جو اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ایذا رسانی میں اس کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ فتح مکہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے آپ خانہ کعبہ

---

[1] صحيح مسلم : 238/1 .

میں داخل ہوئے تو اس مؤذن خاص کو معیت کا شرف حاصل ہوا اور حکم ہوا کہ بیت اللہ کی چھت پر چڑھ کر اذان کہیں۔ اللہ وحدہ لا شریک کی قدرت کہ وہ حرم قدس جس کو ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام نے معبودِ واحد کی پرستش کے لیے آباد کیا تھا مدتوں صنم خانہ رہنے کے بعد ایک مرتبہ پھر حبشی نژاد اس غلام کی صدائے توحید سے گونج اُٹھا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے خلافتِ صدیقی میں جناب رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد اپنے محسن و ولی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے اپنی مصاحبت کے لیے آزاد کیا تھا یا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے؟ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ! تو بولے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا مومن کا سب سے بہتر کام ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ پیامِ موت تک اسی عمل خیر کو وظیفہ حیات بنالوں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے بلال! میں تمھیں اللہ تعالیٰ اور اپنے حق کا واسطہ دیتا ہوں مجھے اس پیری میں داغِ مفارقت نہ دو اس مؤثر فرمان نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو عہد صدیقی میں غزوات میں شریک ہونے سے روکے رکھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بہت قدر کیا کرتے تھے کیوں نہ کرتے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کے محبوب جناب رسول اللہ ﷺ کے سسر اور نائب تھے اور اس کے علاوہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ان جاں گسل مصائب سے نجات دلانے والے بھی تھے جو مشرکین مکہ نے اسلام لانے کی پاداش میں ان پر توڑ رکھے تھے ایک مرتبہ انھوں نے سنا کہ بعض لوگ انھیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں فرمانے لگے کہ میں ان سے افضل کیسے ہوں حالانکہ میں ان کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہوں یعنی انھوں نے مجھے آزاد کروایا تو میں یہاں تک پہنچا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا تو انھوں نے پھر شرکتِ جہاد کی اجازت طلب کی۔ خلیفہ دوم نے روکنا چاہا لیکن پیمانہ جوش لبریز ہو چکا تھا اور جذبہ جہاد کسی طرح نہ تھمتا تھا۔ بے حد اصرار کیا یہاں تک کہ اجازت حاصل کر لی اور شامی مہم میں شریک ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے 16ھ میں شام کا سفر کیا تو اس مقام جابیہ میں خوش آمدید کہنے والوں میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے اور پھر بیت المقدس کے سفر میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمرکاب رہے، ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اذان دینے کی فرمائش کی تو بولے گو میں عہد کر چکا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے اذان نہ دوں گا تاہم آج آپ رضی اللہ عنہ کی خواہش پوری کروں گا یہ کہہ کر اس عندلیب توحید نے کچھ ایسے لحن میں اللہ ذوالجلال کی عظمت کا نغمہ سنایا کہ تمام مجمع بے تاب ہو گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ حضرت ابو عبیدہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما بھی بے اختیار رو رہے تھے غرض سب کے سامنے عہد نبوت کا نقشہ کھنچ گیا اور تمام سامعین نے ایک خاص کیفیت محسوس کی۔ [1]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ملک شام کی سرزمین پسند آ گئی تھی انھوں نے خلیفہ دوم سے درخواست کی کہ ان کو اور ان کے اسلامی بھائی رویحہ رضی اللہ عنہ کو یہاں مستقل سکونت کی اجازت دی جائے یہ درخواست منظور ہوئی تو ان دونوں نے قصبہ خولان میں مستقل اقامت اختیار کر لی اور حضرت ابوالدرداء انصاری رضی اللہ عنہ کے خاندان سے جو پہلے سے ہی یہاں آ کر آباد ہو گیا تھا رشتہ مناکحت قائم کیا۔ یہ حضرات ان کے پاس گئے اور کہا کہ ہم دونوں کافر تھے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی ہم غلام تھے اللہ تعالیٰ نے ہمیں آزاد کروایا، ہم محتاج تھے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں مال دار بنایا اب ہم تمھارے خاندان سے

---

[1] سیر اعلام النبلاء: 157/3.

پیوستہ ہونے کی آرزو رکھتے ہیں اگر تم رشتہ ازدواج سے یہ آرزو پوری کردو گے تو الحمد للہ! ورنہ کوئی شکایت نہیں۔

اسلام نے گورے، کالے، حبشی وعربی کی تفریق مٹادی تھی، انصار نے خوشی سے اس پیغام کو قبول کیا اور اپنی لڑکیوں سے ان کی شادی کردی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ شام میں ایک عرصہ تک رہائش پذیر رہے، ایک روز رات کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلال! یہ خشک زندگی کب تک! کیا تمھارے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ تم ہماری زیارت کرو؟ اس خواب نے گذشتہ زندگی کے پر لطف افسانے یاد دلائے، محبت کے مرجھائے ہوئے زخم پھر تازہ ہوئے اسی وقت مدینہ طیبہ کی راہ لی اور روضہ اقدس پر حاضر ہو کر مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگے آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا اور مضطربانہ جوش ومحبت کے ساتھ جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو چمٹا چمٹا کر پیار کر رہے تھے ان دونوں نے خواہش ظاہر کی کہ آج صبح کے وقت اذان دیجیے گو ارادہ کر چکے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اذان نہ دیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں کی فرمائش نہ ٹال سکے، صبح کے وقت مسجد کی چھت پر کھڑے ہو کر نعرہ تکبیر بلند کیا تو تمام مدینہ گونج اُٹھا پھر اس کے بعد نعرہ توحید نے اس کو اور بھی پر عظمت بنا دیا، لیکن جب "اشھد ان محمد رسول اللّٰہ" پر پہنچے تو عورتیں بے قرار ہو کر پردوں سے نکل پڑیں اور تمام محبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار آنسوؤں سے تر بتر ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مدینہ میں ایسا پر اثر منظر پہلے کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔

بیس 20 ہجری میں اس مخلص باوفا نے اپنے محبوب وآقا صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی رفاقت کے لیے دنیائے فانی کو خیر آباد کہا، کم وبیش ساٹھ سال کی عمر پائی، دمشق میں باب الصغیر

کے قریب مدفون ہوئے۔

محاسن اخلاق میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے پایہ فضل وکمال کی بلندیوں کو چھوا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ''ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے سردار ہیں اور انھوں نے ہمارے سردار یعنی بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری ان کا مخصوص وصفِ حیات تھا ہر وقت بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر رہتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں باہر تشریف لے جاتے تو خادم جاں نثار کی طرح ہمراہ رہتے۔ عیدین واستسقاء کے موقع پر بلم لے کر آگے آگے چلتے۔ وعظ ونصیحت کی مجلسوں میں ساتھ جاتے افلاس و ناداری کے مواقع میں جو کچھ میسر آجاتا اس کا ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کے لیے رکھ لیتے۔ ایک دفعہ برنی کھجوریں (جو نہایت خوش ذائقہ ہوتی ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے پوچھا بلال (رضی اللہ عنہ)! یہ کہاں سے لائے ہو؟ عرض کی کہ میرے پاس دو صاع [1] خراب کھجوریں تھیں چونکہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنا تھا اس لیے میں دو صاع کھجوریں دے کر ایک صاع اچھی کھجوریں حاصل کیں، ارشاد ہوا، اُف، اُف، ایسا نہ کرو یہ تو عین سود ہے اگر تمھیں خریدنا تھا تو پہلے اپنی کھجوریں فروخت کرتے پھر اس کی قیمت سے اس کو خرید لیتے۔ [2]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ مکہ کی زندگی میں جن عبرتناک مصائب و مظالم کے متحمل ہوئے اس سے ان کی غیر معمولی استقامت کا اندازہ ہوتا ہے، تواضع و خاکساری تو ان کی فطرت میں داخل تھی لوگ ان کے فضائل ومحاسن کا تذکرہ کرتے تو فرماتے میں

---

[1] صاع ایک پیمانہ تھا جس کا وزن آج کل کے حساب سے اڑھائی کلو بنتا ہے۔

[2] صحيح بخاری: 311/2.

صرف ایک حبشی ہوں جو کل تک معمولی غلام تھا۔ صداقت، بے لوثی اور دیانت داری نے ان کو نہایت معتمد بنا دیا تھا ان کے ایک بھائی جو بزعم خود اپنے آپ کو عرب سمجھتے تھے ایک عربی خاتون کے پاس پیغام نکاح لے کر گئے، اس کے خاندان والوں نے کہا کہ اگر بلال رضی اللہ عنہ تمھاری تصدیق کر دیں تو ہم بخوشی منظور کر لیں گے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا صاحبو! یہ میرا بھائی ہے اور اخلاق و مذہب کے اعتبار سے بڑا آدمی ہے، اگر تم چاہو تو اس سے شادی کر دو ورنہ انکار کر دو، انھوں نے کہا: ''بلال رضی اللہ عنہ! تم جس کے بھائی ہو ہمیں اس سے نکاح کرنے میں کوئی عار نہیں اور نکاح کر دیا۔ [1]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن خاص اور مدرسہ صفہ کے طالب علم تھے اس بناء پر ان کو ہمیشہ مسجد میں حاضر رہنا پڑتا تھا۔ معاملاتِ دنیاوی سے سروکار نہ ہونے کے برابر تھا اور اسی وجہ سے عبادت اور شب زندہ داری ان کا خاص مشغلہ تھا۔ عرب کے وہ قریشی سردار جو پورے جزیرہ عرب میں عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے اور جن کے سامنے عرب کے باعزت خاندان کی گردنیں جھکی رہتی تھیں وہ تو اسلام سے روگردانی کر کے ذلت و گمنامی کے غار میں جا گرے اور حبشہ کا یہ سیاہ فام غلام جن کی زندگی ایسی تھی کہ کوئی ان کو گلے لگانے کے لیے تیار نہ تھا، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں پہنچ کر وہ مرتبہ ملا کہ جنت میں ان کے قدموں کی آہٹ سنائی دی جانے لگی چنانچہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ بلال میں نے جنت میں آج رات تمھارے قدموں کی چاپ سنی ہے تم خیر کا کون سا عمل ایسا کرتے ہو جس سے تمھیں ثواب کی سب سے زیادہ اُمید ہے؟ عرض کی میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا البتہ وضو کرنے کے بعد نماز پڑھتا ہوں۔

[1] سیر اعلام النبلاء : 301/1.

نماز میں سب سے پہلے آمین کہا کرتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے سبقت نہ کیا کرو۔ ایمان کو اعمالِ حسنہ کی بنیاد سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ بولے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ، پھر جہاد کرو، پھر حج مبرور۔ حلیہ تھا قد نہایت طویل، جسم لاغر، رنگ نہایت گندم گوں بلکہ سیاہی مائل، سر کے بال گھنے خمدار اور اکثر سفید تھے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں کیں، ان کی بعض بیویاں عرب کی نہایت شریف ومعزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سے خود رسول اللہ ﷺ نے نکاح کروادیا تھا۔

بنی زہرہ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے خاندان میں بھی سسرالی رشتہ قائم ہوا لیکن کوئی اولاد نہ ہوئی۔ ❶

(5) سیدنا خباب بن الارتّ رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی خباب اور کنیت ابوعبداللہ تھی۔ نسب نامہ یہ ہے، خباب بن الارتّ بن جندلہ بن سعد بن خزیمہ بن کعب بن سعد۔ زمانہ جاہلیت میں ہی غلام بنا کر مکہ مکرمہ میں فروخت کیے گئے۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ ان چھ خوش نصیبوں میں سے ہیں جنھوں نے باغ نبوت کا پہلا پہلا پھل کھایا اور شروع میں ہی مسلمان ہوگئے۔ آپ رسالت مآب ﷺ کے زید بن ارقم کے گھر رہائش پذیر ہونے والے پہلے اسلام لا چکے تھے اور اپنے چھٹے نمبر پر اسلام لانے کی وجہ سے ''سادس الاسلام'' کہلائے۔ ❷

---

❶ سیر صحابہ : 215/2.

❷ سیر اعلام النبلاء : 391/3.

جس زمانہ میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ اسلام لائے اس زمانے میں اسلام لانے کا مطلب تھا کہ یہ آدمی اپنی جان، عزت و ناموس کو قربان کر دے گا اور حقیقت میں بھی یہی تھا کہ جس کے اسلام لانے کا علم ہوتا اس کی نہ عزت محفوظ رہتی اور نہ گھر بار بلکہ جان بھی معرض خطر میں پڑ جاتی۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو چشم نبوت کے سوتے سے وہ شراب محبت عطا ہوئی تھی کہ جس کا نشہ مصائب میں اور زیادہ مخمور کر دیا کرتا ہے۔

چنانچہ وہ ببانگ دہل اپنے اسلام کا اعلان فرماتے اور پھر بے تحاشا ظلم وستم کا نشانہ بنتے۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہ غلام تھے اور کوئی حامی و مددگار بھی نہ تھا لہٰذا کفار ان پر ظلم ڈھانے میں اپنی سی کرگزرتے اور انھیں کسی انتقام کا قطعاً کوئی خوف نہ ہوتا۔ یہاں تک کہ ننگی پیٹھ کر کے دہکتے انگاروں پر لٹا دیتے اور ایک بھاری پتھر رکھ کر ایک آدمی اوپر سے مسلتا اور اس وقت ان انگاروں پر بھونے جاتے جب تک کہ ان کی ہڈیوں کی رطوبت اور زخموں سے رسنے والا خون ان کو نہ بجھاتا۔

لیکن اس سختی کے باوجود زبان سے کلمہ حق ہی جاری رہتا۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اس کسمپرسی کی حالت میں دل جوئی فرماتے لیکن آقا اتنا سنگدل تھا کہ اس کو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا سہارا دینا بھی ناقابل برداشت تھا حتی کہ اس جرم کی پاداش میں لوہا آگ میں تپا کر ان کے سر کو داغا جاتا۔ [1]

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس سختی سے نجات عطا فرمائیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک بارگاہ ایزدی میں بلند فرما کر یہ دعا کی۔

یا اللہ! خباب کی مدد فرما۔

---

[1] اسدالغابہ : 106/2 .

جب اس جسمانی سزا سے ان کی آتش انتقام نہ بجھتی تو مالی نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے۔ عاص بن وائل کے ذمہ ان کا قرض تھا یہ جب تقاضا کرتے تو وہ جواب دیتا کہ میں تمھارا قرض اس وقت تک نہ دوں گا جب تک تم محمد ﷺ کے ساتھ کفر و انکار کا معاملہ نہ کرو گے۔ انھوں نے جواب دیا میں یہ انکار اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک تم مرو نہ اور مرکر پھر زندہ نہ ہو، عاص بن وائل تعجب سے کہتا کیا میں مرکر پھر زندہ ہوں گا؟ اگر ایسا ہے تو بس تمھارا قرض بھی اسی وقت چکاؤں گا کیوں کہ اس وقت میرے پاس مال اور اولاد ہوں گے۔

اس واقعہ پر کلام اللہ کی یہ آیات اُتریں۔

﴿ اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ۝ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَ نَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَّ نَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَ يَاْتِيْنَا فَرْدًا ۝ ﴾ (مریم : 77-80)

''بھلا تو نے دیکھا اس شخص کو جو منکر ہوا ہماری آیتوں کا اور کہا مجھ کو مل کر رہے گا مال اور اولاد۔ کیا جھانک آیا غیب کو یا لے رکھا ہے رحمان سے عہد، یہ نہیں! ہم لکھ رکھیں گے جو وہ کہتا ہے اور بڑھاتے جائیں گے اس کو عذاب میں لمبا۔''[1]

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ مدتوں نہایت صبر و استقلال کے ساتھ یہ تمام مصیبتیں جھیلتے رہے پھر ہجرت کی اجازت ملی تو ہجرت کرکے مدینہ منورہ آ گئے۔ ہجرت بھی آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی تکلیف اور مصائب کے خوف سے نہ کی تھی بلکہ خالصۃً لوجہ اللہ کی تھی چنانچہ تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ خالصۃً لوجہ اللہ

[1] معارف القرآن : 55/6.

ہجرت کی تھی۔

آپ ﷺ نے ان میں اور خراش بن صمہ جو کہ تمیم کے غلام تھے، مواخات کروا دی تھی۔ ❶

سینتیس 37ھ میں کوفہ میں آپ رضی اللہ عنہ مرض میں گرفتار ہوئے۔ علاج کروانے کے باوجود مرض بڑھتا گیا۔ ایک دن فرمانے لگے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے موت کی دعا کرنے سے ممانعت نہ فرمائی ہوتی تو میں دعا کرتا۔ جب حالت زیادہ خراب ہوئی اور کفن آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تو اسے دیکھ کر آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور فرمانے لگے: حمزہ کو پورا کفن بھی میسر نہ ہوا تھا، ایک معمولی سی چھوٹی سی چادر میں کفنائے گئے، اگر پیر ڈھانکے جاتے تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تو پیر کھل جاتے، آخر میں سر ڈھانک کر پیروں پر اذخر نامی گھاس ڈالی دی گئی۔

کچھ لوگ عیادت کے لیے آئے اور کہا ابوعبداللہ تم کو خوش ہونا چاہیے کہ کل کو اپنے ساتھیوں سے مل جاؤ گے۔ یہ سن کر رقت طاری ہوگئی۔ فرمایا: میں موت سے نہیں گھبراتا تم لوگوں نے ایسے لوگ یاد دلائے ہیں جو اس دنیا سے اجر کے مستحق ہو کر اُٹھے مجھے خوف ہے کہ کہیں مجھے اخروی ثواب کے مقابلے میں دنیا نہ دے دی گئی ہو۔

کوفہ والے عموماً اپنے مُردوں کو شہر سے باہر دفن نہ کرتے تھے لیکن آپ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے موافق آپ رضی اللہ عنہ کو شہر سے باہر دفن کیا گیا۔ وفات کے وقت عمر مبارک 73 برس کی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین سے واپس آرہے تھے کہ ان کی وفات کی اطلاع ملی چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے ہی نماز جنازہ پڑھائی۔

---

❶ سير الصحابه : 193/2 .

آپ رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے بھی تلواریں بنانے کا فن جانتے تھے اور یہی آپ رضی اللہ عنہ کا ذریعہ معاش تھا۔ اسلام کا ابتدائی دور تو بہت آزمائش وتنگی میں بسر ہوا لیکن آخر میں وہ فارغ البالی نصیب ہوئی کہ پھر کسی پیشے کو اختیار کرنے کی ضرورت نہ رہی۔

وفات کے وقت چالیس ہزار درہم اپنے پیچھے چھوڑے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے بہت سی احادیث روایت کیں آپ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد تینتیس 33 ہے۔ مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ نے بھی آپ رضی اللہ عنہ سے احادیث سن کر روایت کیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کو مدرسہ صفہ کے باقی طلباء کی طرح اپنے استاذ ومربی جن کی ادائیں، شریعت اور جن کا نطق وحی تھا، کے احوال اور الفاظ کی جستجو رہتی تھی حتی کہ رات بھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لاعلمی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دیکھتے اور طریقہ عبادت پر غور کر کے محفوظ کرتے اور صبح اس کے متعلق سولات کرتے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری رات نماز پڑھی اور یہ دیکھتے رہے، صبح آکر پوچھا میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں اے اللہ کے رسول! رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی نماز پڑھتے دیکھا کہ اس جیسی نماز اس سے قبل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا وہ اُمید وخوف کی نماز تھی۔ میں نے بارگاہ ایزدی میں تین چیزوں کی دعا کی تھی دو مقبول ہوئیں اور ایک نامقبول: ایک دعا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس عذاب سے ہلاک نہ کرے جس سے سابقہ اُمتیں ہلاک ہوئیں اور میرے دشمنوں کو مجھ پر غالب نہ کرے۔ یہ دونوں دعائیں تو قبول ہوگئیں لیکن تیسری قبول نہیں ہوئی وہ تیسری دعا اُمت کے آپس کے جھگڑوں اور خونریزی سے متعلق تھی۔ [1]

---

[1] سیر الصحابہ: 195/2.

(6) سیدنا خبیب بن یساف رضی اللہ عنہ

خبیب نام اور والد کا نام یساف تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ خبیب بن یساف بن عِنبۃ بن عمرو بن خدیج بن عامر بن جشم بن الحارث بن الخزرج۔ آپ رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو خزرج کے قبیلہ ''حارث'' سے تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ غزوہ بدر تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ بدر کے لیے نکلے تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں اور میری قوم کے ایک اور آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ میں شرکت کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا کیا تم دونوں مسلمان ہو؟ خبیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم نے انکار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم مشرکین کے خلاف مشرکین سے مدد نہیں لیا کرتے یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے تشریف لے گئے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے دوبارہ حاضر خدمت ہو کر اسلام کا اعلان فرمایا اور جنگ میں شریک ہوئے۔

آپ رضی اللہ عنہ کا تعلق انصار سے تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئے تو حضرت صہیب اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما آپ کے یہاں فروکش ہوئے۔

مشہور منافق عبداللہ بن ابی ابن سلول کی بیٹی جمیلہ آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ آپ کی اولاد مندرجہ ذیل ہے: عبداللہ، عبدالرحمٰن، انیسہ۔

آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

---

1. سیرت ابن هشام، ص:260.
2. سیر اعلام النبلاء: 221/1.

(7) سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک کے خاندان سے تھا مجوسی نام ''مابہ'' تھا اسلام کے بعد سلمان رکھا گیا اور بارگاہ نبوت سے ''سلمان الخیر'' لقب ملا اور آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے کہ مابہ ابن بوذخشان بن مورسلان بن بیہودان بن فیروز بن سہرک۔

آپ رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو سلمان بن اسلام یعنی سلمان اسلام کا بیٹا کہتے تھے۔ ❶

آپ رضی اللہ عنہ کے والد اصفہان کے ''جی'' نامی قریہ کے باشندہ اور وہاں کے زمیندار اور کاشت کار تھے ان کو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے اس قدر محبت تھی کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھر کی چار دیواری سے نہ نکلنے دیتے تھے آتش کدہ کی دیکھ بھال انھی کے ذمہ کر رکھی تھی چونکہ مذہبی جذبہ ان میں شروع سے تھا اس لیے جب تک آتش پرست رہے اس وقت تک آتش پرستی میں سخت غلو رہا اور نہایت سخت مجاہدات کیے شب و روز آگ کی نگرانی میں مصروف رہتے حتیٰ کہ ان کا شمار ان پجاریوں میں ہو گیا تھا جو کسی وقت آگ کو بجھنے نہیں دیتے تھے۔ ❷

ان کے والد کا ذریعہ معاش زمین تھی اس لیے زراعت کی نگرانی خود کرتے تھے ایک دن وہ گھر کی مرمت میں مشغول تھے جس کی وجہ سے خود کھیت نہ جا سکے اور اس کی دیکھ بھال کے لیے سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا ان کو راستہ میں ایک گرجا ملا اس وقت اس میں عبادت ہو رہی تھی نماز کی آواز سن کر دیکھنے کے لیے گرجے چلے گئے نماز کے نظارہ سے ان کے دل پر خاص اثر ہوا اور مزید حالات کی جستجو ہوئی اور عیسائیوں کا طریقہ عبادت اس قدر بھایا کہ بے ساختہ زبان سے نکل گیا کہ یہ مذہب ہمارے مذہب

❶ طبقات ابن سعد : 168/4 . ❷ سیر اعلام النبلاء : 222/3 .

سے اچھا ہے۔ چنانچہ کھیتوں کا خیال چھوڑ کر اسی میں محو ہو گئے عبادت ختم ہونے کے بعد عیسائیوں سے پوچھا کہ اس مذہب کا سر چشمہ کہاں ہے؟ انھوں نے کہا کہ شام میں! پتہ پوچھ کر گھر واپس آئے باپ نے پوچھا ایسا بھلا معلوم ہوا کہ غروب آفتاب تک وہیں رہا۔ باپ نے کہا کہ وہ مذہب تمھارے مذہب کی جوتیوں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہے۔ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا واللہ! وہ مذہب ہمارے مذہب سے کہیں برتر ہے۔ اس بات سے ان کے باپ کو خدشہ پیدا ہو گیا کہیں یہ خیال تبدیل مذہب کی صورت میں نہ ظاہر ہو اس لیے بیڑیاں پہنا کر مقید کر دیا مگر ان کے دل میں تلاش حق کی تڑپ تھی اس لیے عیسائیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ شام سے تاجر آئیں تو مجھے کہلا بھیجنا چنانچہ جب وہ آئے تو ان کو خبر دی گئی انھوں نے کہا جب واپس ہوں تو مجھے بتانا چنانچہ جب کاروان تجارت لوٹنے لگا تو ان کو خبر دی گئی، یہ بیڑیوں کی قید سے نکل کر ان کے ساتھ جا ملے شام پہنچ کر دریافت کیا یہاں سے سب سے بڑا مذہبی شخص کون ہے؟ لوگوں نے بشپ کا پتہ دیا اس کو جا کر کہا تمھارا مذہب مجھے بہت پسند ہے اس لیے میں چاہتا ہوں تمھارا مذہب اختیار کرلوں چنانچہ مجھ کو اس مذہب میں داخل کرلو۔ [1]

چنانچہ مجوسیت کے آتش کدہ سے نکل کر آسمانی بادشاہ کی پناہ میں آ گئے مگر یہ بشپ بڑا بداعمال اور بداخلاق تھا لوگوں کو صدقہ کرنے کی تلقین کرتا جب وہ دیتے تو اس کو فقراء اور مساکین میں تقسیم کرنے کی بجائے خود لے لیتا اس طریقہ سے اس کے پاس سونے چاندی کے سات مٹکے جمع ہو گئے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اس کی حرص دیکھ کر پیچ و تاب کھاتے مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ اتفاق سے وہ مر گیا، عیسائی شان و شوکت کے ساتھ اس کی تجہیز و تکفین کرنے کو جمع ہوئے اس وقت انھوں نے اس کا سارا

[1] سير اعلام النبلاء : 223/3 .

اعمال نامہ ان لوگوں کے سامنے کھول کے رکھ دیا لوگوں نے پوچھا تمھیں کیسے معلوم ہوا، انھوں نے لے جا کر اس چھپے ہوئے خزانہ کے پاس کھڑا کر دیا تلاشی لی گئی تو واقعی سات مٹکے سونے چاندی کے نکلے عیسائیوں نے سزا میں اس کی نعش دفن کرنے کی بجائے صلیب پر لٹکا کر سنگسار کی اس کی جگہ دوسرا بشپ مقرر ہوا یہ بڑا عابد اور تارکِ دنیا تھا شب و روز عبادت الٰہی میں مشغول رہتا اس لیے سلمان رضی اللہ عنہ اس سے بہت مانوس ہو گئے اور دلی محبت کرنے لگے اور آخر تک اس کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس سے کہا کہ میں آپ کے پاس اتنا عرصہ تک نہایت لطف و محبت کے ساتھ رہا اب آپ کا وقت آخر ہے اس لیے آئندہ کے لیے مجھے کچھ ہدایت کیجیے۔ اس نے کہا کہ میرے علم میں کوئی ایسا عیسائی نہیں ہے جو مذہب عیسوی کا سچا پیرو ہو، سچے لوگ مر کھپ گئے اور موجودہ عیسائیوں نے مذہب کو بہت بدل دیا ہے اور بہت سے اُصول تو سرے سے چھوڑ ہی دیے ہیں ہاں موصل میں فلاں شخص دین حق کا سچا پیروکار ہے تم جا کر اس سے ملاقات کرو۔

چنانچہ اس بشپ کی موت کے بعد وہ حق کی تلاش میں موصل پہنچے اور تلاش کر کے اس پادری کے پاس پہنچے اور پورا واقعہ بیان کیا کہ فلاں پادری نے مجھے ہدایت کی تھی کہ آپ کے یہاں ابھی تک حق کا سرچشمہ اُبلتا ہے اور میں آپ سے مل کر اپنی پیاس بجھاؤں اس نے ان کو ٹھہرا لیا پہلے پادری کے بیان کے مطابق یہ پادری بھی درحقیقت بڑا متقی اور پاکباز تھا اس لیے سلمان رضی اللہ عنہ نے آئندہ کے لیے اس سے بھی وصیت کی خواہش کی اس نے نصیبین میں ایک شخص کا پتہ دیا۔ [1]

چنانچہ اس کی موت کے بعد وہ نصیبین پہنچے اور پادری سے مل کر دوسرے پادری کی

[1] سیر اعلام النبلاء : 223/3.

وصیت بتائی یہ اسقف بھی پہلے دونوں کی طرح بڑا اسقف تھا سیدنا سلیمان رضی اللہ عنہ یہاں مقیم ہو کر اس سے روحانی تسکین حاصل کرنے لگے ابھی کچھ ہی دن اس کی صحبت سے فیض اُٹھایا تھا کہ اس کا وقت بھی آن پہنچا حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے گذشتہ اسقفوں کی طرح اس سے بھی آئندہ کے متعلق مشورہ طلب کیا تو اس نے عموریہ میں گوہرِ مقصود کا پتہ دیا۔

چنانچہ اس کی موت کے بعد انھوں نے عموریہ کا سفر کیا اور وہاں کے اسقف سے مل کر سابقہ پادری کا پیام سنایا اور اس کے پاس مقیم ہو گئے۔ کچھ بکریاں خرید لیں ان سے مادی غذا حاصل کرتے رہے اور صبر وشکر کے ساتھ اس پادری سے روحانی غذا حاصل کرنے لگے جب اس کا پیمانہ حیات بھی لبریز ہو گیا تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنی ساری زندگی کی سرگزشت سنائی کہ اتنے مراتب طے کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا تھا آپ بھی آخرت کا سفر کرنے کو آمادہ ہیں اس لیے میرا کوئی سامان کرتے جائیں اس نے کہا بیٹا میں تمھارے لیے کیا سامان کروں آج دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں ہے جس سے ملنے کا تمھیں مشورہ دوں البتہ اب اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ظہور کا زمانہ قریب ہے جو ریگستانِ عرب سے اُٹھ کر دین ابراہیم علیہ السلام کو زندہ کرے گا اور کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا اسی کی علامات یہ ہیں کہ وہ ہدیہ قبول کرے گا اور صدقہ اپنے لیے حرام سمجھے گا اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی اگر تم اس سے مل سکو تو ضرور ملنا۔

اس اسقف کے مرنے کے بعد سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ عرصہ تک عموریہ میں رہے کچھ دنوں بعد بنو کلب کے تاجر ادھر سے گزرے سلمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اگر تم مجھ کو عرب پہنچا دو تو میں اپنی گائیں اور بکریاں تمھارے حوالے کروں گا وہ لوگ تیار ہو گئے

اور زبان حال سے شعر پڑھتے ہوئے ساتھ ہو لیے۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

لیکن ان عربوں نے وادی القری میں پہنچ کر دھوکا دیا اور ان کو ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر ڈالا یہاں کھجوروں کے درخت نظر آئے جس سے آس بندھی کہ شاید یہی وہ منزل مقصود ہو جس کا اسقف نے پتہ دیا تھا تھوڑے دن ہی قیام کیا تھا کہ یہ اُمید بھی منقطع ہو گئی ان کے آقا کا چچازاد بھائی مدینہ سے ملنے آیا تو اس نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو اس کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

وہ آپ کو اپنے ساتھ مدینہ لے چلا اور سلمان رضی اللہ عنہ غلامی در غلامی سہتے ہوئے مدینہ پہنچے تلاش حق کی جستجو انھیں تسکین دے رہی تھی کہ یہ غلامی نہیں ہے۔

جوں جوں محبوب کی منزل قریب ہوتی جاتی تھی کشش بڑھتی جاتی تھی اور آثار بتاتے تھے کہ شاید مقصود کی جلوگاہ یہی ہے اب ان کو مقصود ملنے کا پورا یقین ہو گیا تھا چنانچہ وہ دیدارِ جمال کی آرزو میں یہاں دن کاٹنے لگے۔

اس وقت آفتاب رسالت مکہ پر پرتو فگن ہو چکا تھا لیکن ظلم و ستم کے بادلوں میں چھپا تھا سلمان رضی اللہ عنہ کو آقا کی خدمت سے اتنا وقت نہ ملتا تھا کہ خود اس کا پتہ لگاتے آخر انتظار کرتے کرتے وہ مبارک دن بھی آ گیا کہ مکہ کا آفتاب عالم تاب مدینہ کے اُفق پر طلوع ہوا حرمان نصیب سلمان رضی اللہ عنہ کی شب ہجر تمام ہوئی اور صبح اُمید کا اُجالا پھیلا یعنی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے سلمان رضی اللہ عنہ کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے کچھ درست کر رہے تھے اور آقا نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے چچازاد بھائی نے آ کر کہا اللہ بنی قیلہ کو غارت کرے، سب کے سب قبا میں ایک شخص کے پاس جمع

ہیں جو مکہ سے آیا ہے یہ لوگ اس کو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سمجھتے ہیں سلمان رضی اللہ عنہ کے کانوں تک اس خبر کا پہنچنا تھا کہ یارائے ضبط باقی نہ رہا صبر کا دامن چھوٹ گیا اور بدن میں سنسناہٹ پیدا ہوگئی، قریب تھا کہ کھجور کے درخت سے زمین پر گر پڑیں اسی مدہوشی میں جلد زمین پر اُترے اور بدحواسی میں بے تحاشا پوچھنے لگے تم کیا کہہ رہے تھے؟ آقا نے اس سوال پر گھونسہ مار کر ڈانٹا کہ تم کو اس سے کیا غرض ہے؟ تم اپنا کام کرو اس وقت تو سلمان رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔

لیکن اب صبر کسے تھا، کھانے کی چیزیں پاس تھیں ان کو لے کر دربار میں حاضر ہوئے اور عرض کی! میں نے سنا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں اور کچھ غریب الدیار اور اہل حاجت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہیں میرے پاس کچھ چیزیں صدقہ کے لیے رکھی تھیں آپ لوگوں سے زیادہ اس کا کون مستحق ہوسکتا ہے؟ اس کو قبول فرمایئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے لوگوں کو کھانے کا حکم دیا اور خود نوش نہ فرمایا اس طریقہ سے سلمان رضی اللہ عنہ کو نبوت کی ایک علامت کا مشاہدہ ہو گیا کہ وہ صدقہ قبول نہیں کرتے دوسرے دن پھر ہدیہ لے کر دربار میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کل آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صدقہ کی چیزیں نوش نہیں فرمائی تھیں آج یہ ہدیہ قبول فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما کر خود بھی نوش فرمایا اور دوسروں کو بھی دیا اسی طرح سے دوسری نشانی یعنی مہرِ نبوت کی بھی زیارت کی اور باچشم نم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بوسہ دینے کو جھکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سامنے آؤ! سلمان رضی اللہ عنہ نے سامنے آ کر ساری سرگزشت سنائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ داستان اتنی پسند آئی کہ اپنے تمام اصحاب رضی اللہ عنہم کو سنوائی۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اتنے مرحلوں کے بعد دینِ حق سے ہم آغوش ہوئے اور گوہر

مقصود سے دامن بھر کے آقا کے گھر واپس گھر آئے۔ ❶

آپ رضی اللہ عنہ غلامی کی مشغولیت کے باعث فرائض مذہبی ادا نہ کر سکتے تھے جس کی بناء پر غزوہ اُحد و بدر میں شریک نہ ہو سکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے آقا کو معاوضہ دے کر آزادی حاصل کرلو، چنانچہ تین سو کھجور کے درختوں اور چالیس اوقیہ سونے پر معاملہ طے ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں سے سفارش فرمائی کہ اپنے بھائی کی مدد کرو سب نے حسب حیثیت کھجور کے درخت دیے اس طریقہ سے تین سو درخت ان کو مل گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے انھوں نے ان کو بٹھایا اور زمین وغیرہ ہموار کر کے ایک شرط پوری کر دی سونے کی ادائیگی کا سامان اللہ تعالیٰ نے اس طرح کر دیا کہ کسی کو غزوہ میں مرغی کے انڈہ کے برابر سونا مل گیا۔ آپ نے وہ سلمان رضی اللہ عنہ کو دے دیا اور اس کا وزن ٹھیک چالیس اوقیہ نکلا چنانچہ غلامی سے جان چھڑا کر مستقل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے۔ ❷

غلامی سے آزادی کے بعد مسلمانوں کے ساتھ رہنے لگے اس وقت بالکل غریب الدیار تھے کوئی شناسا نہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی مہاجرین کی طرح ان کی ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مواخاۃ کرادی۔

غزوہ بدر واُحد کی لڑائیاں ان کی غلامی کے زمانہ میں ختم ہو چکی تھیں آزادی کے بعد پہلا غزوہ خندق تھا اس میں انھوں نے اپنے حسن تدبیر سے پہلی دونوں لڑائیوں کو عدم شرکت کی تلافی کر دی غزوہ خندق میں تمام عرب کا ٹڈی دل اس ارادہ سے اُمڈ آیا تھا کہ مسلمانوں کو بالکل نیست ونابود کر دے اور حملہ خود مدینہ پر تھا جس کے کسی سمیت

---

❶ سیر اعلام النبلاء : 58/1 تا 61.

❷ سیر اعلام النبلاء : 58/1 تا 61.

نہ قلعہ تھا نہ فصیل تھی۔ مقابلہ بڑا سخت تھا ایک قبائل عرب کا عظیم الشان متحدہ لشکر تھا دوسری طرف مٹھی بھر مسلمان تھے آنحضرت ﷺ نے عام مسلمانوں سے مشورہ لیا، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ چونکہ ایران کی صف آرائیاں دیکھے ہوئے تھے اس لیے جنگی اُصولوں سے اچھی طرح واقف تھے انھوں نے مشورہ دیا کہ اس بڑے لشکر کا کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب نہیں ہے، مدینہ کے چاروں طرف خندقیں کھود کر شہر کو محفوظ کر لینا چاہیے یہ تدبیر مسلمانوں کو بہت پسند آئی اور اسی پر عمل کیا گیا۔ [1]

خندق کی کھدائی میں آنحضرت ﷺ بنفس نفیس شریک تھے اور مٹی ڈھوتے ڈھوتے شکم مبارک مٹی سے اٹ گیا تھا اور رجزیہ اشعار زبان پر جاری تھے۔ [2]

ذیقعدہ پانچ 5ھ کو طرفین میں جنگ ہوئی، عربوں کو اس طریقہ جنگ سے واقفیت نہ تھی وہ اس ارادے سے آئے تھے کہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے مگر یہاں آکر دیکھا کہ ان کے اور مدینے کے بیچ خندق کی فصیل ہے۔ 21، 22 دن تک مسلسل محاصرہ قائم رہا مگر شہر تک پہنچنا ان کو نصیب نہ ہوا اور آخر کار نا کام لوٹ گئے۔

خندق کے علاوہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تمام لڑائیوں میں شریک رہے اور غزوہ خندق کے بعد سے کوئی غزوہ ایسا نہ ہوا جس میں شریک ہو کر دادِ شجاعت نہ دی ہو۔ [3]

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عرصہ تک حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدینہ میں رہے اور غالبًا عہد صدیقی کے آخر ایام یا عہد فاروقی کی ابتداء میں انھوں نے عراق کی اور ان کی اسلامی بھائی ابودرداء رضی اللہ عنہ نے شام کی سکونت اختیار کر لی۔ یہاں اقامت کے

---

[1] طبقات ابن سعد: 47/2.

[2] صحیح بخاری، کتاب المغازی، غزوہ خندق، رقم: 4104.

[3] اسد الغابہ: 330/2.

بعد ابو درداء رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے مال و اولاد سے بہت نوازا انھوں نے سلمان رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ تم سے ملنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مال و دولت اور اہل و عیال سے سرفراز کیا اور ارض مقدس کی سکونت کا شرف حاصل ہوا، انھوں نے جواب دیا کہ:

''یاد رکھو کہ مال اور اولاد کی کثرت میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ بھلائی اس میں ہے کہ تمھارا حلم زیادہ ہو اور تمھارا علم تم کو نفع پہنچائے محض ارض مقدس کا قیام کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب تک تمھارا عمل اس قابل نہ ہو اور عمل بھی اس طرح ہو کہ گویا اللہ تعالیٰ تم کو دیکھ رہا ہے اور تم اپنے کو مردہ سمجھو۔'' [1]

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ ایران کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور چونکہ خود ایرانی تھے اس لیے فتوحات میں بہت قیمتی امداد پہنچائی مگر اُصول اسلام ہمیشہ پیش نظر رکھا۔

ایک ایرانی محل کے محاصرہ کے وقت حملے سے پہلے محصورین کو سمجھا دیا کہ میں بھی تمھارا ہم قوم تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اسلام سے نوازا ہے تم لوگ عربوں کی اطاعت گزاری سے کسی طرح نہیں بچ سکتے میں تم کو سمجھائے دیتا ہوں کہ اگر تم لوگ اسلام لا کر ہجرت کر کے ہم میں مل جاؤ تو تم کو اہل عرب کے برابر حقوق دیے جائیں گے اور ان کا قانون تم پر نافذ کیا جائے گا۔

تین دن تک برابر تبلیغ کرتے رہے جب اس کا کوئی اثر نہ ہوا تو حملہ کر دیا اور مسلمانوں نے محصور محل بزور شمشیر حاصل کر لیا۔ فتح جلولا میں بھی شریک تھے اور وہاں مشک کی ایک تھیلی ہاتھ آئی جو وفات کے وقت کام میں لائے۔ [2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدائن کی حکومت پر سرفراز تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مقربین بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تھے اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کا

---

[1] اسدالغابة: 331/2.
[2] سير الصحابه: 93/2.

بہت احترام کرتے تھے ایک دفعہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اس وقت وہ ایک گدے پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے سلمان رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر گدا ان کی طرف بڑھا دیا۔ [1]

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیمار پڑے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عیادت کرنے گئے تو سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ رونے لگے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: سلمان رونے کا کون سا مقام ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم سے خوش ہو کر دنیا سے گئے تم ان سے حوض کوثر پر ملو گے، بچھڑے ہوئے ساتھیوں سے ملاقات ہوگی۔ حضرت سلمان نے کہا: اللہ کی قسم! میں موت سے نہیں گھبراتا اور نہ نیا کی حرص باقی ہے، رونا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد کیا تھا کہ ہمارا دنیاوی ساز وسامان ایک مسافر کے زاد راہ سے زیادہ نہ ہونا چاہیے حالانکہ میرے گرد اس قدر سانپ (اسباب) جمع ہیں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کل سامان جس کو سانپ سے تعبیر کیا تھا ایک بڑا پیالہ ایک لگن اور ایک تسلہ سے زیادہ نہ تھا اس کے بعد سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے خواہش کی کہ مجھ کو کوئی نصیحت کیجیے تو فرمایا:

''کسی کام کا قصد کرتے وقت، فیصلہ کرتے وقت اور تقسیم کرتے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہا کرو۔''

اسی بیماری کے دوران اور احباب نے بھی نصیحت وصیت کی خواہش کی فرمایا:

''تم میں سے جس سے ہو سکے اس کی کوشش کرے کہ وہ حج، عمرہ، جہاد یا قرآن پڑھتے ہوئے جان دے اور فسق وفجور اور خیانت کی حالت میں نہ مرے۔''

---

[1] مستدرك حاكم: 559/3.

وقت آخر ہوا تو اپنی بیوی سے وہی مشک کی تھیلی منگوائی اور اپنے ہاتھ سے پانی گھول کر اپنے چاروں طرف چھڑکا اور سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا جب لوگ تھوڑی دیر کے بعد گئے تو دیکھا کہ مرغِ روح مٹی کے پنجرہ سے چھوٹ کر شاخِ طوبی پر پہنچ چکا تھا۔ ❶

صفّہ کے اس طالب علم کے وقت کا بڑا حصہ آنحضرت ﷺ کی صحبت میں گزرتا تھا اس لیے آپ رضی اللہ عنہ کے علوم و معارف سے کافی بہرہ ور ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ رضی اللہ عنہ کے مَبلغ علم کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ ان کو علم اول اور علم آخر سب کا علم تھا، اور وہ ایسا دریا تھے جو کنارے سے نا آشنا رہا۔ وہ ہمارے اہل بیت میں سے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ علم وحکمت میں لقمان حکیم کے برابر تھے۔ علم اول سے مراد کتب سابقہ کا علم اور علم آخر سے مقصود آخری کتاب الٰہی یعنی قرآن کا علم ہے اور اہل بیت میں اس طرح ان کا شمار ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قربتِ اختصاص کی بناء پر اور اس لیے کہ عربوں میں ان کا کوئی خاندان نہ تھا، ان کو اعزازاً اپنے اہل بیت میں داخل فرما لیا تھا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جو خود بہت بڑے عالم اور صاحب کمال صحابی رضی اللہ عنہ تھے ان کے کمال علم کے معترف تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ انھوں نے اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ:

''چار آدمیوں سے علم حاصل کرنا ان چاروں میں ایک سلمان رضی اللہ عنہ کا نام بھی تھا۔'' ❷

ایک موقعہ پر خود زبان نبوت نے ان کو علم وفضل کی ان الفاظ میں تصدیق کی ہے کہ سلمان (رضی اللہ عنہ) علم سے لبریز ہیں۔''

---

❶ سیر اعلام النبلاء : 246/3.

❷ سیر اعلام النبلاء : 246/3.

صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ فضلائے صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھے آپ رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے حدیث کا کافی حصہ اشاعت پذیر ہوا، آپ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد 60 ہے، ان میں سے تین حدیثیں متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ ایک میں مسلم اور تین میں بخاری منفرد ہیں۔ ❶

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، ابوالطفیل رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما، اوس بن مالک اور ابن عجزہ وغیرہ آپ رضی اللہ عنہ کے زمرہ تلامذہ میں ہیں گو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا علم بہت وسیع تھا تاہم حدیث بیان کرنے میں بہت محتاط تھے اس لیے ان کی مرویات کی تعداد 60 سے متجاوز نہ ہوسکی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مدائن میں لوگوں سے بعض ایسی باتیں بیان کرتے تھے جو رسول اللہ ﷺ نے غصہ کی حالت میں کسی کے متعلق فرمائیں تھیں۔ لوگ ان کی تصدیق کے لیے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے آپ رضی اللہ عنہ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ زیادہ بہتر جانتے ہیں، لوگوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے آکر کہا کہ ہم نے آپ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ وہ حدیث سلمان رضی اللہ عنہ کو سنائی وہ نہ اس کی تصدیق کرتے ہیں نہ تردید۔ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جو کچھ تم نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے اس کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا: بعض اوقات آنحضرت ﷺ لوگوں کو غصہ میں کچھ کہہ دیتے تھے اور بعض اوقات خوش ہوکر کچھ فرما دیتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم ان باتوں کو بیان کرکے کسی کو کسی کا دوست اور کسی کا دشمن بنا دو گے! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اگر غصہ کی حالت میں کسی کے متعلق کوئی بُرا کلمہ نکل جائے تو اے اللہ! اس میں خیر کر دینا پھر اس سے کہا تم اس قسم کی باتوں سے باز آؤ نہیں تو میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آگاہ کردوں گا۔ ❷

❶ سير اعلام النبلاء: 223/3.   ❷ سنن ابوداؤد: 169/2.

چونکہ وہ اسلام سے قبل عرصہ تک نصرانی رہ چکے تھے اس لیے عیسائی مذہب کے متعلق کافی معلومات رکھتے تھے آپ رضی اللہ عنہ نے عیسیٰ علیہ السلام کے ایک حواری سے ملاقات بھی کی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ دو کتابوں کا علم رکھتے ہیں: کلام اللہ اور انجیل۔ آپ رضی اللہ عنہ نے مذہب عیسوی کے مسائل محض پادریوں سے نہیں سنے تھے بلکہ خود انجیل کا مطالعہ کیا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے تورات میں دیکھا ہے کہ کھانے کے بعد وضو کرنے سے برکت ہوتی ہے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس خاص زمرہ میں تھے جن کو بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خاص تقرب حاصل تھا، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ کم لوگ ایسے تھے جو بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پذیرائی میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی ہمسری کر سکتے ہوں۔

غزوہ خندق کے موقع پر جب مہاجرین و انصار علیحدہ علیحدہ جمع ہوئے تو مہاجرین کہتے تھے کہ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے زمرہ میں ہیں اور انصار کہتے تھے کہ ہماری جماعت میں ہیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ سلمان (رضی اللہ عنہ) ہمارے اہل بیت میں ہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کی شب کی تنہائی کی صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اتنی لمبی ہوتی تھی کہ ہم ازواج رضی اللہ عنہن کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں ہمارے حصوں کی رات بھی اس نشست میں نہ گزر جائے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے علی، عمار اور سلمان (رضی اللہ عنہم) کی۔ اور فرمایا جتنا سلمان (رضی اللہ عنہ) جنت کا مشتاق ہے اس سے زیادہ جنت سلمان (رضی اللہ عنہ) کی مشتاق ہے۔[1]

آپ کے تقرب کی آخری مثال یہ کہ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،حضرت

[1] سیر اعلام النبلاء 63/1.

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے فدائی اسلام اور جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اور ان کے بعض رفقاء کی وجہ سے رنجیدہ ہو گئے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ابوسفیان ایک مرتبہ چند آدمیوں کے ساتھ حضرت صہیب، بلال اور سلمان رضی اللہ عنہم کے پاس سے گزرے ان تینوں بزرگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی تلوار اللہ تعالیٰ کے دشمن ابوسفیان کی گردن پر نہیں پڑی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگ سردار قریش کی شان میں ایسا کلمہ زبان سے نکالتے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا اگر تم نے ان لوگوں کو ناراض کیا گویا اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت نادم ہوئے اور آکر ان بزرگوں سے معافی مانگی۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ میں مذہبی جذبہ کی شدت پہلے سے تھی جس طرح آتش پرستی کے زمانہ میں سخت آتش پرست تھے اور نصرانیت کے زمانہ میں عابد و زاہد نصرانی تھے اسی طرح مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اسلام کا مکمل نمونہ بن گئے ان کے اصلی فضل وکمال کا میدان یہی ہے۔

ان کا زہد و ورع اس قدر تھا کہ جس کے بعد رہبانیت کی حد شروع ہوجاتی ہے اس کی ادنی مثال یہ ہے کہ عمر بھر گھر نہیں بنایا۔ جہاں کہیں دیوار یا درخت کا سایہ مل جاتا وہیں لیٹ جاتے ایک شخص نے اجازت چاہی کہ میں آپ رضی اللہ عنہ کے لیے مکان بنوانا چاہتا ہوں فرمایا: مجھ کو اس کی حاجت نہیں۔ وہ مسلسل اصرار کرتا تھا اور یہ برابر انکار کرتے رہے آخر اس نے کہا آپ رضی اللہ عنہ کی مرضی کے مطابق بناؤں گا فرمایا وہ کیسا؟ عرض کیا کہ اتنا مختصر کہ اگر کھڑے ہوں تو سر چھت سے لگے اور لیٹیں تو پاؤں دیوار سے لگیں فرمایا: خیر اس میں کوئی مضائقہ نہیں چنانچہ اس نے ایک جھونپڑی بنادی۔

اس زہد کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں تھا، دنیا کی رنگینیوں کو کبھی پاس نہ آنے

دیتے تھے وفات کے وقت گھر کا پورا اثاثہ بیس بائیس درہم سے زیادہ کا نہ تھا بستر میں معمولی سا بچھونا اور دو اینٹیں تھیں جن کا تکیہ بناتے تھے اس پر بھی روتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ انسان کا ساز وسامان ایک مسافر سے زیادہ نہ ہونا چاہیے اور میرا حال یہ ہے...... یہ حالت زندگی کے ہر دور میں قائم رہی جب امارت کے عہدے پر فائز تھے اس وقت بھی آپ رضی اللہ عنہ کی حالت میں کوئی فرق نہ آیا۔

حسن بیان کرتے ہیں کہ سلمان رضی اللہ عنہ جب پانچ ہزار تنخواہ پاتے تھے اور تیس ہزار نفوس پر حکومت کرتے تھے اس وقت بھی ان کے پاس صرف ایک عباء تھی جس میں لکڑیاں جمع کرتے تھے اور اس کا آدھا حصہ اوڑھتے تھے اور آدھا بچھاتے تھے۔ [1]

مگر اسلام کی تعلیمات کے خلاف ان کی زندگی راہبانہ نہ تھی مذہبی تشدد کے ساتھ ساتھ دنیاوی حقوق کا بھی پورا لحاظ رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔ ان کے اسلامی بھائی ابودرداء رضی اللہ عنہ بہت بڑے عابد زاہد بزرگ تھے رات بھر نماز پڑھتے تھے اور دن بھر روزہ رکھتے تھے ساری ساری رات عبادت میں گزار دیتے تھے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ان سے ملنے ان کے گھر جایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ابودرداء رضی اللہ عنہ کی بیوی کو بہت بُری حالت میں دیکھا تو پوچھا تم نے یہ کیا صورت بنا رکھی ہے؟ انھوں نے کہا: کس کے لیے بناؤ سنگھار کروں؟ تمھارے بھائی کو تو دنیا کی ضرورت باقی نہیں رہی حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ جب گھر آئے تو ملنے ملانے کے بعد کھانا منگوایا مگر خود معذرت کی کہ میں روزہ سے ہوں فرمایا جب تک کہ تم نہ کھاؤ گے میں بھی نہ کھاؤں گا پھر رات کو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ہی کے پاس لیٹے رہے اور سلمان رضی اللہ عنہ ان کو دیکھتے رہے جب وہ عبادت کو اُٹھے تو روک کر فرمایا کہ تم پر تمھارے

[1] سیر الصحابہ : 98/2.

رب، تمھاری آنکھ اور تمھاری بیوی سب کا حق ہے روزوں کے ساتھ افطار اور شب بیداری کے ساتھ سونا بھی ضروری ہے اس کے بعد دونوں نے یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا آپ ﷺ نے سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سلمان (رضی اللہ عنہ) تم سے زیادہ مذہب کے واقف کار ہیں۔ [1]

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی تصویر حیات میں سادگی بہت غالب تھی جو ہر زمانہ میں یکساں قائم رہی، مدائن کی امارت کے زمانہ میں جب کہ شان وشوکت اور خدم وحشم کے تمام لوازم ان کے لیے مہیا ہو سکتے تھے اس وقت بھی ان کی سادگی میں کوئی فرق نہ آیا لباس میں ایک عبا اور ایک اونچا جامہ ہوتا تھا ایرانی اس ہیئت کو دیکھ کر ''آگ آمد گرگ آمد'' کہتے۔ ایک مرتبہ اسی امارت کے زمانہ میں اس شان سے نکلے کہ بغیر زین کے ایک گدھے پر سوار تھے اور لباس میں ایک تنگ اور چھوٹی قمیض تھی جس سے گھٹنے بھی نہ چھپتے تھے اور ٹانگیں کھلی ہوئی تھیں لڑکے اس حالت میں دیکھ کر پیچھے لگ گئے لوگوں نے یہ طوفان بدتمیزی دیکھا تو ڈانٹ کر ہٹایا کہ امیر کا پیچھا کیوں کرتے ہو؟ ایک مرتبہ فوج کے ایک دستہ کی سرداری سپرد ہوئی فوجی امارت کی شان وشوکت کا ذکر کیا ان میں تو معمولی سپاہی کی بھی وضع نہ تھی چنانچہ فوجی نوجوان دیکھ کر ہنستے اور کہتے کہ یہ امیر ہیں؟ ابو قلابہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص سلمان رضی اللہ عنہ کے ہاں گیا تو دیکھا کہ وہ بیٹھے آٹا گوندھ رہے ہیں پوچھا خادم کہاں ہے؟ کہا کام سے بھیجا ہے، مجھ کو یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ دو دو کاموں کا بوجھ اس پر ڈالوں۔ اس غیر معمولی سادگی کی وجہ سے لوگوں کو اکثر مزدور کا دھوکا ہو جاتا تھا ایک مرتبہ ایک عبسی نے جانور کے لیے چارہ خریدا، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کھڑے تھے ان سے کہا: اس کو گھر تک پہنچا دو، راستہ میں لوگوں نے دیکھا

[1] صحيح بخاري، رقم: 1968، سنن ترمذي، رقم: 2415.

تو کہنے لگے لائیے ہم پہنچا دیں۔ یہ حال دیکھ کر عبسی نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے صحابی رضی اللہ عنہ ہیں وہ سن کر بہت نادم ہوا اور کہا آپ رضی اللہ عنہ تکلیف نہ کیجیے لیکن انھوں نے فرمایا اس میں مجھے نیت کا ثواب مقصود ہے میں اس بوجھ کو اب بغیر پہنچائے نیچے نہیں رکھ سکتا۔ ❶

فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کا نمایاں وصف تھا آپ رضی اللہ عنہ کو جس قدر وظیفہ ملتا تھا اس کو کل مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے اور خود چٹائی بُن کر معاش پیدا کرتے تھے اور چٹائی کی آمدنی کا بھی ایک تہائی اصل سرمایہ کے لیے رکھ لیتے ایک تہائی بال بچوں پر خرچ کرتے اور ایک تہائی خیرات کرتے تھے ارباب علم کے بڑے قدر دان تھے جب کوئی رقم ہاتھ آجاتی تو حدیث نبوی ﷺ کے شائقین کو بلا کر کھلا دیتے تھے۔ ❷

صدقات سے بہت سخت پرہیز کرتے تھے، اگر کسی چیز میں صدقہ کا ادنی شائبہ ہوتا تو اس سے بھی احتراز کرتے۔

ایک مرتبہ ایک غلام نے خواہش کی کہ مجھ کو مکاتب بنا دیجیے فرمایا: تمھارے پاس کچھ ہے؟ کہا میں لوگوں سے مانگ کر ادا کروں گا فرمایا: تم مجھ کو لوگوں کے ہاتھ کا دھوون کھلانا چاہتے ہو؟ آپ نے شدت احتیاط کی بنا پر ایسا کہا حالانکہ اس کا مانگا ہوا مال ان کے لیے صدقہ نہ رہ جاتا۔

بال گھنے، کان لمبے اور دراز قامت تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے تینتیس 33ھ میں مدائن میں وفات پائی اور 350 سال عمر پائی۔ ❸

---

❶ سير الصحابه : 99/2.

❷ طبقات ابن سعد : 64/4.

❸ سير اعلام النبلاء 247/3.

(8) سیدنا صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ

صہیب نام اور ابو یحییٰ کنیت تھی، آپ رضی اللہ عنہ کی یہ کنیت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی۔ والد کا نام سنان والدہ کا اصلی نام سلمٰی بنت قعید تھا۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے: صہیب بن سِنان بن مالک بن عبدعمرو بن عقیل بن عامر بن جندلہ بن جزیمہ بن کعب بن سعد بن اسلم بن اوس مناۃ بن النمری بن قاسط۔ [1]

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا اصلی وطن ایک بستی تھی جو موصل کے قریب دجلہ کے کنارے پر واقع تھی۔ ان کے والد اور چچا کسریٰ کی طرف سے اُبلّہ کے عامل تھے۔ انھوں نے ابھی دنیا کی چند بہاریں ہی دیکھی تھیں کہ رومی فوجوں نے اُبلّہ پر چڑھائی کر دی اور دوسرے مال و اسباب کے ساتھ اس نونہال کو بھی ساتھ لے گئے۔ سِنان کے چمن زار پر اس گل کے گم ہونے سے خزاں آ گئی۔ ان کی بہن امیمہ اور چچا لبید نے ان کی تلاش وجستجو میں دنیا کی خاک چھان ڈالی۔ تمام مجمعوں، میلوں اور موسمی بازاروں کا جائزہ لیا لیکن اس طفل گم گشتہ کا کہیں سراغ نہ ملا۔

وہ رومیوں میں ہی پرورش پا کر جوان ہوئے، بنی کلب نے ان کو خرید کر مکہ پہنچا دیا اور ان سے عبداللہ بن الجدعان نے لے کر آزاد کر دیا۔ اور آپ رضی اللہ عنہ مکہ میں اس کی زندگی تک اس کے ساتھ رہے۔

مکہ میں اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو یہ بھی تحقیق کے لیے آستانہ نبوت پر حاضر خدمت ہوئے۔ اتفاق سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی اسی خیال سے آ رہے تھے، انھوں نے ان کو دیکھ کر پوچھا تم کس ارادے سے آئے ہو؟ بولے پہلے تم بتاؤ! انھوں نے کہا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر ان کی گفتگو سننا چاہتا ہوں۔ بولے میرا بھی تو یہی مقصد ہے غرض

[1] اسد الغابہ: 36/3.

ایک ساتھ حاضر خدمت ہو کر مشرف با اسلام ہو گئے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ پہلے رومی تھے جنھوں نے صدائے توحید کو لبیک کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے صہیب (رضی اللہ عنہ) روم کا پہلا پھول ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ارقم بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین تھے اور تیس سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس دائرہ میں داخل ہو چکے تھے جن میں سے اکثر نے مشرکین کے خوف سے اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا تھا۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ گو غریب الوطن تھے اور اس سرزمین کفر میں ان کا کوئی حامی اور معاون نہ تھا تاہم غیرتِ ایمان نے چھپ کر رہنا پسند نہ کیا۔ انھوں نے ابتدا ہی میں اپنے تبدیل مذہب کا اعلان کر دیا تھا جس کی وجہ سے طرح طرح کی مشقتیں جھیلنا پڑیں اور گوناگوں مصائب برداشت کیے لیکن صبر و استقامت کا دامن کسی حالت میں بھی ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ [1]

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سب سے آخری مہاجر تھے انھوں نے رختِ سفر درست کر کے ہجرت کا قصد فرمایا تو مشرکین قریش نے نہایت شدت سے رکاوٹ کھڑی کی اور بولے تم ہمارے یہاں مفلس ومحتاج بن کر آئے تھے، مکہ میں دولت وثروت جمع کی اور اب یہ تمام سرمایہ اپنے ساتھ لیے جاتے ہو؟ اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہوسکتا۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے اپنا ترکش دکھا کر کہا اے گروہِ قریش! تم جانتے ہو کہ میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ صحیح نشانہ باز ہوں اللہ کی قسم! جب تک اس میں ایک بھی تیر ہے تم میرے قریب نہیں آسکتے۔ اس کے بعد پھر اپنی تلوار سے مقابلہ کروں گا۔ ہاں اگر مال و دولت چاہتے ہو تو بتاؤ کی اس کو لے کر میرا راستہ چھوڑ دو گے؟ مشرکین نے اس پر رضامندی ظاہر کی چنانچہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اپنے مال و دولت کے عوض متاعِ ایمان

[1] سیر اعلام ایضاً.

لیے مدینہ منورہ پہنچے۔

جناب نبی کریم ﷺ قباء میں حضرت کلثوم بن ہدم کے مہمان تھے حضرت ابوبکر صدیق وعمر رضی اللہ عنہما بھی حاضر خدمت تھے۔ کھجوروں کا دور چلا رہا تھا کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ پہنچے اور بھوک کی شدت سے بے تاب ہو کر کھجوروں پر ٹوٹ پڑے چونکہ سفر میں ان کی ایک آنکھ آشوب کر آئی تھی اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب سے کہا یا رسول اللہ! آپ ﷺ صہیب رضی اللہ عنہ کو ملاحظہ نہیں فرماتے کہ آشوبِ چشم کے باوجود کھجوریں کھا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: صہیب تمھاری آنکھ جوش کر آئی ہے اور تم کھجوریں کھا رہے ہو؟

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نہایت خوش مزاج تھے بولے میں صرف اپنی ایک تندرست آنکھ (کی طرف) سے کھا رہا ہوں۔ اس حاضر جوابی سے رسول اللہ ﷺ بے اختیار ہنس پڑے۔

جب بھوک کی شدت دفع ہوئی تو شکوہ و شکایت کا دفتر کھلا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے آپ رضی اللہ عنہ نے باوجود وعدہ کے مجھے شریکِ سفر نہ بنایا؟ حضرت رسالت مآب ﷺ سے عرض کی کہ آپ ﷺ نے بھی خیال نہ فرمایا، قریش نے مجھے اکیلا پا کر روک لیا آخر کار میں تمام مال و دولت اور اپنی متاع وثروت کے عوض اپنی جان خرید کر حاضر ہوا ہوں۔ ارشاد ہوا ابویحییٰ! تمھاری تجارت پر منفعت رہی اس کے بعد ہی قرآن پاک نے اس عظیم الشان قربانی کی ان الفاظ میں داد دی:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ ﴾

(البقرة : 207)

''لوگوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے اپنی

جانیں بیچ دیتے ہیں۔''

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ مدینہ میں حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے اور حضرت حارث بن الصمۃ انصاری رضی اللہ عنہ سے مواخات ہوئی۔

آپ رضی اللہ عنہ تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے۔غزوہ بدر، اُحد، خندق اور دیگر تمام دوسرے معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے، عالم پیروی میں وہ لوگوں کو جمع کر کے نہایت مزے سے اپنے جنگی کارناموں کی دلچسپ داستان سنایا کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے نہایت حسن ظن رکھتے تھے اور خاص لطف ومحبت سے پیش آتے تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت وصیت کی تھی کہ صہیب رضی اللہ عنہ ہی ان کی نمازِ جنازہ پڑھائیں اور اہل شوری جب تک مسئلہ خلافت کا فیصلہ نہ کریں صہیب رضی اللہ عنہ ہی امامت کا فرض انجام دیں، چنانچہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے تین دن نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اس فرضِ خلافت کو سرانجام دیا۔ ❶

اڑتیس 38ھ میں پیمانۂ حیات لبریز ہوگیا اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کا سن مبارک تہتر 73 برس کا تھا اور بقیع کے قبرستان میں دفن ہوئے۔بعض نے آپ رضی اللہ عنہ کی عمر چوراسی 84 سال بیان کی ہے۔ ❷

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اخلاق کے پیکر تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرچشمۂ اخلاق سے بہت زیادہ مستفیض ہوئے تھے فرماتے ہیں کہ نزول وحی سے پہلے ہی مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا فخر حاصل تھا اور اسی بنا پر ان میں تمام اوصاف حسنہ مجتمع ہو گئے تھے۔حسن خلق، فضل وکمال کے ساتھ حاضر جوابی، خوش مزاجی اور لطیفہ گوئی

---

❶ اسد الغابہ : 33/3.

❷ سیر اعلام النبلاء : 258/3.

نے ان کی صحبت کو نہایت پر لطف بنادیا تھا۔ مہمان نوازی، سخاوت وغرباء پروری میں نہایت کشادہ دست تھے، یہاں تک کہ لوگوں کو اسراف کا دھوکہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا مجھے تمھاری تین باتیں ناپسند ہیں : ایک یہ کہ تم نے اپنی کنیت ابو یحییٰ قرار دی حالانکہ یہ ایک پیغمبر (علیہ السلام) کا نام ہے اور تمھاری اس نام کی کوئی اولاد نہیں، دوسرے اسراف کرتے ہو اور تیسرے یہ کہ اپنے کو عرب کہتے ہو۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بولے یہ کنیت میری نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز کردہ ہے، رہا اسراف تو اس میں میرے عمل کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

((خِيَارُكُمْ مَنْ اَطْعَمَ الطَّعَامَ وَ رَدَّ السَّلَامَ .))

''تم لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے۔''

اور تیسری بات کا جواب یہ ہے کہ میں درحقیقت عرب ہوں چونکہ رومیوں نے بچپن ہی میں مجھے غلام بنا کر اہل وعیال سے جدا کر دیا تھا اس لیے میں اپنے خاندان و قوم کو بھول گیا ہوں۔ ❶

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا قد میانہ بلکہ ایک حد تک کوتاہ، چہرہ نہایت سرخ، سر کے بال گھنے تھے، زمانۂ پیری میں مہندی کا خضاب لگاتے تھے، زبان میں لکنت تھی ایک دفعہ وہ اپنے غلام یحنس کو باغ میں یاناس یاناس کہہ کر پکار رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو تعجب سے فرمایا ان کو کیا ہو گیا ہے کہ لوگوں کو پکار رہے ہیں؟ (ناس عربی میں لوگوں کو کہتے ہیں) حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ وہ لوگوں کو کب پکارتے ہیں وہ تو اپنے غلام یحنس کو بلاتے ہیں لیکن لکنت کی وجہ سے اس نام کو ادا نہیں کر سکتے۔ ❷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا ہے اس کو

❶ سير اعلام النبلاء : 258/3.

❷ اسد الغابه : 32/3.

چاہیے کہ صہیب رضی اللہ عنہ سے ایسے محبت کرے جیسے ماں اپنے بچے سے کرتی ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صہیب رضی اللہ عنہ (اسلام لانے والے) پہلے رومی ہیں۔ مجاہد صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے پہلے پہل جن لوگوں نے اسلام کا اظہار کیا وہ سات لوگ تھے جن میں صہیب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

ذخیرہ حدیث میں آپ رضی اللہ عنہ سے تقریباً تیس 30 حدیثیں مروی ہیں جن میں سے تین حدیثیں امام مسلم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کی ہیں۔ [1]

(9) سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی عبداللہ اور کنیت ابو یحییٰ تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ قضاعہ سے ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے: عبداللہ بن انیس بن اسعد بن حرام بن خبیب بن مالک بن غنم بن کعب۔ آپ رضی اللہ عنہ کے سلسلہ نسب میں سے گیارہویں پشت کے لوگ قبیلہ جہینہ میں مل گئے تھے اسی سبب سے یہ لوگ جہنی کہلائے، آپ رضی اللہ عنہ کو بھی اسی وجہ سے جہنی کہا جاتا ہے۔

عقبہ ثانیہ سے پہلے مسلمان ہوئے اور مکہ مکرمہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی اور وہیں اقامت اختیار کر لی۔ پھر مہاجرین کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ اس لیے آپ رضی اللہ عنہ کو مہاجری انصاری بھی کہتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنے جوش اسلام میں ایک نمایاں نام رکھتے تھے۔ چنانچہ شروع میں ہی مدینہ منورہ آتے ہی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جا کر بنو سلمہ کے بت توڑے تھے۔ [2]

آپ رضی اللہ عنہ بدر اور اُحد کے بعد غزوات میں شامل ہوئے، خلد بن نبیح عنبری اسلام

---

[1] سیر اعلام النبلاء : 258/3.

[2] اسد الغابہ : 120/3.

کا سخت دشمن تھا رسول اللہ ﷺ کے حکم سے آپ رضی اللہ عنہ نے ہی اسے واصل جہنم کیا تھا۔ ❶

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت تھا اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ کی وفات کو پندرھواں دن تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی بیماری کا سن کر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی آئیں اور کہا کہ چچا! ابا جان کو (عالم برزخ میں) جا کر میرا سلام پہنچائیے گا۔اس کے بعد جان قفس عنصری سے پرواز کر گئی یہ چون 54ھ کا واقعہ ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل اولاد چھوڑی۔

عطیہ،عمرو،ضمرہ،عبداللہ،خلدۃ

ذخیرہ احادیث میں آپ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث کی تعداد 24 ہے۔لیکن اس سے ان کے دامن فضل پر کوئی داغ نہیں پڑتا۔اس سے بڑھ کر اور شرف کیا ہوسکتا ہے کہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے علم حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس حاضر ہوتے۔ آپ غزہ میں قیام پذیر تھے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ صرف ایک حدیث سننے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ ایک ماہ کی مسافت طے کر کے ان کے پاس پہنچتے تھے۔ ❷

آپ رضی اللہ عنہ نہایت عبادت گزار تھے لیکن آپ رضی اللہ عنہ کا مکان مسجد نبوی سے فاصلہ پر تھا اس لیے روزانہ آنا جانا دشوار تھا۔ ایک مرتبہ رمضان میں رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ لیلۃ القدر کی کوئی تعیین کر دیجیے میں رات مسجد میں گزارنا چاہتا ہوں لیکن روزانہ آنا مشکل ہے۔آپ ﷺ نے ان کے لیے 23ویں شب مقرر کی اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس رات تشریف لا کر شب بیداری کی۔اس مناسبت سے اس رات کا

❶ سیر الصحابہ : 229/3.

❷ صحیح بخاری : 17/1.

نام اہل مدینہ نے لیلۃ الجہنی رکھ لیا۔ ❶

(10) سیدنا مقداد بن الأ سود رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ کا نام مقداد اور کنیت ابو معبد تھی۔ سلسلہ نسب یہ ہے، مقداد بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بن ربیعہ بن ثمامہ بن مطرود بن عمرو بن سعد۔ آپ رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ ''بہراء'' سے تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ مقداد بن اسود کے نام سے مشہور تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اپنے قبیلہ کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا اور بھاگ کر قبیلہ کندہ میں چلے گئے تھے وہاں بھی جھگڑا ہوا اور ایک آدمی کو قتل کر کے مکہ مکرمہ آ گئے اور یہاں اسود بن یغوث کو اپنا حلیف بنالیا اور اس نے ان کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کا نسب ان ہی کے نام سے مشہور ہوا اور آپ رضی اللہ عنہ کو مقداد بن عمرو کے بجائے مقداد بن اسود کہا جانے لگا۔ ❷

آپ قدیم الاسلام ہیں اور آپ رضی اللہ عنہ کا شمار ''السابقون الاولون'' میں ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ ان آدمیوں میں سے ہیں جنھوں نے مشرکین مکہ سے ڈرے بغیر اپنا اسلام مکہ مکرمہ میں ہی ظاہر کر دیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حبشہ ہجرت کی تھی اور کچھ عرصہ بعد وہاں سے واپس آ گئے تھے اور جب رسالت مآب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمانے لگے تو مقداد رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ شریک نہ ہو سکے اور پیچھے رہ گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک دستہ مدینہ منورہ کسی مہم پر روانہ فرمایا اس دوران اُن کی مڈبھیڑ مشرکین کے ایک قافلے سے ہوگئی جس میں ابوجہل اور اس کا بیٹا عکرمہ (رضی اللہ عنہ جو بعد میں صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئے)

❶ اسد الغابہ : 120/3 .

❷ اسد الغابة : 244/3 .

بھی تھا۔ مقداد رضی اللہ عنہ اور عتبہ بن غزوان بھی ان میں شامل تھے تا کہ جہاں بھی اسلامی فوج سے ملاقات ہوگی ان کے ساتھ مل جائیں گے۔ جب دونوں گروہ آمنے سامنے آگئے تو مقداد رضی اللہ عنہ اور عتبہ اسلامی لشکر میں جا ملے اور یوں انھوں نے مدینہ منورہ ہجرت کر کے دو ہجرتوں کا شرف حاصل کیا۔

چونکہ شروع ہی میں اسلام لے آئے تھے اس لیے غزوہ بدر سمیت تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ غزوہ بدر میں آپ رضی اللہ عنہ نے نہایت اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ نبی ملاحم صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر کو روانہ ہوئے تو اطلاع ملی کہ قریش اپنے قافلے کی مدد کے لیے مکہ مکرمہ سے روانہ ہو چکے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب صحابہ رضی اللہ عنہم کو مشورہ کے لیے جمع کیا، پہلے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تقریر فرمائی اور اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خطاب کیا اور دونوں نے نہایت اچھے خیالات کا اظہار فرمایا ان کے بعد مقداد رضی اللہ عنہ اُٹھے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ملا ہے اسے بلا تامل پورا فرمایئے، اللہ کی قسم! ہماری طرف سے ایسا جواب نہیں دیا جائے گا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے انھیں دیا تھا جب وہ قوم عمالقہ سے جہاد کے لیے روانہ ہو رہے تھے کہ ''تو اور تیرا رب جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔'' اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا ہے آپ اگر ہمیں ''برک الغماد'' کی طرف لے جائیں تو بھی ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیں گے اور آپ کی حفاظت کریں گے یہاں تک کہ آپ کامیاب ہو جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تقریر سنی تو اُن کی تحسین فرمائی اور دعائے خیر کی۔

غزوہ بدر میں اسلامی لشکر کے پاس دو گھوڑے تھے جن میں سے ایک مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ آپ ان سات آدمیوں میں سے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے فتح مصر میں بھی آپ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ملتا ہے۔

آپ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی (علیہ السلام) کے سات نجیب، وزیر اور رفیق ہوتے ہیں اور مجھے چودہ ایسے نجیب و رفیق دیے گئے، حمزہ، جعفر، ابوبکر، عمر، علی، حسن، حسین، ابن مسعود، سلمان، عمار، حذیفہ، ابوذر، مقداد اور بلال رضی اللہ عنہم۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت چار لوگوں کی مشتاق ہے: علی، عمار، مقداد اور سلمان رضی اللہ عنہم کی۔ ❶

آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد احادیث روایت کیں۔

آپ کی وفات مدینہ منورہ سے تین میل دور مقام جرف میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر ستر 70 برس کی تھی۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے ارنڈی کا تیل پی لیا تھا جس سے آپ رضی اللہ عنہ کا پیٹ پھٹ گیا تھا اور چربی باہر نکل آئی تھی۔ ❷

آپ نے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد اپنا وصی بنایا تھا۔ اور آپ رضی اللہ عنہ نے جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما ہر ایک کے لیے اپنے مال میں سے آٹھ ہزار درہم کی اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے ہر ایک کے لیے سات ہزار درہم کی وصیت کی تھی آپ رضی اللہ عنہ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ ❸

آپ کا رنگ گندمی اور قد لمبا تھا۔ پیٹ قدرے بڑھا ہوا تھا، سر کے بال کثیر اور بھنویں آپس میں ملی ہوئی تھیں۔ ❹

❶ معجم کبیر للطبرانی : 264/6، مجمع الزوائد : 117/9 307.

❷ سیر اعلام النبلاء : 380/2. ❸ سیر اعلام النبلاء : 246/3.

❹ اسد الغابه : 246/3.

باب 12

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن

(1) اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا:

ام المومنین خدیجہ بنت خویلد بن اسد القرشیۃ امہات المومنین میں سے ایک ہیں۔ سب سے پہلے ان کا نکاح ابو ہالہ بن زرارۃ سے ہوا تھا، پھر اس کے بعد عتیق بن عائذ سے شادی کی۔ پھر اس کے بعد چالیس سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پہلے اور ان کی زندگی میں کسی بھی دوسری عورت سے شادی نہیں کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہی تھی، سوائے ابراہیم رضی اللہ عنہ کے کہ یہ سیّدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا مردوں اور عورتوں میں سب سے پہلے مسلمان ہونے والی خاتون ہیں، اسلام کے لیے آپ نے بڑی قربانیاں دی ہیں، بڑی مالدار خاتون تھیں، آپ نے اپنے مال کی تجوریاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھول دیں اور مشکل ترین حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ صرف ساتھ دیا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت افزائی کرتی تھیں۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اکثر و بیشتر یاد رکھا کرتے تھے۔ ان کی تعریفیں کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سیّدہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کا بھی خیال کیا کرتے تھے۔ کہ یہ میری بیوی کی سہلیاں ہیں چنانچہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((مَاغِرْتُ عَلٰی اَحَدٍ مِنْ نِّسَاءِ النَّبِيِّ ﷺ مَاغِرْتُ عَلٰی

خَدِيْجَةَ رضی اللہ عنہا ، وَمَـا رَاَيْتُهَـا وَلٰـكِنْ كَانَ يُكْثِرُ ذِكْرَهَا وَرُبَّمَا ذَبَحَ الشَّاةَ ثُمَّ يُقَطِّعُهَا اَعْضَاءً ثُمَّ يَبْعَثُهَا فِیْ صَدَائِقِ خَدِيْجَةَ فَـرُبَّـمَـا قُـلْتُ لَه كَاَنَّه لَمْ تَكُنْ فِی الدُّنْيَا امْرَأَةٌ اِلَّا خَدِيْجَةَ فَيَقُوْلُ اِنَّهَا كَانَتْ وَكَانَتْ وَكَانَ لِیْ مِنْهَا وَلَدٌ .))❶

’’مجھے نبی کریم ﷺ کی بیویوں میں سے کسی بیوی پر سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ رشک نہیں آیا۔ حالانکہ میں نے انہیں دیکھا نہیں تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ اکثر ان کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے، بعض دفعہ آپ ﷺ بکری ذبح کر کے اس کا گوشت بنا کر سیّدہ کی سہیلیوں کو ہدیہ بھیجتے، بعض دفعہ میں آپ سے عرض کرتی، گویا دنیا میں خدیجہ کے علاوہ کوئی عورت ہی نہیں۔ اس پر آپ ﷺ فرماتے: وہ ایسی تھیں اور ایسی تھیں (یعنی ان کے اوصاف اور وفاؤں کا تذکرہ فرماتے) اور فرماتے کہ میری اس سے اولاد ہے۔‘‘

ایک دفعہ جب سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا، آپ ﷺ تو بس خدیجہ خدیجہ کرتے رہتے ہیں؟ خدیجہ میں ایسی کون سی بات تھی کہ جو ہم میں نہیں ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں کیا معلوم خدیجہ کیا تھی؟ جب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے، خدیجہ رضی اللہ عنہا میری تصدیق کر رہی تھی، جب لوگ مجھے لہولہان کر دیا کرتے تھے، خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے دوپٹے سے میرا خون صاف کرتی تھی، جب میں دین کی تبلیغ کی سختیوں سے پریشان ہو جاتا، خدیجہ میری ہمت افزائی کرتی تھی۔ سیّدہ کی انہی قربانیوں کی وجہ سے سیّدہ کو بہترین عورتوں میں سے ایک قرار دیا گیا۔

❶ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، رقم: 3818، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6277.

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

((خَيْـرُ نِسَـائِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ ، وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ .)) ❶

''سیّدہ مریم بنت عمران علیہا السلام اپنے زمانے کی سب عورتوں سے بہتر تھیں اور سیّدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا اپنے دور کی عورتوں میں سب سے بہتر ہیں۔''

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کتنی افضل ہیں، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور سیّدنا جبرائیل علیہ السلام سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سلام پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((اَتٰى جِبْرِئِيْلُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! هٰذِهٖ خَدِيْجَةُ قَـدْ اَتَـتْ مَـعَـهَـا اِنَـاءٌ فِيْهِ اِدَامٌ اَوْ طَعَامٌ أَوْ شَرَابٌ فَاِذَا اَتَتْكَ فَـأَقْـرَأْ عَـلَيْهَـا السَّلَامَ مِـنْ رَّبِّهَا وَمِنِّیْ ، وَبَشِّرْهَا بِبَيْتٍ فِی الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فِيْهِ وَلَانَصَبَ .)) ❷

''ایک دفعہ سیّدنا جبرئیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور کہا یارسول اللہ! سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تشریف لارہی ہیں،ان کے پاس ایک برتن ہے، جس میں سالن یا کھانا یا پینے کی کوئی چیز ہے، جب وہ آپ کے پاس پہنچیں تو انہیں ان کے رب اور میری طرف سے سلام کہیے اور انہیں جنت میں ایسے گھر کی بشارت دیجئے، جس میں کوئی شورشرابہ ہوگا اور نہ وہاں مشقت

❶ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، رقم: 3815، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6271.

❷ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، رقم: 3820، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6273.

اٹھانی پڑے گی۔''

نیز سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((جَاءَ جِبْرِيْلُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَعِنْدَهُ خَدِيْجَةُ فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ يُقْرِئُ خَدِيْجَةَ السَّلَامَ فَقَالَتْ: إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ وَعَلَى جِبْرِيْلَ السَّلَامُ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ.)) ❶

''نبی کریم ﷺ کے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے تو عرض کی کہ اللہ تعالیٰ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سلام کہتے ہیں۔ سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا اللہ سراپا سلامتی ہے، جبرائیل پر سلامتی ہو اور آپ پر سلامتی ہو اللہ کی رحمت اور برکت ہو۔''

غور فرمائیں کہ جس کو اللہ اور جبرائیل علیہ السلام سلام پیش کریں، اس کا مقام کیا ہوگا؟ اس سوال کا جواب رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہمیں دیتی ہے۔ سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((خَطَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ خُطُوْطٍ فَقَالَ: أَتَدْرُوْنَ مَا هٰذَا؟ فَقَالُوْا: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ فَقَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَفْضَلُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ خُدَيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلَدٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَآسِيَةُ بِنْتُ مُزَاحِمٍ اِمْرَاءَةُ فِرْعَوْنَ وَمَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ.)) ❷

''رسول اللہ ﷺ نے زمین پر چار لکیریں کھینچیں اور فرمایا کیا تم جانتے ہو

---

❶ مستدرك حاكم: 186/3، رقم: 4908، امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے مسلم کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے۔
❷ صحيح الجامع الصغير، رقم: 1135.

کہ یہ کیا ہے؟ سب نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خواتین اہل جنت میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، فرعون کی بیوی آسیہ بن مزاحم اور مریم بنت عمران ہیں۔''

اللہ تعالیٰ سیّدہ کے درجات کو اور بلند کرے۔ سیّدہ مکہ میں ہجرت سے تین سال پہلے فوت ہوئیں۔ اس وقت سیّدہ کی عمر پینسٹھ سال تھی، آپ ﷺ کے ساتھ پچیس سال گزارے، سیّدہ کو حجون کے مقام پر دفن کیا گیا۔

(2) اُمّ المؤمنین سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا:

سیّدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا بھی اُم المومنین میں سے ایک ہیں، جن کا پہلا نکاح سیّدنا سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ہوا اور شادی بھی انہی سے ہوئی، پھر اُن کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پیغامِ نکاح وتزویج پر آپ ﷺ سے شادی کر لی۔

سیّدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کا قریش کی معززہ خواتین میں شمار ہوتا تھا، سیّدہ کے بہت سے فضائل ومناقب ہیں کہ جن میں سے بعض کا تعلق صدرِ نشین بزمِ کائنات جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے، بعض کا فیضان اُن کے بلند اخلاق سے ہوتا ہے اور بعض کے فضائل ومناقب ایسے ہیں کہ جو اُنہیں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں میسر آئے۔ سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے دیگر فضائل میں سے ایک فضیلت وخصوصیت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُنہیں مزدلفہ کی رات لوگوں کے رش پڑ جانے سے پہلے ہی اجازت مرحمت فرما دی تھی، چنانچہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((نَـزَلْـنَا الْمُزْدَلِفَةَ فَاسْتَأْذَنَتِ النَّبِيَّ ﷺ سَوْدَةُ أَنْ تَدْفَعَ قَبْلَ حَـطْـمَةِ النَّاسِ ، وَكَانَتِ امْرَأَةً بَطِيْئَةً فَأَذِنَ لَهَا فَدَفَعَتْ قَبْلَ

حَطْمَةِ النَّاسِ ، وَأَقَمْنَا حَتَّى أَصْبَحْنَا نَحْنُ ثُمَّ دَفَعْنَا بِدَفْعِهِ ، فَلَأَنْ أَكُوْنَ اسْتَأْذَنْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَمَا اسْتَأْذَنَتْ سَوْدَةُ اَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ مَفْرُحٍ بِهِ .)) [1]

''ہم نے مزدلفہ میں پڑاؤ ڈالا تو سودہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے اجازت طلب کی کہ لوگوں کے ازدھام سے قبل ہی منیٰ کو روانہ ہوجائیں، آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمادی اور وہ لوگوں کے ازدھام سے قبل ہی منیٰ کو روانہ ہوگئیں اور ہم لوگ وہیں ٹھہرے رہے اور صبح آپ ﷺ کے ساتھ منیٰ کی طرف گئے۔ اگر میں بھی سودہ رضی اللہ عنہا کی طرح آپ ﷺ سے اجازت لے لی ہوتی تو مجھے مفروج چیزوں میں یہ بہت ہی پسند ہوتا۔''

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا پر بڑا رشک آتا تھا اور اُنہیں یہ بات پسند تھی کہ وہ خود وہ خاتون ہوتیں کہ جس نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی تھی۔

سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف بھی حاصل رہا ہے کہ جن ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا اُن میں وہ بھی شامل تھی۔

نیز سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف بھی حاصل رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ خیبر میں شریک ہوئیں اور میدانِ جہاد میں اپنی طرف سے وافر حصہ ڈالا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر کے مال غنیمت میں سے سیّدہ کو اَسّی وسق کھجوریں اور بیس وسق جَو عطا کئے تھے۔ [2]

---

[1] صحيح بخاری ، كتاب الحج ، رقم: 1681 .

[2] طبقات ابن سعد .

سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا خلافت راشدہ تک حیات رہیں، آپ رضی اللہ عنہا نے زندگی کی آخری بہاروں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا و اتباع کو حرز جاں بنائے رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتی رہیں۔ سیّدہ رضی اللہ عنہا اَسّی سال کی طویل عمر پا کر سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے آخری ایام میں اس دار فانی سے رخصت فرما گئیں۔

(3) اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بنت اَبی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ والدہ کا نام ام رومان بنت عامر بن عویمر ہے۔ انتہائی فضیلت والی صحابیات میں سے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دس سن نبوت کو شادی کی، یعنی ہجرت سے تین سال قبل شوال کے مہینے میں اور رخصتی ہجرت کے دوسرے سال شوال میں ہوئی۔ یہ انتخاب اللہ مہربان نے خاص طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیا۔ چنانچہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

((قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أُرِیْتُكِ فِی الْمَنَامِ ثَلٰثَ لَیَالٍ یَجِیْئُ بِكِ الْمَلَكُ فِیْ سَرَقَةٍ مِّنْ حَرِیْرٍ، فَقَالَ لِیْ: هٰذِهٖ أَمْرَاتُكَ، فَكَشَفْتُ عَنْ وَجْهِكِ الثَّوْبَ، فَإِذَا أَنْتِ هِیَ، فَقُلْتُ: إِنْ یَّكُنْ هٰذَا مِنْ عِنْدِاللّٰهِ یُمْضِهٖ.)) [1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا کہ تین راتیں تم مجھے خواب میں دکھائی گئی، فرشتہ ریشم کے ٹکڑے میں لپیٹ کر تیری تصویر لاتا رہا اور اس نے مجھے بتایا کہ یہ آپ کی بیوی ہے۔ پھر جب میں نے تیرے چہرے سے نقاب اٹھایا تو وہ تم تھیں، پس میں نے سوچا اگر یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو

[1] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، رقم: 3895، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6283.

وہ اسے مجھے ملا دے گا۔''

یہ فضیلت بھی صرف سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔ آپ بڑی زاہدہ وعابدہ تھیں اور آپ کی بہت زیادہ فضیلت احادیث مبارکہ میں بیان کی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس زوجہ محترمہ سے بے پناہ محبت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عائشہ سے، سائل نے پوچھا مردوں میں فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ سے۔ ❶

''لوگ عائشہ کی باری کے دن ہدیے وغیرہ بھیجنے کا زیادہ خیال کرتے تھے۔ اس طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی چاہتے تھے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں دو حصوں میں تھیں۔ ایک طرف عائشہ، حفصہ، صفیہ اور سودہ تھیں اوردوسری جانب سیّدہ اُمّ سلمہ اور باقی ازواج رضی اللہ عنہن تھیں۔ سیّدہ اُمّ سلمہ کی ہم خیال ازواج نے ان سے کہا، کہ تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرو کہ جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنا چاہیں، ان کو ہدایت فرمائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بھی ہوں، وہ آپ کی جانب ہدیہ بھیج دیا کریں۔ چنانچہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جواب دیا، مجھے عائشہ کے بارے میں تکلیف مت پہنچاؤ! عائشہ کے علاوہ اور کسی کی بیوی کے بستر پر مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی۔ اس نے کہا، یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا رسانی پر میں اللہ تعالیٰ کے حضور معافی مانگتی ہوں۔ پھر انہوں

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: 3662، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6177.

نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا ، انہوں نے آپ سے بات کی تو آپ نے فرمایا: بیٹا! کیا تمہیں اس سے محبت نہیں جس سے میں محبت کرتا ہوں، انہوں نے فرمایا کیوں نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت کیا کرو۔''

ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس بیماری کے دوران سوال کرتے تھے، جس میں آپ نے وفات پائی کہ کل میں کہاں ہوں گا؟ وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن کا ارادہ رکھتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے آپ کو اجازت دے دی کہ جہاں آپ کی مرضی وہاں پہنچا دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ کے گھر تھے اور آپ نے اسی کے پاس وفات پائی۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دن وفات پائی جو میری باری کا دن تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح جس وقت قبض کی آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا اور آخری لمحات میں آپ کا لعاب دہن میرے لعاب سے مل گیا۔ [1]

غور فرمایئے! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیّدہ عائشہ سے کتنی محبت تھی، اپنی بیماری کے دنوں میں بار بار پوچھتے ہیں کہ کل میں کہاں ہوں گا؟ مطلب یہ تھا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر جانے کی باری کب آئے گی، کس قدر محبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے کہ بے چین ہو جاتے ہیں کہ بس کسی طرح سیّدہ کے پاس پہنچ جاؤں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس سے محبت کرتے ہوں اس کا کیا مقام ہوگا، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] صحيح بخاری، كتاب المغازی، رقم: 4450.

((اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ .)) ❶

''انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔''

آپ ﷺ کو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بے پناہ محبت تھی، اسی وجہ سے اس سے پہلے والی حدیث میں فرمایا کہ جب دوسری بیویوں نے آپ ﷺ کو شکایت کے طور پر کہا کہ لوگوں سے کہیے کہ آپ ﷺ جہاں بھی ہوں تحفے بھیج دیا کریں، خاص سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے دنوں میں ہی تحفے آپ ﷺ کے پاس کیوں بھیجتے ہیں، ہماری باری میں بھی تحفے بھیجا کریں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تُؤْذِيْنِي فِي عَائِشَةَ .))

''مجھے عائشہ کے بارے میں تکلیف نہ دو۔''

مجھ پر وحی صرف اور صرف اسی کے بستر پر آتی ہے، تم میں سے کسی کے بستر پر نہیں آتی۔ یعنی سیّدہ سب سے افضل بھی ہیں اور مجھے محبوب ترین بھی، اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۞ وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۞ ﴾ (الاحزاب: 28، 29)

''اے نبی ﷺ! آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا اور دنیا کی زینت چاہتی ہو تو تم آجاؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کے اچھے طریقہ سے چھوڑ دیتا ہوں، لیکن اگر تم اللہ، رسول ﷺ اور آخرت کا ارادہ رکھتی ہو تو تم میں

❶ صحیح بخاری، کتاب الادب، رقم: 6168.

سے نیکی کرنے والیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا اجر رکھا ہے۔''

تو سب سے پہلے آپ ﷺ نے یہ آیات سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنا کر اختیار دیا ،تاہم انہیں یہ بھی کہا کہ جلد بازی میں فیصلہ کرنے کی بجائے اپنے والدین سے مشورہ ضرور کر لینا ،سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کے بارے میں مشورہ کروں؟ میں نے تو اللہ اور رسول کو پسند کیا ہے، یہی بات دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی کہی۔ ❶

غور فرمایئے کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو تلقین کی کہ جلد بازی میں فیصلہ نہ کرنا، مطلب یہ کہ کہیں تم مجھ سے دور نہ ہوجانا، رب تعالیٰ نے اسی محبت کی قدر کرتے ہوئے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو آخرت میں بھی آپ ﷺ کی بیوی بنا دیا ہے۔

ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ رسول کریم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((اَمَا تَرْضِيْنَ اَنْ تَكُوْنِيْ زَوْجَتِيْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ قُلْتُ بَلٰى وَاللّٰهِ! قَالَ: فَانْتِ زَوْجَتِيْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ)) وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: عَائِشَةُ زَوْجَتِيْ فِي الْجَنَّةِ)) ❷

''کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ تو میری دنیا اور آخرت میں بیوی ہو میں نے کہا اللہ کی قسم کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو میری دنیا اور آخرت میں بیوی ہے۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عائشہ جنت میں میری بیوی ہے۔''

---

❶ صحیح البخاری، تفسیر سورة الاحزاب ، رقم : 4785، 4786.

❷ صحیح الجامع الصغیر ، رقم : 3965.

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنتی بیوی ہیں، ان بدبختوں کو اپنا عقیدہ درست اور نظریہ ٹھیک کرنا چاہیے کہ جو صدیقۂ کائنات رضی اللہ عنہا کے بارے میں غلط سوچ اور فکر رکھتے ہیں، حالانکہ یہ تو وہ سیّدہ ہیں کہ جنہیں انسان تو انسان اللہ کے فرشتے بھی انتہائی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ سیّدنا ابوسلمہ، سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَاعَائِشَةُ! هٰذَا جِبْرِئِيْلُ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ، قَالَتْ: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، وَهُوَ يَرٰى مَالَا اَرٰى.)) ❶

''یاعائشہ! یہ جبریل علیہ السلام ہیں، وہ تمہیں سلام پیش کررہے ہیں، سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا جبرائیل پر بھی سلام ہو اور اللہ کی رحمت ہو۔ انہوں نے بتایا کہ آپ جو کچھ دیکھ رہے تھے وہ میں تو نہیں دیکھ سکتی۔''

فرشتوں کا سردار سیّدنا جبرائیل علیہ السلام جس بیوی کو سلام کہے، وہ کتنی عظیم عورت ہوگی، کیونکہ سیّدنا جبرئیل علیہ السلام بغیر اللہ کے حکم کے کسی سے کوئی بات نہیں کہتے تو گویا یہ سلام اللہ نے کروایا۔ کیونکہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا تعلق اللہ کے ساتھ بڑا ہی مضبوط تھا۔ اللہ کی عبادت میں مصروف رہنا، اور اللہ کا ذکر کرنا اور اللہ کے خوف کی وجہ سے رونا یہ سیّدہ کے نمایاں اوصاف میں سے ہیں۔ چنانچہ سیّدنا عروہ رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی (سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں:

((كُنْتُ اِذَا غَدَوْتُ اَبْدَأُ بِبَيْتِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا اُسَلِّمُ عَلَيْهَا

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، رقم: 3768، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6301.

فَغَدَوْتُ يَوْمًا فَإِذَا هِيَ قَائِمَةٌ تَقْرَءُ ﴿فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ وَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ﴾ (الطور : 27) وَتَدْعُوْ وَتَبْكِيْ وَتُرَدِّدُهَا فَقُمْتُ حَتّٰى مَلَلْتُ الْقِيَامَ فَذَهَبْتُ اِلَى السُّوْقِ لِحَاجَتِيْ ثُمَّ رَجَعْتُ فَإِذَا هِيَ قَائِمَةٌ كَمَا هِيْ تُصَلِّيْ وَتَبْكِيْ .))[1]

''زبیر (رضی اللہ عنہ) جب صبح گھر سے نکلتا تو پہلے (اپنی خالہ) سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سلام عرض کرتا، ایک روز میں گھر سے نکلا (اور حسب معمول سلام کرنے حاضر ہوا) تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (نماز میں) کھڑی تھیں اور قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرما رہی تھیں : ﴿فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ وَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ﴾ (الطور:27) ''اللہ نے ہم پر احسان کیا اور گرم زہریلی ہوا کے عذاب سے بچالیا۔'' سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہ آیت بار بار پڑھے جارہی تھیں اور روئے جارہی تھیں۔ میں (انتظار کے لیے) کھڑا ہوگیا، حتیٰ کہ میرا جی بھر گیا اور میں کسی کام سے بازار چلا گیا واپس پلٹا تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ابھی تک نماز میں کھڑی تھیں اور (وہی آیت پڑھ پڑھ کر) روئے جارہی تھیں۔''

اللہ تعالیٰ نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایسا ضمیر دے رکھا تھا کہ جس میں اللہ کا خوف اور ڈر تھا۔ اللہ کا ڈر اور خوف علم کی وجہ سے پیدا ہوا کرتا ہے، چنانچہ سیّدہ علم میں بھی اپنی مثال آپ تھیں۔ سیّدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((مَا اَشْكَلَ عَلَيْنَا اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰه ﷺ حَدِيْثًا قَطُّ

---

[1] صفة الصفوة : 404/2.

فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ اِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَنَا مِنْهُ عِلْمًا .)) ❶

''جب ہم اصحاب رسول ﷺ پر کسی حدیث میں کبھی کوئی اشکال پیش آیا تو ہم نے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا، تو ہم نے اس کے ہاں اس حدیث کے بارے میں معلومات پائیں۔''

اس کے ساتھ ساتھ سیّدہ رضی اللہ عنہا عرب جنگوں کے حالات اور عرب کے اشعار سے بھی خوب واقفیت رکھتیں تھیں اور ان کو خوب عبور حاصل تھا اور انتہائی بلیغ و فصیح عربی میں گفتگو کیا کرتی تھیں۔ سیّدنا موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَا رَأَيْتُ اَحَدًا اَفْصَحَ مِنْ عَائِشَةَ .))❷

''میں نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کوئی فصیح و بلیغ نہیں دیکھا۔''

سیّدہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کی ایک بڑی جماعت نے حدیث روایت کی ہے اور رسول مکرم ﷺ کی جنتی بیوی ستاون ھ کو مدینہ میں فوت ہوئیں، ان کو ان کی وصیت کے مطابق رات کو دفن کیا گیا۔ ان کی نمازِ جنازہ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی۔

(4) اُمّ المؤمنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا:

سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بھی اُمّ المؤمنین میں سے ایک ہیں، اور ایک جلیل القدر صحابی خلیفہ ثانی سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا پہلے سیّدنا خنیس رضی اللہ عنہ کے حبالہ عقد میں تھیں، اُن کی شہادت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اُن کی طرف پیغام نسبت بھیج کر اُن سے شادی کر لی۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا زندگی بھر علم و عرفان کی محبت اور اُن

---

❶ سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: 3883۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔
❷ سنن ترمذی، کتاب المناقب، قم: 3884۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

کے حصول کے لیے سرشار ہیں۔ سیّدنا جبرائیل علیہ السلام جو بھی وحی لے کر رسول اللہ ﷺ پر نزول فرماتے، وہ اُسے زبانی حفظ کرلیتیں، اور قرآن مقدس کے معانی پر غور وفکر کیا کرتی تھیں، نیز دن کو روزہ رکھتی تھیں اور رات کو قیام کرتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں عبادت گزار خواتین کی صف میں انتہائی بلند مقام پر فائز فرمایا۔ چنانچہ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((یَاحَفْصَةُ، أَتَانِیْ جِبْرِیْلُ آنِفًا فَقَالَ: فَإِنَّهَا صَوَّامَةٌ قَوَّامَةٌ وَهِیَ زَوْجَتُكَ فِی الْجَنَّةِ.)) [1]

''اے حفصہ! ابھی جبرائیل علیہ السلام میرے ہاں آئے تھے اور مجھے کہا: بلاشبہ، وہ (حفصہ) روزے رکھنے والی، قیام کرنے والی ہیں اور وہ جنت میں بھی آپ کی اہلیہ ہیں۔''

سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا شعبان پینتالیس ہجری میں ساٹھ سال کی عمر پاکر اس دار فانی سے رخصت ہوئیں۔

(5) اُمّ المؤمنین سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا:

سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی اُم المومنین میں سے ایک ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا پہلے سیّدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں تھیں، اُن کی شہادت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آپ کی طرف پیغام نسبت بھیج کر آپ سے شادی کرلی۔ آپ کا سلسلہ نسب کچھ یوں ہے: نہر بنت ابی امیہ بن مغیرۃ بن عبداللہ مخزومیہ رضی اللہ عنہا، اور آپ کی کنیت اُمّ سلمہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا عرب کے ایک معزز قبیلہ ''بنومخزوم'' سے تعلق رکھتی تھیں، آپ کو اپنے خاندان میں انتہائی اہمیت حاصل تھی، نیز آپ رضی اللہ عنہا بڑی عالمہ، فاضلہ، پاکیزہ اور حسن و جمال کی پیکر

[1] معجم اوسط، رقم: 101، مجمع الزوائد: 244/9.

خاتون تھیں۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اُن مہاجرین خواتین میں تھیں کہ جنہوں نے اوّل مرحلے میں ہجرت فرمائی۔ نیز سیّدہ ان عورتوں میں تھیں کہ جو سب سے زیادہ حسین وجمیل اور نسب کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر معزز تھیں۔'' ❶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آنے کے بعد اُنہیں وہ عالیشان مقام حاصل ہوا کہ جو کسی خوش نصیب ہی کے حصے میں آ سکتا ہے۔ چنانچہ سیّدنا ابوعثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((أَنَّ جِبْرِيْلَ عليه السلام أَتَى النَّبِيَّ ﷺ وَعِنْدَهُ أُمُّ سَلَمَةَ، فَجَعَلَ يُحَدِّثُ ثُمَّ قَامَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأُمِّ سَلَمَةَ: مَنْ هٰذَا أَوْ كَمَا قَالَ۔ قَالَ: قَالَتْ: هٰذَا دِحْيَةُ، قَالَتْ أُمُّ سَلَمَهَ: إِيْمُ اللّٰهِ، مَا حَسِبْتُهُ إِلَّا إِيَّاهُ، حَتَّى سَمِعْتُ خُطْبَةَ نَبِيِّ اللّٰهِ ﷺ يُخْبِرُ عَنْ جِبْرِيْلَ.)) ❷

''جبرائیل علیہ السلام ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھیں، پس وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتے رہے پھر چلے گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا: یہ کون تھے؟ انہوں نے عرض کیا، دحیہ رضی اللہ عنہ تھے، اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، اللہ کی قسم! میں نے انہیں دحیہ کلبی ہی سمجھا تھا۔ لیکن میں نے سنا کہ

---

❶ سير اعلام النبلاء : 202/2.

❷ صحيح بخاری، کتاب المناقب، رقم: 3633.

نبی ﷺ نے دوران خطبہ بتایا کہ وہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔‘‘

اس روایت سے سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت واضح ہورہی ہے کہ اولاً تو سیّدنا جبرائیل علیہ السلام کا اُن کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ کے ہاں تشریف لانا اور دوسرا یہ کہ سیّدہ کا جبرائیل علیہ السلام کی گفتگو سننا، یہ دونوں باتیں اُن کی فضیلت واضح کرتی ہیں۔ نیز ایک اور روایت سے بھی سیّدہ کی فضیلت واضح ہوتی ہے، چنانچہ سیّدہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ:

((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَـمَّا تَزَوَّجَ أُمَّ سَلَمَةَ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا وَقَالَ: إِنَّـهُ لَيْـسَ بِكِ عَلَى أَهْلِكِ هَوَانٌ، إِنْ شِـئْتِ سَبَّعْتُ لَكِ سَبَّعْتُ لِنِسَائِي.)) ❶

’’رسول اللہ ﷺ اُن سے نکاح کرنے کے بعد اُن کے پاس تین روز رُکے پھر فرمایا: تمہاری چاہت اور اہمیت اپنے خاوند کی نظروں میں ہرگز کم نہیں ہوئی، اگر تم چاہو تو میں تمہارے ساتھ ایک ایک ہفتہ قیام کرلوں اور اگر میں تمہارے ساتھ ایک ہفتہ رہا تو میں اپنی تمام ازواج کے ساتھ ایک ایک ہفتہ رہوں گا۔‘‘

سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں بڑے بڑے واقعات رونما ہوئے۔ ان کی زندگی پر علم وعرفان اور حدیث کا غلبہ رہا۔ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا چودہ ہجری میں چوراسی (84) سال کی عمر پاکر اس دنیا سے رحلت فرما گئیں۔

(6) اُمّ المؤمنین سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا:

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی اُمّ المؤمنین میں سے ایک ہیں، آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلۂ نسب

❶ صحيح مسلم، كتاب الرضاع، رقم: 3621.

کچھ یوں ہے: زینب بنت جحش بن رياب الاسدیۃ، اور والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب کچھ یوں ہے، زینب بنت امیمہ بنت عبد المطلب بن ہاشم۔ آپ رضی اللہ عنہا کی کنیت ''ام حکم'' تھی۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے سرداری کے باعزت ماحول میں پرورش پائی، اللہ تعالیٰ نے انہیں کمال درجے کا حسن و جمال نوازا تھا، اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک اعلیٰ خاندان کی چشم و چراغ بھی تھیں، خواتین قریش میں اُنہیں اعلیٰ مقام حاصل تھا، نیز مکہ معظّمہ میں ان کا معزز خواتین میں شمار ہوتا تھا۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا پہلے سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حبالہ عقد میں تھیں، جب سیّدنا زید رضی اللہ عنہ نے انہیں کو طلاق دے دی، اور اُن کی عدت گزر گئی، تو اِن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کا فیصلہ نازل ہوا، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ نکاح لازم کردیا تھا اور کوئی اختیار اور گنجائش نہیں چھوڑی تھی، چنانچہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ﴾ (الاحزاب : 37)

''پس جب زید نے اس سے اپنی ضرورت پوری کرلی، تو ہم نے اس سے آپ کی شادی کردی، تاکہ مومنوں کے لیے اُن کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے شادی کرنے میں کوئی حرج باقی نہ رہے، جب وہ منہ بولے بیٹے ان بیویوں سے ضرورت پوری کرلیں۔''

یہی وجہ ہے کہ سیّدہ رضی اللہ عنہا دیگر ازواج مطہرات پر اپنے نکاح پر فخر کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((كَانَتْ زَيْنَبُ تَفْخُرُ عَلَى اَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ تَقُوْلُ: زَوَّجَكُنَّ

اَهْلِيْكُنَّ وَزَوَّجَنِى اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ فَوْقِ سَبْعَ سَمٰوٰاتٍ .))❶

''سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی تمام ازواج سے فخریہ فرمایا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا ہے اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر کیا ہے۔''

اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَسْرَعُكُنَّ لَحَاقًا بِىْ ، أَطْوَلُكُنَّ يَدًا ، قَالَتْ: فَكُنَّ يَتَطَاوَلْنَ أَيَّتُهُنَّ أَطْوَلُ يَدًا . قَالَتْ: فَكَانَتْ أَطْوَلَنَا يَدًا زَيْنَبَ ، لِأَنَّهَا كَانَتْ تَعْمَلُ بِيَدِهَا وَتَصَدَّقُ .))❷

''(میری وفات کے بعد) مجھے تم سب سے زیادہ وہ بیوی ملے گی، جس کے ہاتھ تم سب سے زیادہ لمبے ہوں گے، سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر ہم سب اپنے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں کہ کس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں لیکن سب سے زیادہ لمبے ہاتھ زینب رضی اللہ عنہا کے تھے، کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں سے کام کیا کرتی تھیں اور زیادہ صدقہ وخیرات کیا کرتی تھیں۔''

اس روایت سے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی فضیلت اور جو مقام ومرتبہ رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں تھا، وہ ظاہر ہے۔ نیز اُن کی مزید فضیلت درج ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ سیّدنا عبد اللہ بن شداد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((إِنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ أَوَّاهَةٌ ، قِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ، مَا

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التوحید، رقم: 7420.

❷ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6316.

اَلْأَوَّاهَةُ؟ قَالَ: اَلْخَاشِعَةُ .))❶

''بلاشبہ زینب بنت جحش ''اواہہ'' ہے، عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! اواہہ کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہت زیادہ خشوع وخضوع کرنے والی۔''

سیّدہ رضی اللہ عنہا بیس ہجری کو ترپن (53) سال کی عمر پاکر اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

(7) اُمّ المؤمنین سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا:

سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بھی اُمّ المؤمنین میں سے ایک ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا پہلے مسافع بن صفوان کے حبالہ عقد میں تھیں۔ اس کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے شادی کرلی۔ آپ رضی اللہ عنہا کا پورا نام اس طرح ہے۔ جویریہ بنت حارث بن ابی ضرارہ مصطلقیہ۔

آپ سردارِ خواتین میں سے ایک عالمہ، فاضلہ اور سیّدہ خاتون تھیں۔ جو اپنی قوم و قبیلہ کے لیے باعث برکت تھیں۔ نیز آپ رضی اللہ عنہا دانشور، انتہائی عقلمند، مطیع، ذکر الٰہی کی خوگر، شکر گزار، تقویٰ شعار، اور انتہائی صاف و شفاف ذہن و قلب سے آراستہ ایک جلیل القدر خاتون تھیں۔ مزید برآں سیّدہ رضی اللہ عنہا حدیث نبوی کی صاحب علم راویہ تھیں، ان سے مروی احادیث کو حدیث کی مشہور چھ کتب میں نقل کردیا گیا ہے۔ چنانچہ سیّدہ کی فضیلت و مرتبت اور زہد و ورع درج ذیل حدیث سے واضح ہے، خود سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا بُكْرَةً حِينَ صَلَّى

❶ حلية الاولياء: 54/2، الاستيعاب، رقم: 3355، سير أعلام النبلاء، 217/2.

الصُّبْحَ ، وَهِيَ فِي مَسْجِدِهَا ، ثُمَّ رَجَعَ بَعْدَ أَنْ أَضْحَى وَهِيَ جَالِسَةٌ ، فَقَالَ: مَازِلْتِ عَلَى الْحَالِ الَّتِي فَارَقْتُكِ عَلَيْهَا؟ قَالَتْ: نَعَمْ ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ أَرْبَعَ كَلِمَاتٍ ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، لَوْ وُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ مُنْذُ الْيَوْمِ لَوَزَنَتْهُنَّ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ ، عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَا نَفْسِهِ ، وَزِنَةَ عَرْشِهِ ، وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ .))❶

''نبی کریم ﷺ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد علی الصبح ہی ان کے پاس تشریف لے آئے اور وہ اس وقت اپنی جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھیں، پھر آپ ﷺ دن چڑھے تشریف لے آئے اور وہ وہیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جس وقت سے میں تمہیں چھوڑ کر گیا ہوں، (تب سے) تم اسی طرح بیٹھی ہو؟ سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: جی ہاں، نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہارے بعد ایسے چار کلمات تین بار کہے ہیں کہ جو کچھ تم نے صبح سے اب تک پڑھا ہے اگر اس کا ان کلمات سے وزن کرو تو ان کلمات کا وزن زیادہ ہوگا وہ کلمات یہ ہیں: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ ، عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَا نَفْسِهِ ، وَزِنَةَ عَرْشِهِ ، وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ .))

حمد اور تسبیح اللہ کی ہے، اس کی مخلوق کے عدد اور اس کی رضا اور اس کے عرش کے وزن اور اس کے کلمات کی روشنائی کے برابر۔''

سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں کتنا مقام و مرتبہ تھا اس کا اندازہ

❶ صحيح مسلم ، كتاب الذكر والدعاء ، رقم: 6913 .

درج ذیل حدیث سے لگائیے۔ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

((كَانَتْ جُوَيْرِيَةُ رضی اللہ عنہا إِسْمُهَا بَرَّةُ، فَحَوَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِسْمَهَا جُوَيْرِيَةَ، وَكَانَ يَكْرَهُ أَنْ يُقَالَ: خَرَجَ مِنْ عِنْدِ بَرَّةَ.)) [1]

''جویریہ رضی اللہ عنہا کا نام پہلے برہ تھا۔ آپ ﷺ نے ان کا نام جویریہ رکھ دیا۔ آپ ﷺ اسے ناپسند فرماتے تھے کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص بر (نیکی) کے پاس سے نکل گیا۔''

اس روایت سے سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت و مرتبت پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ سیّدہ رضی اللہ عنہا کے شب و روز نیکی اور اتباع قرآن و سنت میں گزرتے تھے۔ سیّدہ رضی اللہ عنہا پچاس ہجری میں ستر (70) سال کی عمر پاکر اس دار فانی سے رحلت فرما گئیں۔ آپ کی نماز جنازہ سیّدنا مروان بن حکم نے پڑھائی۔

(8) اُمّ المؤمنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا:

سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھی اُمّ المؤمنین میں سے ایک ہیں۔ دراصل سیّدہ رضی اللہ عنہا اسیران خیبر میں سے تھیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد کردیا اور انہیں یہ اختیار دیا کہ اگر آپ چاہیں تو واپس اپنے اعزہ واقرباء کے ساتھ خیبر میں رہ سکتی ہیں اور اگر اسلام قبول کرنا چاہتیں ہیں تو یہ آپ کی طرف سے حق کی گواہی وشہادت ہوگی۔ یہ اختیار ملنے پر سیّدہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے بہت متاثر ہوئیں، بعدازاں سیّدہ کے اظہارِ قربِ پر رسول اللہ ﷺ نے اُن سے شادی کرلی۔

سیّدہ کا پورا نام یہ ہے، صفیہ بنت حی بن اخطب رضی اللہ عنہا، آپ انتہائی معزز اور اعلیٰ

[1] صحيح مسلم، كتاب الادب، رقم: 5606، مسند احمد: 316/1، رقم: 2902.

شرف والے خاندان کی خاتون تھیں۔ آپ کے خاندان سے تقریباً ایک سو انبیاء علیہم السلام اور ایک سو سلاطین ہوئے۔

آپ انتہائی عقلمند، تقویٰ شعار، پیکر اخلاق، عظیم المرتبت، حلیم الطبع، باوقار، جلیل القدر، عبادت گزار اور زہد وورع سے آراستہ خاتون تھیں اور وہ یہ خوش نصیب خواتین میں سے ایک تھیں کہ جنہیں حدیث روایت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ بنابریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں اُن کا بہت بڑا مقام تھا۔ چنانچہ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو معلوم پڑا کہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے انہیں یہودی کی بیٹی کہا ہے۔ وہ آبدیدہ ہوگئیں اتنے میں ان کے ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے، وہ رو رہی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیوں رو رہی ہو؟ آپ نے عرض کیا: حفصہ نے مجھے یہودی کی بیٹی کہا ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نبی (ہارون علیہ السلام) کی بیٹی ہو، تمہارے چچا (موسیٰ علیہ السلام) نبی ہیں اور تم نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیوی ہو، بس وہ کس بات میں تم پر فخر کرتی ہیں۔'' [1]

اور آپ کی صداقت کے بھی کیا ہی کہنے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی صداقت اور صدق گوئی پر قسم کھائیں۔ چنانچہ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا:

((وَاللّٰهِ إِنَّهَا لَصَادِقَةٌ .)) [2]

''اللہ کی قسم! وہ صدق وصفا کی خوگر ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اور کس کی شہادت معتبر ہوسکتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب، رقم: 3894۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

[2] سیر اعلام النبلاء: 235/2.

سے بڑھ کر صدق و صفا کا خوگر بھلا اور کون ہوسکتا ہے بھلا؟ سیّدہ رضی اللہ عنہا چالیس ہجری میں اس دنیا سے رخصت فرما گئیں۔ انہیں جنت البقیع میں امہات المومنین کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

(9) اُمّ المؤمنین سیّدہ اُمّ حبیبہ رملہ رضی اللہ عنہا:

سیّدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا بھی اُم المؤمنین میں سے ایک ہیں، آپ رضی اللہ عنہا بنوامیہ کے سردار اور مکہ کے قائد ابوسفیان کی بیٹی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا انتہائی عقلمند، ذکرِ الٰہی کی خوگر، عبادت گزار اور قوی ارادے اور اللہ تعالیٰ پر ٹھوس یقین رکھنے والی ایک مؤمن خاتون تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا پہلے عبد اللہ بن جحش کے عقد میں تھیں۔ اس کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ نجاشی کی وساطت سے انہیں پیغام نسبت بھیجا اور بعد ازاں اُن سے شادی کر لی۔ چنانچہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ سیّدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے عمدہ مہر اور قابل رشک شادی سے متعلق رقمطراز ہیں:

> ''اُمّ حبیبہ رملہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچا زاد میں سے تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں نسبت کے اعتبار سے اُن سے زیادہ کوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہ تھیں اور نہ اُن سے زیادہ کسی کا حق مہر باندھا گیا، اور نہ ہی اُن کی طرح گھر سے دور کسی کی شادی ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح اُن سے حبشہ میں ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حبشہ کے بادشاہ نے چار سو دینار مہر دیا اور کچھ مزید چیزیں بھی جہیز میں دیں۔'' [1]

اس سے سیّدہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت و مرتبت ثابت ہوتی ہے اور سیّدہ اُمّ حبیبہ رملہ رضی اللہ عنہا ان خوش نصیب خواتین میں سے ہیں کہ جنہیں دنیا میں ہی جنت کی خوشخبری مل

[1] سیر اعلام النبلاء : 218/2.

گئی تھی۔

چنانچہ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''ایک روز امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اُن کی ہمشیرہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا بھی تشریف فرما تھیں۔ یہ دیکھ کر پیچھے مڑ گئے، آپ نے فرمایا: معاویہ واپس آ جاؤ تو وہ واپس آ کر بیٹھ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَاللّٰهِ! إِنِّیْ لَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ أَنَا وَأَنْتَ وَهٰذِهِ فِی الْجَنَّةِ تُدِيْرُ الْكَاسَ بَيْنَنَا.)) ❶

''اللہ کی قسم! میں امید رکھتا ہوں کہ میں، تم اور اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا جنت میں اسی طرح رہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جام ہمارے درمیان گھما رہے تھے۔''

ایک روایت ہے کہ جس سے سیّدہ اُمّ حبیبہ اور دیگر ازواج مطہرات کی عظمت و شان اجاگر ہوتی ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ اَبَى لِیْ اَنْ أُزَوِّجَ إِلَّا أَهْلَ الْجَنَّةَ.)) ❷

''اللہ تعالیٰ نے مجھے جنتی عورتوں سے شادی کرنے کا حکم دیا ہے۔''

آپ چوبیس ہجری کو مدینہ منورہ میں اس دار فانی سے رحلت فرما گئیں۔

(10) اُمّ المؤمنین سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا:

سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بھی اُم المؤمنین میں سے ایک ہیں، آپ رضی اللہ عنہا پہلے ابودرہم العاصری قریشی کے عقد میں تھیں، اُس کی وفات کے بعد 7ھ ذی القعدہ میں عمرۂ قضا کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا وہ

❶ تاریخ دمشق، ص: 90.

❷ تاریخ دمشق، ص: 89.

آخری خاتون ہیں کہ جو رسول اللہ ﷺ کے حبالہ عقد میں آئیں۔

سیّدہ میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا نہایت تقویٰ شعار، عبادت گزار، ذکر الٰہی کی خوگر اور نہایت پکی مومنہ تھیں، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیّدہ رضی اللہ عنہا اور اُن کی اخوات، (بہنوں) کے ایمان کی گواہی و شہادت دی، چنانچہ سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

((اَلْاَخَوَاتُ مُؤْمِنَاتٌ)) ❶

''یہ بہنیں ایمان والی ہیں۔''

سیّدہ رضی اللہ عنہا نے اکیاون ہجری کو مکہ کے قریب مقام ''سرف'' پر اس دار فانی سے رحلت فرمائی، آپ کی نماز جنازہ سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھائی۔

---

❶ مستدرك حاكم: 35/4، رقم: 6801، طبقات ابن سعد: 203/8، امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

باب 13
رسول اللہ ﷺ کی بیٹیاں

(1) سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا:

سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی بڑی بیٹی اور منزہ ومطہر خانہ نبوی کے نفیس و نازک ہار کا پہلا موتی سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا انتہائی نیک، صالحہ، تقویٰ شعار، مؤمنہ اور بڑی تربیت یافتہ بیٹی تھیں۔ کیوں نہ ہوتیں، کیونکہ انہوں نے دنیا بھر میں سب سے معزز، مکرم اور انتہائی باشرف والدین یعنی سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور نبی محترم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے زیر سایہ زندگی بسر کی۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی سیّدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے ہوئی، جو کہ مکہ کے ایک مشہور تاجر اور امانت دار شخص تھے، جنہیں رسول اللہ ﷺ نگاہ محبت سے دیکھا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ کو آپ سے بے پناہ محبت تھی اور آپ کو قطعاً یہ ناپسند تھا کہ کوئی ان کو تکلیف و اذیت پہنچائے، لہٰذا جن لوگوں نے ان پر قاتلانہ وار کیا۔ ذرا اُن سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی طرف سے منتخب سزا بھی سن لیجیے۔ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک لشکر (کی صورت) میں بھیجا اور ہدایت فرمائی کہ:

((إِنْ وَجَدْتُمْ فُلَانًا وَفُلَانًا لِرَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ سَمَّاهُمَا فَحَرِّقُوْهُمَا بِالنَّارِ قَالَ: ثُمَّ أَتَيْنَاهُ نُوَدِّعُهُ حِينَ اَرَدْنَا

الْخُرُوْجَ ، فَقَالَ: إِنِّی كُنْتُ اَمَرْتُكُمْ أَنْ تُحَرِّقُوا فُلَانًا وَفُلَانًا بِالنَّارِ ، وَ إِنَّ النَّارَ لَا يُعَذِّبُ بِهَا إِلَّا اللّٰهُ ، فَإِنْ أَخَذْتُمُوْهُمَا فَاقْتُلُوْهُمَا .))❶

''اگر فلاں فلاں دو قریشی (ہبار بن اسود اور نافع بن عمر) جن کا آپ ﷺ نے نام لیا تم کو مل جائیں تو انہیں نذر آتش کر دینا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب ہم رخصت ہونے کی اجازت لیے حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے آپ لوگوں کو پہلے ہدایت کی تھی کہ فلاں فلاں قریشی اگر تمہیں مل جائیں تو انہیں نذر آتش کر دینا، لیکن (یہ حقیقت ہے کہ) آگ کی سزا دینا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے سزاوار نہیں ہے۔ اس لیے اگر وہ آپ لوگوں کو مل جائیں تو قتل کر دینا۔''

قارئین کرام! یہ دونوں وہی شخص تھے کہ جنہوں نے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا پر قاتلانہ وار کر کے انہیں زخمی کر دیا تھا۔ جب وہ اپنے گھر سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں تھیں اور اس زخم کا اثر سیّدہ رضی اللہ عنہا پر آخری لمحاتِ حیات تک رہا۔ علاوہ ازیں سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی محبت رسول اللہ ﷺ کے دل میں کتنی تھی۔ اس کا اندازہ درج ذیل روایت سے لگائیے۔ سیّدہ اُمّ عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کی وفات پر جب ہم اُن کے غسل سے فارغ ہوگئیں تو آپ ﷺ نے ہمیں اپنا ازار دیا اور فرمایا:

((أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ .))❷

''اسے زینب رضی اللہ عنہا کی قمیص بنادو۔''

---

❶ صحيح بخاری، كتاب الجهاد والسير، رقم: 2954.

❷ صحيح بخاری، كتاب الجنائز، رقم: 1253.

رسول اللہ ﷺ نے اپنی پیاری صاحبزادی کو اپنا ازار بطور تبرک عنایت فرمایا، تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کے بدن سے ملا رہے۔ آخر کار سیّدہ رضی اللہ عنہا نو ہجری کو اس دار فانی سے کوچ فرما گئیں، آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

(2) سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا:

سیّدہ خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کی دوسری بیٹی اور منزہ و مطہر خانۂ نبوی کے نفیس و نازک ہار کا دوسرا موتی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

بلاشبہ عنایاتِ الٰہیہ خانۂ نبوی پر سایۂ فگن تھیں اور انعامات الٰہیہ کے جھونکے خانۂ نبوی میں رہنے والوں پر رحمت و برکات کی برکھا برسا رہے تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ ہر قسم کی آلائش سے پاک وصاف کردے، اس کے ساتھ ہمیشہ کے لیے خیر و بھلائی کا سلوک کرتا ہے اور شر و برائی کو ان کے قریب تک بھٹکنے نہیں دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی اس گوشہ جگر نور چشم سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو اعلیٰ وارفع اخلاقیات سے نوازا اور انتہائی بلند صفات سے متصف کیا کہ جن کی یہ خوبیاں ہوش سنبھالنے سے لے کر زندگی کے آخری لمحات تک قائم دائم رہیں۔

سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا پہلے عتبہ بن ابی لہب کے عقد میں تھیں تقدیر نے فضا سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے حق میں ہموار کردی کہ ابولہب کا بیٹا عتبہ شادی سے دستبردار ہوگیا، بعد ازاں سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو ایک نیک، صالح، کشادہ دل، پاکیزہ طبع اور جاں نثار رفیق حیات سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی صورت میں میسر آیا۔

سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے فضل و شرف، منزلت و مرتبت اور عظمت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ سرور دو عالم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی گوشہ جگر، نور چشم اور دو ہجرتوں کا اعلیٰ ترین اعزاز پانے والی ہیں، جو کہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے اور یہ اعزاز انہیں

اُن کے خاوند سمیت اپنے والد گرامی ﷺ کی زبانی حاصل ہوا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّهُمَا الْاَوَّلُ مَنْ هَاجَرَ إِلَى اللّٰهِ بَعْدَ إِبْرَاهِيْمَ وَلُوْطَ .)) [1]

''وہ دونوں (رقیہ اور عثمان) ابراہیم اور لوط (علیہما السلام) کے بعد پہلے ہیں کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے ہجرت اختیار کی ہے۔''

سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا دو ہجری کو غزوۂ بدر کے بعد اس دار فانی سے رخصت ہوگئیں۔ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

(3) سیّدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا:

سیّدہ خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کی تیسری بیٹی اور منزہ و مطہر خانۂ نبوی کے نفیس و نازک ہار کا تیسرا موتی سیّدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں۔ خانۂ نبوی کے سایہ میں سیّدہ رضی اللہ عنہا نے تقویٰ کی بنیاد پر پرورش پائی۔ انہیں ہر طرح سے خاص توجہ حاصل ہوئی، وہ اپنی والدۂ محترمہ اُمّ المومنین سیّدہ خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کی آنکھوں کے سامنے پروان چڑھیں، وہ ایک ایسی جلیل القدر خاتون بنیں کہ جسے اہل زمانہ نے قدر اور تعریف آمیز نگاں سے دیکھا، یہی وجہ ہے کہ جب وہ جوانی کی منزل پر پہنچیں تو ادب، کردار، تربیت اور اخلاق کے اعتبار سے اہل قریش کی ایک قابل قدر دوشیزہ کہلائیں۔ سیّدہ رضی اللہ عنہا پہلے عتبہ بن ابی لہب کے عقد میں تھیں، لیکن وہ دینی مخالفت کے باعث شادی سے دستبردار ہوگیا۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے سیّدہ کی شادی خلیفہ راشد سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کردی، جو کہ پہلے سیّدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کے رفیق حیات تھے، ان کی رحلت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی دوسری لخت جگر بھی انہی کے عقد میں دے دی۔ سبحان اللہ!

[1] انساب الاشراف: 199/1.

کیا شان ہے سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی۔ بہر حال سیّدہ رضی اللہ عنہا انتہائی صابرہ اور متحملہ خاتون تھیں۔ ہر مصیبت و مشکل کو آزمائش الٰہی سمجھ کر نہایت عمدگی کے ساتھ سہہ لیتی تھیں۔ سیّدہ اُن باشرف خواتین میں سے تھیں کہ جو شعب ابی طالب میں داخل ہوئیں اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ساتھ حاصل ہوا۔ سیّدہ رضی اللہ عنہا نے محاصرے کے ایام بڑی تنگی اور مشکل میں گزارے، نیز اپنے والدین محترمین کے ہمراہ محاصرے کی تنگی میں بھرپور حصہ لیا اور اس میں ایسی ایسی سختیاں جھیلنی پڑیں کہ مضبوط سے مضبوط چٹانیں بھی کانپ اٹھیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کو ایک بہترین خاتون قرار دیا۔

سیّدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا نو ہجری کو اس دار فانی سے رخصت فرما گئیں۔ سیّدہ کی نماز جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی، جو کہ ان کے لیے ایک بہت بڑا شرف ہے۔

(4) سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا:

اہل بیت میں سے آپ کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بہت زیادہ پیار تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی ہیں ان کی تکلیف کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً پسند نہ کرتے تھے۔ ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رنجیدہ دیکھ کر فرمایا۔

((فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّیْ فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِیْ۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ يُرِيْبُنِیْ مَااَرَابَهَا وَيُؤْذِيْنِیْ مَا اٰذَاهَا۔)) ❶

''فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھ کو

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، رقم: 3767، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6308.

ناراض کیا۔ دوسری روایت ہے، جس بات سے اسے کوئی رنج پہنچتا ہے، وہ مجھے رنجیدہ کردیتی ہے۔ جو چیز اسے اذیت دیتی ہے، وہ میرے لیے بھی باعث اذیت ہے۔''

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف دینے والا حقیقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دیتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے والا کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس وجہ سے سیّدہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نظریات وعقائد بالکل پاک وصاف رکھنے چاہیے۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم ازواج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی خدمت اقدس میں حاضر تھیں کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں ان کی چال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چال کے مشابہ تھی۔ جب آپ نے ان کو دیکھا تو فرمایا، میں اپنی بیٹی کا خیر مقدم کرتا ہوں آپ نے ان کو بٹھایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کوئی راز کی بات کی تو وہ زور سے رونے لگیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حزن و ملال دیکھا، تو دوبارہ سرگوشی کی، تو فاطمہ ہنسنے لگیں۔ پھر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر چلے گئے، تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے دریافت فرمایا، کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ سے کیا راز کی بات کی ؟ تو انہوں نے جواب دیا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ظاہر نہ کروں گی۔ پھر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا، میں تجھے اس حق (کہ میں تمہاری ماں ہوں) کا واسطہ دیتی ہوں، جو میرا تجھ پر ہے، کہ اب مجھے بتا دے۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا، ہاں اب بتاؤں گی۔ جب آپ نے پہلی بار مجھ سے سرگوشی کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مطلع کیا کہ سیّدنا جبرائیل علیہ السلام میرے ساتھ سال میں ایک بار قرآن کا دور کیا کرتے تھے، لیکن اس سال انہوں نے دوبار دور کیا ہے۔ اور میں محسوس کرتا ہوں کہ میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور صبر کرنا۔ میں

تیرے لیے بہترین آگے جانے والا ثابت ہوں گا۔ اس پر میں رونے لگی۔ جب آپ ﷺ نے مجھے غمگین پایا، تو آپ نے دوسری سرگوشی کی اور فرمایا، فاطمہ! کیا تو اس بات پر خوش نہیں، کہ تو تمام جنتی یا اہل ایمان عورتوں کی سردار ہوگی۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے سرگوشی میں یہ راز کی بات مجھے بتائی، کہ آپ اس مرض میں وفات پا جائیں گے۔ تو میں رونے لگی۔ پھر آپ نے سرگوشی کی کہ آپ کے اہل بیت میں سب سے پہلے آپ ﷺ کے پیچھے آنے والی میں ہوں گی، تو میں ہنسنے لگی۔ [1]

سیّدہ رضی اللہ عنہا جنتی عوتوں کی سردار ہیں اور رسول ﷺ کی راز داں بھی ہیں۔اور یہ حدیث سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کی محبت کی بھی دلیل ہے کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت کرتی تھی۔ ایسے ہی سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہ ان کو اپنی بیٹی قرار دے رہی ہیں۔ بد بخت ہیں وہ لوگ جو ان صحابیات رضی اللہ عنہن میں نفرت آمیز واقعات بیان کرکے نفرت و عداوت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جبکہ مذکورہ بالا حدیث ان کی آپس کی محبت کی دلیل ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الإستئذان، رقم: 6285، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم: 6313.

باب 14

صحابیات طیبات رضی اللہ عنہن

چند جلیل القدر صحابیات طیبات جنھوں نے مدرسۂ نبوت سے فیض حاصل کیا۔ کوئی بھی خاتون اس سے استفادہ کر کے اپنی زندگی کو درست سمت دے سکتی ہے۔

(1) سیدہ ام المنذر بنت قیس رضی اللہ عنہا:

سلمٰی بنت قیس بن عمرو بن عبید رضی اللہ عنہا جس کی کنیت ام المنذر تھی۔ رشتے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ لگتی تھی۔ یہ سُلیط بن قیس رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھی۔

سُلیط بن قیس رضی اللہ عنہ کو غزوۂ بدر، خندق اور دیگر تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔

وہ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشہور ومعروف معرکہ جسر میں شریک ہوا، او راس میں دادِ شجاعت دیتا ہوا جامِ شہادت نوش کر گیا۔ اس کی پیچھے کوئی اولاد نہ تھی۔ [1]

سیدہ ام المنذر رضی اللہ عنہا ان خواتین میں سے تھیں، جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ وہ اس بیعت کی داستان خود بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور انصاری خواتین کے ساتھ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی، جب ہم نے بیعت کی تو یہ شرائط عائد کی گئیں ''کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں، نہ ہم چوری کریں، نہ ہم زنا کا ارتکاب کریں، نہ ہم اپنی اولاد کو قتل کریں، نہ ہم کسی پر بہتان لگائیں، نہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

[1] الطبقات الكبرٰى :512/3.

معروف میں نافرمانی کریں۔'' اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے خاوند کو دھوکہ نہ دے۔

سیدہ ام المنذر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی اور واپس آ گئیں، پھر میں نے ان میں سے ایک عورت سے کہا کہ تم واپس جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو کہ خاوندوں کو دھوکہ دینے سے کیا مراد ہے؟ وہ کہتی ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ تم اپنے خاوند کا مال لو اور پھر اس پر فخر کرو، یہی تو دھوکا ہے۔ [1]

سیدہ ام المنذر رضی اللہ عنہا وہ جلیل القدر صحابیہ رضی اللہ عنہا ہیں، جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خوشگوار خوشنودی حاصل تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی زیارت کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ وہاں اس کے ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھاتے اور یہ ارشاد فرماتے کہ اس کا کھانا بابرکت ہے اور بڑا مفید ہے۔

سیدہ ام المنذر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ اس کے ہاتھ پر پھنسی نکلی ہوئی تھی۔ ہمارے گھر میں ڈول لٹک رہے تھے جن میں کھانے کی اشیاء تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کھانے لگے۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی کھانے کے لیے کھڑے ہوئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی تم رُک جاؤ، تمھارے پھنسی نکلی ہوئی ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سن کر رُک گئے۔

سیدہ اُم المنذر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں جَو کا مشروب بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] مسند امام احمد: 380/6-423.

خدمت میں لائی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علی ڈالیے، یہ تیرے لیے مفید ہے۔ ❶

سیدہ اُم المنذر رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کی دو دفعہ بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی دوسری بیعت درخت کے نیچے حدیبیہ مقام پر کی، جسے (بیعت رضوان) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ بیعت چھ 6 ہجری میں کی گئی، جب مشرکین نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مکہ معظّمہ میں روک لیا تھا اور یہ مشہور ہو گیا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بیعت لی۔ سیدہ ام المنذر رضی اللہ عنہا ان صحابیات رضی اللہ عنہن کے ساتھ تھی۔ جنھوں نے موت پر بیعت کرنے کے لیے جلدی کی اور اس طرح نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے جنت کی بشارت حاصل کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقعہ پر یہ ارشاد فرمایا:

((لَایَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ مِمَّنْ بَایَعَ تَحْتَ الشَّجْرَةِ .))

''جس نے درخت کے نیچے بیعت کی وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔'' ❷

(2) سیدہ اُم حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا:

سیدہ ام حرام بنت ملحان، بن خالد بن زید، بن حرام، بن جندب، بن عامر بن غنم، بن عدی، بن النجار الانصاریہ النجاریۃ، المدینۃ رضی اللہ عنہا ایک جلیل القدر صحابیہ رضی اللہ عنہا تھی۔ ان کو سمندری جنگ میں شہید ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ یہ سیدہ اُم سلیم رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ تھیں۔

---

❶ سنن الترمذی، کتاب الطب، مسند امام احمد: 364/6، سنن ابن ماجه، رقم: 3442.

❷ سنن أبوداؤد، رقم: 4653، سنن ترمذی، رقم: 3860.

یہ مشہور ومعروف صحابی سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خالہ تھی۔ حرام اور سلیم دو شہید بھائیوں کی ہمشیرہ تھی۔ یہ دونوں ملحان بن خالد کے بیٹے تھے اور دونوں بھائی معرکہ بئر معونہ میں شہید ہوئے۔ حرام رضی اللہ عنہ کو جب دوران جنگ پیچھے سے نیزہ لگا تو اس کے منہ سے یہ تاریخی جملہ نکلا "فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ"، رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا۔

سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کا ایک بھائی عمرو بن ملحان تھا۔ جو بنو عامر کے سردار عامر بن الطفیل کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط لے کر گیا۔ جب سردار کے سامنے خط لایا گیا، اس نے خط کی طرف دیکھا بھی نہیں بلکہ اسے قتل کردیا۔

سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کے خاوند کا نام سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ ان ستر افراد میں شامل تھے، جو عقبہ ثانیہ میں حاضر تھے۔

اور یہ بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام جنگوں میں حصہ لینے کی سعادت حاصل کی۔ سیدنا عبادہ بن صامت، عقبی بدری اور انصاری صحابی رضی اللہ عنہ تھے۔

سیدہ اُم حرام رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی، ہجرت کی او ررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث بیان کیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے اور اس کی عزت وتکریم کیا کرتے تھے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ اُم حرام رضی اللہ عنہا کے ہاں اس کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا پیش کرتیں۔ ❶

❶ صحيح مسلم ، فضائل الصحابة ، رقم : 6317 .

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محرم تھی، لیکن کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے۔

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''سیدہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کی خالہ تھی۔

سیدہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا، سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ہاں تشریف لے گئے۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں کنگھی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے۔ کہتی ہیں کہ میرے سامنے میری اُمت کے کچھ لوگ پیش کیے گئے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کر رہے تھے۔ تو سیدہ اُم حرام رضی اللہ عنہا نے کہا، یا رسول اللہ! دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ان میں سرفہرست ہے۔

اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدہ اُم حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا اپنے خاوند سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جہاد کے لیے روانہ ہوئی، جب بحری جہاز ساحل پر لنگر انداز ہوا تو یہ گھوڑے پر سوار ہوئی۔ گھوڑے سے یہ زمین پر گردن کے بل گری اور وفات پا گئیں۔ یہ واقعہ غزوۂ قبرص میں پیش آیا اسے اسی جزیرے میں دفن کر دیا گیا۔ اس لشکر اسلام کا امیر سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ تھا اور یہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تھا۔ یہ جنگ 27 ہجری میں وقوع پذیر ہوئی۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین) سیدہ اُم حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہ کی تذکرہ نگاری میں درج ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا۔ [1]

[1] صحيح مسلم مع شرح نووی: 57/13، صحيح البخاری، رقم: 2778، صحيح مسلم، رقم: 1912، الإصابة: 223/8.

(3) سیدہ اُم عطیۃ الأ نصاریہ رضی اللہ عنہا:

سیدہ اُم عطیہ الأ نصاریہ رضی اللہ عنہا خواتین صحابہ میں ایک عالم فاضل خاتون تھیں اور وہ ان خواتین میں سے ایک تھیں، جنھوں نے جہاد، فقہ اور روایت حدیث کے حوالے سے تاریخ میں گہرے اثرات چھوڑے۔

ان کا نام نسیبۃ بنت الحارث الأ نصاریہ تھا۔ یہ عظیم المرتبت خواتین صحابہ میں سے ایک تھیں۔ اس نے انصار کی خواتین کے ساتھ مل کر پہلے مرحلے میں اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی۔ یہ میدانہائے جنگ میں تلواروں کے زیرسایہ لشکر اسلام کے ساتھ چلتی رہی۔ یہ پیاسے مجاہدین کو پانی پلاتی، زخمیوں کو مرہم پٹی کرتی۔ ان کے بہتے خون پر پٹی باندھتی اور ان کے لیے کھانا تیار کیا کرتی تھیں۔

سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات جنگوں میں حصہ لیا۔ میں مجاہدین کے لیے کھانا تیار کرتی، زخمیوں کا علاج معالجہ کرتی اور بیماروں کی تیمارداری کرتی۔

غزوۂ خیبر میں سیدہ ام عطیہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا ان بیس خواتین میں شامل تھیں، جو جہاد کا اجر وثواب حاصل کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کے لیے روانہ ہوئیں۔ [1]

ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں تو آپ نے ارشاد فرمایا:

((اِغْسِلْنَهَا وِتْرًا، ثَلَاثًا، أَوْ خَمْسًا وَجْعَلْنَ فِی الآخِرَةِ

---

[1] الطبقات الكبرى :456/8.

كَافُوْرًا أَوْشَيْئًا مِنْ كَافُوْرٍ فَإِذَا غَسَلْتُنَّهَا فَأَعْلَمْنَنِي .)) ❶

سیدہ ام عطیہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا فقیہہ، حافظہ، عالمہ، اور فاضلہ خاتون تھیں۔ اس سے چالیس احادیث مروی ہیں اور ان میں سے چھ احادیث صحیح بخاری و مسلم میں ہیں۔

سیدہ ام عطیہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث روایت کرنے کا شرف حاصل کیا اور تابعین رحمہم اللہ میں سے محمد بن سیرین، ان کی ہمشیرہ حفصہ بن سیرین، ام شراحبیل، علی بن الأ قمر، عبدالملک بن عمری اور اسماعیل بن عبدالرحمٰن نے احادیث روایت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ❷

سیدہ ام عطیہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں کہ ہمیں جنازے کے پیچھے چلنے سے منع کر دیا گیا۔ ❸

سیدہ ام عطیہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا نے بصرہ میں وفات پائی، لوگوں نے اس سے بڑا علمی اور فقہی استفادہ کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کی کثیر تعداد ان سے میت کو غسل دینے کا طریقہ معلوم کیا کرتے تھے۔ سیدہ اُم عطیہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا نے تقریباً ستر سال کی عمر پائی۔

(4) سیدہ اُم ھانی رضی اللہ عنہا:

سیدہ ام ھانی رضی اللہ عنہا کا نام فاختہ بنت ابی طالب بن عبدالمطلب تھا۔ اس کی والدہ کا نام سیدہ فاطمہ بنت اُسد رضی اللہ عنہا تھا۔

اس کا خاوند ہبیرہ بن عمرو المخزومی القرشی وہ ایسے معزز لوگوں میں سے تھا جن کو

❶ صحیح البخاری، رقم: 167-1255، صحیح مسلم، رقم: 939.

❷ سیر اعلام النبلاء: 318/2.

❸ صحیح البخاری، رقم: 1278، صحیح مسلم، رقم: 938.

معاشرے میں رشک کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ سیدہ اُم ھانی رضی اللہ عنہا کے چار بیٹے ہوئے۔ جن کے بالترتیب نام یہ ہیں: عمرو، جعدۃ، ھانی اور یوسف۔

سیدہ اُم ھانی رضی اللہ عنہا نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا، جب اس نے اسلام قبول کیا تو اس کا خاوند ھبیرہ شرک کی حالت میں یمن کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں نجران میں درماندہ اور دھتکارہ ہوا رہائش پذیر ہوا۔

بیوی اور اولاد سے محروم حیران و پریشان زندگی کے دن گزارنے لگا۔

ھُبَیرہ نجران میں کفر کی حالت میں رہائش پذیر رہا۔ یہاں تک کہ وہ موت کے منہ میں چلا گیا۔ سیدہ اُم ھانی رضی اللہ عنہا اپنی اولاد کی نگہداشت کرتی اور ان کی ہر طرح سے حفاظت کرتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ اُم ھانی رضی اللہ عنہا کو شادی کی پیشکش کی لیکن اس نے کہا، یا رسول اللہ! میں بچوں والی عورت ہوں، مجھے اندیشہ ہے کہ یہ بچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تکلیف کا باعث بنیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موضوع کو ہی چھوڑ دیا اور اس سے پہلوتہی اختیار کر لی اور اس موضوع کو نظر انداز کر دیا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم ھانی رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام بھیجا تو انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں عمر رسیدہ ہو چکی ہوں اور میں عیال دار بھی ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الإِبِلَ .)) [1]

''بہترین عورتیں جو اونٹ پر سوار ہوں۔''

فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُم ھانی کے گھر میں داخل ہوئے اور اس سے پوچھا کیا تمھارے پاس کھانا ہے، جسے ہم کھا سکیں۔ تو اس نے عرض کی، یا رسول

[1] صحيح الجامع الصغير ، رقم : 3329.

اللہ ﷺ ! بس تھوڑا سا سرکہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسے ہمارے پاس لاؤ وہ گھر سالن سے خالی نہیں ہوتا جس میں سرکہ ہو۔ ❶

ایک روایت میں الفاظ اس طرح ہیں:

((مَا اَفْقَرَ مِن إِدَامٍ بَيْتٌ فِيْهِ خَلٌّ .)) ❷

''وہ گھر سالن سے خالی نہیں ہوتا جس میں سرکہ موجود ہو۔''

نبی کریم ﷺ سیدہ ام ھانی رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جایا کرتے، اس کے ہاں قیلولہ کرتے اس کا مشورہ قبول کرتے اور اس کی رائے کی مخالفت نہیں کیا کرتے تھے۔

سیدہ ام ھانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے ہاں گئی۔ آپ ﷺ غسل کر رہے تھے اور سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے پردے کا انتظام کیا ہوا تھا۔ میں نے سلام عرض کیا آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا میں اُم ھانی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اُم ھانی (رضی اللہ عنہا) کو خوش آمدید۔

جب آپ ﷺ غسل سے فارغ ہوئے، تو آپ ﷺ نے آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ آپ ﷺ نے اپنے جسم پر کپڑا لپیٹ رکھا تھا۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! میری والدہ کا خیال ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس شخص کو قتل کر دینا چاہتے ہیں جس کو میں نے پناہ دے رکھی ہے۔ یعنی ھبیرہ کے فلاں بیٹے کو میں نے پناہ دی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((قَدْاَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِيء .))

''اے ام ھانی! جس کو تو نے پناہ دے دی اسے ہم نے بھی پناہ دی۔'' یہ

❶ صحيح الجامع الصغير، رقم: 4387.

❷ صحيح الجامع الصغير، رقم :5544.

چاشت کا وقت تھا۔

جب سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر بد بخت کمینہ صفت مجرم عبدالرحمٰن بن ملجم نے قاتلانہ حملہ کیا، جس کے نتیجے میں وہ فات پا گئے تو سیدہ ام ھانی رضی اللہ عنہا اپنے پیارے بھائی کی جدائی کے غم میں بہت روئی۔

ام ھانی رضی اللہ عنہا کو اپنے بھائی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے قتل پر بہت دلی صدمہ ہوا۔ اس پر اتنے غم ٹوٹ پڑے کہ جن کا وہ مقابلہ نہ کر سکی۔ اسی غم میں اس کی روح اس کے پاکیزہ جسم سے پرواز کر گئی۔

''......اللہ اس پر راضی اور وہ اپنے اللہ پر راضی ......''

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس پر اپنی رحمت کی برکھا برسائے۔

سیدہ ام ھانی رضی اللہ عنہا کی تذکرہ نگاری میں درج ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا۔ [1]

(5) سیدہ امیمۃ بنت صبیح رضی اللہ عنہا:

سیدہ امیمۃ بنت صُبیح رضی اللہ عنہا سید الحفاظ، جلیل القدر، صحابی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ الدوسی الیمانی رضی اللہ عنہ کی والدہ تھی۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا والد اس وقت فوت ہوا جب یہ ابھی چھوٹی عمر کے تھے۔ انھوں نے یتیمی کی زندگی اپنی والدہ سیدہ امیمۃ رضی اللہ عنہا کی زیر نگرانی بسر کی۔ یہ ام ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نام سے معروف تھیں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ماہِ محترم سات 7 ہجری کو مسلمان بن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لیکن ان کی والدہ نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، وہ شرک پر بدستور قائم رہی۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے

---

[1] صحيح الجامع الصغير البانى، رقم: 3329 و 4387، و 5544.

لیکن وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے آگے سر تسلیم خم کرنے سے انکار کر دیتی۔

ایک دن سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شکوہ کرنے لگے کہ امی جان! بدستور شرک پر ڈٹی ہوئی ہے۔ یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے دعا کیجیے کہ وہ اسلام قبول کر لے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تو اس نے اسلام قبول کر لیا جس کی وجہ سے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ وہ بہت زیادہ شاداں وفرحاں تھے کہ اس کی والدہ نے اسلام قبول کر لیا۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی امی جان کو اسلام کی دعوت دیا کرتا تھا وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا کرتی تھیں۔ ایک دن میں نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو اس نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بے نقط سنائیں، مجھے اس کا رویہ بہت بُرا محسوس ہوا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ میری امی کو ہدایت عطا کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی:

((اَللّٰهُمَّ اَهْدِ اُمَّ أَبِیْ هُرَیْرَةَ .))

''اے اللہ! ابوہریرہ کی والدہ کو ہدایت نصیب کر دے۔''

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی خوشخبری لے کر نکلا۔ خوشی خوشی اپنے گھر کے دروازے پر پہنچا دیکھا کہ وہ بند ہے۔ میری والدہ نے میرے پاؤں کی آہٹ سن لی تھی۔ اس نے اندر سے کہا اے ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) ذرا ٹھہرو!! میں نے پانی گرنے کی آواز سن لی۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میری امی جان نے غسل کیا۔ جلدی سے کپڑے

پہنے اور سر پر دوپٹہ لیے بغیر دروازہ کھول دیا، پھر اس نے میرے سامنے کہا، اے ابوہریرہ!

((اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ .))

''میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔''

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں یہ خوشگوار منظر دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں انتہائی خوشی کی وجہ سے رونے لگا۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ بشارت ہو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا کو قبول کر لیا ہے۔ میری والدہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور پھر فرمایا بہت اچھا ہوا۔ اس کے بعد سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ میری اور میری والدہ کی عزت لوگوں کے دلوں میں ڈال دے اور لوگوں کی محبت عزت اور احترام ہمارے دلوں میں ڈال دے، تو رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا کی:

((اَللّٰهُمَّ حَبِّب عُبَيْدَكَ هٰذَا يَعْنِى أَبَا هُرَيْرَةَ وَ أُمَّهٗ إِلىٰ عِبَادِكَ الْمُؤْمِنِيْنَ حَبِّب إِلَيْهِمْ الْمُؤْمِنِيْنَ .))

''الٰہی اپنے بندوں کو یعنی ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) اور اس کی والدہ کو اپنے مومن بندوں کے دلوں میں محبوب بنا دے اور ان کے دلوں میں مومنوں کی محبت ڈال دے۔''

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس دعا کے بعد میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی ساری مومن مخلوق جس نے میرا نام سنا ہوتا اور مجھے دیکھا نہ ہوتا تو پھر بھی وہ مجھ سے

محبت کرتا۔ ❶

سیدہ امیمۃ بن صبیح رضی اللہ عنہا میں سخاوت اور فیاضی کا عنصر اس قدر غالب تھا کہ اس کے اس طرز عمل پر رشک آتا ہے۔ وہ سخاوت اور فیاضی کے اعتبار سے ایک مثالی خاتون تھی۔

حمید بن مالک بن خُثَیم سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس عقیق میں واقع اس کے گھر بیٹھا ہوا تھا۔ مدینہ منورہ سے کچھ لوگ چوپایوں پر سوار ہو کر آئے اور وہاں اُترے۔ حمید کہتے ہیں کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میری امی کے پا س جاؤ اور ان سے کہنا کہ تیرا بیٹا سلام کہتا ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ ہمیں کھانے کے لیے کچھ عنایت کیجیے۔ تو اس نے تین پلیٹوں میں جَو رکھے اور ایک پلیٹ میں زیتون اور نمک رکھ کر میرے سر پر رکھ دیا۔ میں اسے اُٹھا کر ان کے پاس لے آیا اور ان کے سامنے رکھ دیا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے دیکھتے ہی بآواز بلند اللہ اکبر کہا اور یہ کہا کہ اس اللہ تعالیٰ کا شکر جس نے کھانے سے سیر شکم ہونے کا موقع دیا ورنہ ہمارے کھانے کے لیے تو صرف کھجور اور پانی ہی میسر تھے۔ قوم نے کھانے میں سے کچھ بھی نہ لیا جب وہ واپس گئے تو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے بھائی کے بیٹے! اپنی بکری سے حسن سلوک سے پیش آیا کر واس سے مٹی جھاڑ دیا کر اسے نہلا دھلا کر عمدہ روپ دیا کر۔ بلاشبہ وہ جنت کا چوپایہ ہے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! لوگوں پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ بکریوں کا ریوڑ اسے مروان کے گھر سے بھی زیادہ پیارا لگے گا۔ ❷

(6) سیدہ اسماء بنت یزید بن السکن رضی اللہ عنہا:

سیدہ اسماء بنت یزید بن السکن بن رافع، بن اِمرئ القیس بن عبدالأشھل بن

---

❶ صحیح مسلم، باب فضائل ابی هريرة الدوسی رضی اللہ عنہ : 2491.

❷ الأدب المفرد، رقم: 572.

الحارث الأنصاریہ الأوسیۃ، الأشھلیۃ رضی اللہ عنہا ایک محدثہ، عالمہ، فاضلہ، جلیل القدر مجاہدہ، بڑی عقل مند، دیندار، متقی، پرہیز گار، اور فن خطابت کی ماہر خاتون تھی۔ اسی مناسبت سے وہ خطیبۃ النسآء کے لقب سے مشہور ومعروف تھی۔ یہ ان پاکیزہ خواتین میں سے ایک تھی جو ایمان، علم اور صبر کے حوالے سے مثالی خواتین کہلاتی تھیں۔ یہ ان انصار میں سے تھی۔ جنھوں نے پہلے مرحلے پر سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ذریعے اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی۔

سیدہ أسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا ان خواتین میں سے تھیں، جو صراط مستقیم پر گامزن ہونے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دینی مسائل دریافت کیا کرتی تھیں اور وہ خیر و بھلائی کی راہ پر چلتیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے ایک دانشور اور دیندار خاتون ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ جلیل القدر صحابی، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے چچا کی بیٹی تھیں۔ سیدہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کا نسب سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے نسب کے ساتھ ان دونوں کے دادا امرئ القیس بن زید بن عبدالأشھل پر جاملتا ہے۔

سیدہ أسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا ہجرت کے پہلے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اسلام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ الممتحنہ کی درج ذیل آیات کی روشنی میں عورتوں سے بیعت لیا کرتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (الممتحنة: 12)

"اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! جب تیرے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے

لیے آئیں اور اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی اور کسی امر معروف میں تمھاری نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو یقیناً اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

نبی کریم ﷺ نے سیدہ اُسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں سونے کے دو بڑے کنگن دیکھے تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:

((اَلْقِی السَّوارَیْنِ یَاأَسْمَآءُ أَمَا تَخافِیْنَ أَنْ یَسَوِّرَكِ اللّٰهُ بأَسَاوِرَ مِنْ نَارٍ .))

''اے اسماء دونوں کنگن اُتار کر پھینک دے کیا تو اس سے ڈرتی نہیں کہ اللہ تعالیٰ تجھے آگ کے کنگن پہنا دے گا۔''

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی حکم کی تعمیل میں بغیر کسی تردد کے فوری طور پر دونوں کنگن اُتار دیے۔

سیدہ اُسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے گزرے میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔آپ ﷺ نے فرمایا، احسان کرنے والوں کی ناشکری سے بچا کرو۔ میں ان سب خواتین میں سوال کرنے کے حوالے سے زیادہ جرأت رکھتی تھی۔ میں نے پوچھ لیا یا رسول اللہ ﷺ! احسان کرنے والوں کی ناشکری کیسے ہوتی ہے؟

((قَالَ : لَعَلَّا اِحْدَا كُنَّ تَطُوْلُ أيمتها بَيْنَ أَبَوَيْهَا ثُمَّ يرْزُقُهَا

اللّٰہُ زَوْجًا وَ یَرْزُقُهَا مِنْهُ وَلَدًا فَتَغْضَبُ فَتَكْفِرُ فَتَقُوْلُ: مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ .))[1]

''تم میں سے ایک عورت عرصہ دراز تک اپنے والدین کے ساتھ اپنی تنہائی کے دن گزارتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے خاوند عطا کر دیتا ہے اور اس سے اس کو اولاد عطا کرتا ہے۔ تو وہ غصے میں آ کر ناشکری کا انداز اپناتے ہوئے کہتی ہے کہ میں نے تیرے ہاں کبھی خیر و بھلائی دیکھی ہی نہیں۔''

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دل میں سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کا بڑا مقام و مرتبہ تھا کیوں کہ اس نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو رخصتی کے وقت دلہن کے روپ میں آراستہ کیا تھا اور پھر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سدھاری تھی۔ اس دن کے بعد سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بناؤ سنگھار کرنے والی کے نام سے پکارا جانے لگا۔[2]

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے جہاد میں بھی بھرپور حصہ لیا اور اس سے کبھی کوتاہی نہیں برتی اور نہ ہی کبھی جہاد سے پہلوتہی اختیار کی، یہاں تک کہ وہ بارہ 12 ہجری کو سرزمین شام کی طرف روانہ ہوئی تاکہ لشکر اسلام میں شامل ہو کر پیاسوں کو پانی پلائے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرے۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا صرف اسی کام پر اکتفا نہیں کرتی تھیں بلکہ وہ مجاہدین کی صفوں میں داخل ہو کر دشمن کے خلاف ولولہ انگیز انداز میں لڑائی کرتی۔ جنگ یرموک میں اس نے اپنے خیمے کی لاٹھی سے رومی فوج کے نو 9 افراد کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔ اس کے بعد عرصہ دراز تک زندہ رہیں اور اس نے یزید بن معاویہ کے دورِ حکومت

---

[1] مسند امام احمد : 458/6.

[2] اسد الغابہ : 13/6.

میں وفات پائی۔ ❶

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے چچا کی بیٹی سیدہ اسماء بنت یزید بن السکن رضی اللہ عنہا نے اپنے خیمے کی لاٹھی سے نو 9 رومی قتل کر دیے۔ ❷

''......اللہ تعالیٰ اس سے راضی اور وہ اپنے اللہ تعالیٰ سے راضی ......''

(7) سیدہ الربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا

سیدہ الربیع بنت معوذ، بن الحارث، بن رفاعۃ، بن الحارث، بن سواد، بن مالک، بن غنم، بن مالک الأنصاریہ النجاریۃ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام ام یزید بنت قیس، بن زعواء، بن حرام، بن جندب، بن عامر، بن غنم، بن عدی بنی النجار تھا۔

اس کے والد کا نام سیدنا معوذ رضی اللہ عنہ جو کبار بدری صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھا۔

اس کا خاوند جلیل القدر صحابی اِیاس بن بکیر اللیثی رضی اللہ عنہ تھا۔ وہ کبار مہاجرین میں سے تھا۔

سیدہ الربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کے فضائل ومناقب بہت زیادہ ہیں۔ اسے یہ شرف حاصل بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی شادی کی تقریب میں شریک ہوئے تھے۔

سیدہ الربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری شادی کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور چار پائی پر بیٹھے اور چند بچیاں خوشی سے دف بجا رہی تھیں اور گیت میں وہ اپنے ان آباء واجداد کا ذکر کر رہی تھیں جو جنگ بدر میں شہید کر دیے گئے ایک بچی نے گیت گاتے ہوئے یہ کہا:

((وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ .))

''اور ہم میں ایک نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے جو کل کی باتیں جانتا ہے۔''

❶ سير أعلام النبلاء : 297/2. ❷ حياة الصحابة : 401/1.

نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

((لَا تَقُوْلِیْ هٰکَذَا وَ قُوْلِیْ مَا کُنْتِ تَقُوْلِیْنَ .))

''اس طرح نہ کہو وہی کہو جو تم پہلے کہتی تھی۔'' ❶

نبی کریم ﷺ نے اس بچی کو یہ کہنے سے اس لیے روکا کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ ﴾

(الجن: 26-27)

''وہ عالم الغیب ہے، اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتے۔ سوائے اس رسول (علیہ السلام) کے جس کو اس نے غیب کا علم دینے کے لیے پسند کرلیا ہو تو اس کے آگے اور پیچھے وہ محافظ لگا دیتا ہے۔''

سیدہ الربیع بن معوذ رضی اللہ عنہا بڑی دلیر اور بہادر تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید پر بڑی سختی سے عمل پیرا تھی وہ اسلام سے حد درجہ محبت رکھتی تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتی تھی اور نہ ہی وہ کسی ایسے شخص سے ڈرتی تھی جو شریعت الٰہی کا مخالف ہو۔

سیدہ الربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں کہ میں نے ابوجہل کی والدہ اسماء بنت مخربہ سے خوشبو لی، اس نے کہا کہ لکھ دے تا کہ مجھے یاد رہے۔ میں نے اپنا نام لیتے ہوئے کہا ٹھیک ہے اپنا نام الربیع بنت معوذ (رضی اللہ عنہا) لکھ دیتی ہوں۔ اس نے کہا رہنے دیجیے تو تو اس کی بیٹی ہے، جس نے اپنے آقا کو قتل کیا ہے۔ میں نے کہا اس نے

❶ صحيح البخاری، كتاب النكاح، رقم: 3779.

اپنے غلام کو قتل کیا ہے اس نے کہا میں تجھے خوشبو قطعاً نہیں بیچوں گی۔

سیدہ الربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا محمد بن اِیاس بن بکیر رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں، بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم اس کے پاس آتے اور دین کے احکام اور احادیث کے بارے میں پوچھا کرتے تھے۔

سیدہ الربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کی صبح کو انصار کی بستیوں میں یہ پیغام بھیجا کہ جس نے روزہ نہیں رکھا وہ اپنا باقی دن یونہی پورا کرلے اور جس نے روزہ رکھا ہے وہ روزہ پورا کرے۔

فرماتی ہیں کہ اس کے بعد ہم عاشوراء کے دن کا روزہ رکھتے اور اپنے بچوں کو بھی روزہ رکھواتے۔ بچوں کا دل بہلانے کے لیے روئی کے کھلونے بناتیں جب کوئی بچہ کھانا طلب کرنے کے لیے روتا تو ہم اسے وہ کھلونا دے دیتے تاکہ اس کا دل بہل جائے ہمارا یہ طرزِ عمل افطاری کے وقت تک جاری رہتا۔ [1]

طبرانی میں سیدہ الربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہتی ہیں معوذ بن عفراء نے مجھے تر و تازہ کھجوروں کا ایک صاع بھیجا میں نے وہ کھجوریں دے کر ککڑی خرید لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی بڑے شوق سے تناول کرتے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے بہت مال آیا تھا اس میں سونے کے زیورات بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر کر زیورات مجھے عطا کر دیے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر کر سونے کے زیورات مجھے دیے اور فرمایا انھیں پہن لیجیے۔

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ "مجمع الزوائد" میں لکھتے ہیں کہ دونوں روایتوں کی سند

---

[1] صحيح البخاری، رقم: 1960، صحيح مسلم: 799/2.

حسن ہے۔ ترمذی رحمہ اللہ نے بھی سیدہ الربیع رضی اللہ عنہا کے حوالے سے مختصر روایت ذکر کی ہے۔ طبرانی رحمہ اللہ نے "المعجم الأوسط" میں ام سنبلہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے مختصر روایت ذکر کیا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تحفہ لائی۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے تحفہ قبول کرنے سے انکار کر دیا، کہنے لگیں: ہم تو یہ نہیں لیں گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا تو انھوں نے لے لیا پھر اسے کاٹ کر تقسیم کر لیا پھر یہ وراثت میں سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچ گیا اور اس سے سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہما نے خرید لیا۔

علامہ الہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سند میں عمرو بن قیظی کو میں نہیں جانتا، باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔ سیدہ الربیع رضی اللہ عنہا بڑی سخی تھیں۔ فراخ دلی سے مال خرچ کیا کرتی تھیں۔

بعض کا خیال ہے کہ یہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت پینتالیس 45 ہجری میں فوت ہوئی اور بعض کا خیال ہے کہ اس نے عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں وفات پائی۔ وفات کے وقت اس کی عمر ستر سال سے قدرے زیادہ تھی۔

''......اللہ تعالیٰ اس سے راضی اور یہ اپنے اللہ تعالیٰ سے راضی ......''

سیدہ الربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کی تذکرہ نگاری میں درج ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا۔ [1]

(8) سیدہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا

سیدہ خولہ بنت ثعلبہ بن حرام، بن فہر بن ثعلبہ، بن غنم بن عوف رضی اللہ عنہا۔

یہ بڑی فصیح و بلیغ خاتون تھی۔ اس کا خاوند اُوس صامت بن قیس تھا یہ جلیل القدر صحابی سیدنا عبادہ بنت صامت کا بھائی تھا۔ (رضی اللہ عنہما)

[1] صحيح البخاري، رقم: 1960، 3779، سير أعلام النبلاء: 196/3، صحيح مسلم: 799/2، حياة الصحابة: 537/1.

اس کے ہاں الربیع نامی بیٹے نے جنم لیا۔

سیدہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اپنے خاوند اُوس بن صامت کی شکایت کی اس نے جھگڑے کے دوران غصے سے اپنی بیوی کو یہ کہہ دیا تھا کہ تو میرے لیے ماں کی طرح ہے۔ پھر جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو وہ اپنی بیوی خولہ کے پاس آیا اس نے قریب آنے سے انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ تو نے جو مجھے کہہ دیا اب تم میرے ساتھ خلوت نہیں کر سکتے۔ اب میں آپ کو اپنے قریب نہ آنے دوں گی۔ جب تک اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کا حکم نہ نازل ہو جائے۔

سیدہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے خاوند کی طرف سے پیش آنے والی صورت حال کا شکوہ کرنے لگی وہ یہ چاہتی تھی کہ نبی کریم ﷺ سے فتویٰ حاصل کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بپتا سن کر فرمایا: ''اس معاملے میں مجھے کوئی معلومات نہیں اور نہ ہی میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ تو اس پر حرام ہو گئی ہے۔''

سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا مضبوط ایمان کی وجہ سے بار بار اس صورت حال کی وضاحت کر رہی تھی جو اسے اور اس کے بیٹے کو خاوند کی جدائی کے بعد پیش آئی۔ آپ ﷺ نے ہر بار یہی ارشاد فرمایا کہ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھائے اور یہ دعا مانگنے لگی۔

''الٰہی میں تیرے دربار میں اس صورت کا شکوہ کر رہی ہوں جو مجھے لاحق ہو چکی ہے۔''

جب یہ اپنی دعا سے فارغ ہوئی تو جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ پر وحی لے کر

نازل ہوگئے ۔ رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا، اے خولہ! تیرے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم نازل کر دیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی:

﴿ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَ اللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ ﴾ (المجادلہ : 1)

''اللہ تعالیٰ نے سن لی اس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملہ میں تم سے تکرار کر رہی ہے اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کیے جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے اور دیکھنے والا ہے۔''

اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، بابرکت ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جس کی سماعت ہر چیز پر حاوی ہے۔

میں نے خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کی بات سنی اور اس کے بعض حصے مجھ پر مخفی رہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے خاوند کا شکوہ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ یا رسول اللہ! اس نے میری جوانی چاٹ لی۔ میں نے اس کے بچوں کو جنم دیا، جب میں عمر رسیدہ ہوگئی، بچے ہونے بند ہوگئے تو اس نے مجھے ماں کی طرح کہہ دیا۔

الٰہی میں تیرے حضور شکوہ کرتی ہوں۔ وہ لگاتار ایسا کرتی رہی یہاں تک کہ جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر نازل ہوئے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا:

﴿ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَ اللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ ﴾ (المجادلہ : 1)

''اللہ تعالیٰ نے سن لی اس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملہ میں تم سے تکرار کر رہی ہے اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کیے جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تم

دونوں کی گفتگو سن رہا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے اور دیکھنے والا ہے۔''

خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کی تذکرہ نگاری میں قرآن مجید اور صحیح بخاری درج ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا۔ ❶

(9) سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی کنیت ام عبداللہ تھی اور یہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے تقریباً دس سال بڑی تھی۔

اس کا والد جلیل القدر صحابی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ اس کا دادا ابوعتیق صحابی تھا۔ اس کا بھائی عبدالرحمن صحابی رضی اللہ عنہ تھا۔ اس کی ہمشیرہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا صحابیہ تھیں۔ اس کا خاوند الزبیر بن العوام حواریٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابی تھا۔ اس کا بیٹا عبداللہ بن زبیر صحابی تھا۔

سیدہ اُسماء رضی اللہ عنہا کی پرورش ایک ایسے گھرانے میں ہوئی، جس کے تعلقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بڑے گہرے تھے اور وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گھرانا تھا۔

اس نے ایمان اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی کے ماحول میں پرورش پائی، جس کی وجہ سے اس کی شخصیت میں عظمت کے آثار نمایاں دکھائی دینے لگے۔

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا صبر وتحمل سے آراستہ تھی اور یہ رات کے وقت بڑی کثرت سے نماز پڑھنے کی عادی تھی اور دن کو روزہ رکھنا اس کا معمول تھا۔

سیدہ اُسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کو بھی دیگر اہل ایمان کی طرح مشرکین کی طرف سے سخت ترین تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔

سیدہ اُسماء رضی اللہ عنہا نے مکہ معظّمہ میں ابتدائی مرحلے میں ہی اسلام قبول کرنے کی

❶ صحیح بخاری مع فتح الباری، کتاب التوحید: 168/6.

سعادت حاصل کر لی تھی۔

عروہ اور وہب بن کیسان سے روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ شامی لوگ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو عار دلانے کی غرض سے ذات النطاقین کا بیٹا کہہ کر پکارتے تھے۔ سیدہ اسماء نے اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے کہا۔ بیٹا تیرے مخالف تجھے ذات النطاقین کا بیٹا ہونے کا طعنہ دیتے ہیں کیا تم جانتے ہو نطاقین کیا ہے؟

واقعہ دراصل یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے ابا جان ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کے سفر پر روانہ ہونے لگے تو زادِ سفر کے تھیلے کا منہ باندھنے کے لیے گھر میں کوئی رسی دستیاب نہ تھی تو میں نے اپنے ازار بند کے دو حصے کیے، ایک کے ساتھ زادِ سفر کے تھیلے کا منہ باندھ دیا اور دوسرے سے پانی کے مشکیزے کا باندھ دیا۔ اس مناسبت سے مجھے ذات النطاقین کے لقب سے پکارا جانے لگا۔ یہ بات سن لینے کے بعد جب بھی شامی لوگ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو النطاقین کا طعنہ دیتے تو آپ رضی اللہ عنہ فرماتے:

''جس چیز کا تم مجھے طعنہ دیتے ہو وہ تو میرے لیے بہت بڑا اعزاز ہے تم کیا جانو اس کی حقیقت کیا ہے؟''[1]

سیدہ سماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے میرے ساتھ شادی کی تو اس کے پاس نہ کوئی مال تھا اور نہ ہی غلام بس ایک گھوڑی تھی جس کو چارہ ڈالنے، پانی پلانے اور اس کی دیکھ بھال کرنے کا فریضہ میں سرانجام دیتی، میں آٹا گوندھتی لیکن اچھی طرح روٹی پکانی نہیں آتی تھی۔ میری انصاری سہیلیاں میری روٹیاں پکا دیا کرتی تھیں۔ ہم صداقت کی خوگر خواتین تھیں۔

---

[1] صحیح البخاری، کتاب مناقب الأنصار، رقم: 3905، 3906، 3907، سیرة ابن هشام: 144/2.

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں زبیر بن العوام رضی اللہ عنہا کی گھوڑی کے لیے چارہ لینے اپنی زمین پر جاتی جو گھر سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھی۔ ایک روز میں اپنے سر پر چارے کی گٹھڑی اُٹھائی آرہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لے جارہے تھے مجھے دیکھ کر اپنی اونٹنی کو بٹھانا چاہا تاکہ میں سوار ہو جاؤں لیکن میں نے سوار ہونے سے احتراز برتا کیوں کہ مجھے اپنے خاوند زبیر رضی اللہ عنہ کی غصیلی عادت کا پتہ تھا، اس لیے میں نے مردوں کے ہمراہ چلنا مناسب نہ سمجھا۔

سیدہ اُسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرا خاوند زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بڑا غصیلا آدمی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کی اس عادت کو جانتے تھے۔ میں نے جب سوار ہونے سے شرم محسوس کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے۔ میں زبیر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ آج راستے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملے تھے۔ میرے سر پر گٹھڑی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے اپنی اونٹنی کو بٹھایا لیکن میں نے تیرے غصے کو یاد کر کے اونٹنی پر سوار ہونے سے شرم محسوس کی۔ تو یہ سن کر زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: گٹھڑی سر پر اُٹھانے کی نسبت تیرا اونٹنی پر سوار ہونا بہتر تھا۔ اس کے بعد میرے ابا جان ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے میرے لیے ایک خادمہ بھیجی دی۔ اس نے سارے کام اپنے ذمہ لے لیے مجھے یوں لگا جیسے میرے والد نے مجھے آزادی دلا دی ہو۔ [1]

سیدہ اُسماء بنت اَبی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں کہ جب میں نے ہجرت کی تو میں حاملہ تھی۔ جب قباء میں پہنچی تو میں نے بیٹے کو جنم دیا۔ اپنے بیٹے کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے گھٹی دے دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹے کو پکڑ کر اپنی گود میں بٹھا لیا۔ پھر ایک کھجور منگوائی اسے چبا کر میرے

[1] صحيح بخاری مع فتح الباری: 9/281-282، صحيح مسلم: 2182.

بیٹے کے منہ میں ڈالی۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا لعاب مبارک وہ پہلی چیز تھی جو کھجور کے ساتھ میرے بیٹے کے پیٹ میں داخل ہوئی۔

سیدہ اُسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے بیٹے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے لیے دعا کی اور اس کا نام عبداللہ (رضی اللہ عنہ) رکھا پھر جب میرا بیٹا سات یا آٹھ سال کا ہوا تو زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے اسے حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی بیعت کرے جب وہ بیعت کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ اس کو دیکھ کر ہنس پڑے۔ ❶

سیدہ اُسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میری امی آئی ہے وہ مجھ سے ملنا چاہتی ہے تو کیا میں اس سے مل لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ضرور اپنی ماں سے ملو۔ ❷

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے راغبۃً کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ اپنی بیٹی سے حسن سلوک کا ارادہ رکھتی تھی اسے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ ملنے سے انکار نہ کر دے اور یونہی واپس جانا پڑے۔ جمہور مفسرین نے اسی بات کا اظہار کیا ہے۔ ❸

ابونوفل سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی لاش کو مکہ معظّمہ کی ایک گھاٹی میں لٹکا ہوا دیکھا۔ قریش اس کے پاس سے گزر رہے تھے۔ جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وہاں سے گزرے تو اس کے پاس کھڑے ہو کر تین مرتبہ "السَّلَامُ

---

❶ صحيح مسلم، كتاب الأدب، باب تحنيك المولود، رقم: 2146.

❷ صحيح بخاري مع فتح الباري: 201/6 وكتاب الجزية: 347/10.

❸ فتح الباري: 201/6.

عَلَيْكَ أَبَا خبِيْب" "ابوخبیب تجھ پر سلامتی ہو۔"

اور پھر یہ فرمایا اللہ کی قسم! میں آپ رضی اللہ عنہ کو اس راہ سے روکا کرتا تھا۔ اس بات کو بھی تین مرتبہ دہرایا۔ پھر فرمایا: اللہ کی قسم! میری معلومات کے مطابق تم روزے دار، عبادت گزار اور صلہ رحمی کرنے والے تھے۔ اللہ کی قسم! تم اُمت کے بہتر فرد تھے۔ یہ کہہ کر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وہاں سے چلے گئے۔ حجاج بن یوسف کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس طرزِ عمل کا پتہ چلا تو حجاج بن یوسف نے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی لاش کو سولی سے اُتار کر یہودیوں کے قبرستان میں پھینک دیا۔ پھر اس نے سیدہ اُسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی طرف پیغام رساں کو بھیجا کہ وہ اسے بلا کر لائے۔ سیدہ اُسماء رضی اللہ عنہما نے اس کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔ پھر حجاج نے دوبارہ پیغام رساں کو بھیجا کہ جا کر کہو کہ میرے پاس خود آجاؤ ورنہ میں ایک ایسے شخص کو بھیجوں گا جو تجھے سر کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا میرے پاس لائے گا۔ تو سیدہ اُسماء رضی اللہ عنہما نے جانے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا اللہ کی قسم! اب میں انتظار کروں گی کہ کون مجھے میرے سر کے بالوں سے گھسیٹ کر تیرے پاس لے جاتا ہے۔ حجاج نے جب یہ دیکھا کہ اس نے تو آنے سے بالکل انکار کر دیا تو اس نے کہا مجھے میرا جوتا پکڑاؤ وہ جوتا پہن کر جلدی سے سیدہ اسماء رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچا اور جا کر بڑے مزاحیہ انداز میں کہا، دیکھا میں نے اللہ تعالیٰ کے دشمن کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ سیدہ اُسماء رضی اللہ عنہما نے کہا تو نے اس کی دنیا خراب کی اور اس نے تیری آخرت خراب کر دی۔ ساتھ ہی سیدہ اُسماء رضی اللہ عنہما نے حجاج سے کہا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ تو اسے حقارت سے ذات النطاقین کا بیٹا کہہ کر پکارتا ہے، سن لے اللہ کی قسم! وہ ذات النطاقین میں ہی ہوں۔ میں نے اپنا ازار بند دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک کے ساتھ رسول اللہ ﷺ اور ابا جان ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زادِ سفر کے تھیلے کا منہ باندھا

اور دوسرے کے ساتھ مشکیزے کا منہ باندھا تا کہ یہ چیزیں ضائع نہ ہو جائیں اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ بنو ثقیف میں ایک کذاب اور ایک ہلاکت برپا کرنے والا ہوگا۔ کذاب کو ہم نے دیکھ لیا میرے خیال میں ہلاک کرنے والا تو ہے۔ یہ بات سنتے ہی حجاج بن یوسف وہاں سے اُٹھ کر چلا گیا اور پھر دوبارہ واپس نہیں آیا۔ ❶

زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی اُسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ میں طلاق دے دی تھی۔ اس نے اپنی بقیہ زندگی اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بسر کی یہاں تک کہ حجاج بن یوسف نے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کر دیا۔ سیدہ اُسماء رضی اللہ عنہا نے سو سال کی زندگی پائی۔ ❷

سیدہ اُسماء رضی اللہ عنہا دقیق فقہی مسائل میں فتوی دیا کرتی تھی۔

مسلم القری بیان کرتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی والدہ کے پاس گئے۔ وہ فربہ اور نابینا خاتون تھی۔ ہم نے ان سے حج تمتع کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حج تمتع کی اجازت دی ہے۔ ❸

عکرمہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کیا سلف صالحین پر اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے غشی طاری ہو جایا کرتی تھی؟ انھوں نے فرمایا نہیں۔ بس وہ خوف الٰہی سے رویا کرتے تھے۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا خوابوں کی تعبیر بتانے میں بھی ماہر تھی۔

علامہ واقدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ سعید بن مسیّب ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر

---

❶ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب ذکر کذاب ثقیف ومبیرها، رقم: 6496. ❷ صفة الصفوة: 239/1.

❸ مسند امام احمد: 348/6، سیر أعلام النبلاء: 289/2، صحیح مسلم، کتاب الحج، رقم.

خواب کی تعبیر بتانے کے ماہر تھے۔ انھوں نے یہ علم سیدہ اُسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے سیکھا اور اس نے اپنے والد گرامی، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سیکھا۔

ابن جریج سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ مجھے اسماء رضی اللہ عنہا کے غلام عبداللہ نے بتایا۔ وہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے بارے بیان کرتے ہیں کہ وہ میدان عرفات سے واپسی پر مزدلفہ میں فروکش ہوئی نماز پڑھنے لگی۔ ایک گھنٹہ نماز پڑھنے کے بعد کہا بیٹا کیا چاند غروب ہو گیا ہے میں نے کہا نہیں، پھر اس نے ایک گھنٹہ نماز پڑھی۔ پھر پوچھا بیٹا کیا چاند غروب ہو گیا میں نے کہا جی ہاں تو انھوں نے فرمایا: یہاں سے کوچ کرو تو ہم نے کوچ کیا۔ ہم نے منیٰ میں پہنچتے ہی جمرہ پر رمی کی پھر وہ واپس پلٹی اور اپنی منزل پر پہنچ کر صبح کی نماز ادا کی۔ میں نے کہا ہم صبح کے اندھیرے میں آئے تھے۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا بیٹا عورت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے۔ ❶

سیدہ اُسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ! میرا مال وہی ہے جو زبیر رضی اللہ عنہ میرے پاس لے آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا:

((أَنْفِقِيْ وَلَا تُوْعِيْ فَيُوْعِيَ اللّٰهُ عَلَيْكَ .)) ❷

''صدقہ کرو۔ گن گن کر نہ دیا کرو ورنہ تجھے بھی اللہ تعالیٰ گن گن کر دے گا۔'' ❸

ابن اَبی ملیکۃ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے سولی پر لٹکائے جانے کے بعد کی بات ہے۔ سیدہ

---

❶ صحيح البخاري، كتاب الحج، رقم: 1679.

❷ صحيح البخاري، رقم: 1433، صحيح مسلم، رقم: 1029.

❷ البداية والنهاية: 346/8.

اُسماء رضی اللہ عنہا نے کہا مجھے پتہ چلا ہے کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کو سولی پر لٹکا دیا گیا ہے۔

الٰہی مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک میں اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے کفن پہنا کر دفن نہ کردوں پھر وہ اپنے بیٹے کی لاش کے پاس آئی اسے اپنے ہاتھوں سے نہلایا اور کفن پہنایا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اسے دفن کیا حالانکہ اس کی بصارت ختم ہوگئی تھی۔ تقریباً ایک ہفتہ کے بعد وہ خود وفات پا گئیں۔

ابن ابی سعد کہتے ہیں کہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے چند دن بعد وفات پا گئی۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کا واقعہ 17 جمادی الاولیٰ تہتر 73 ہجری کو ہوا۔ ❶

اللہ تعالیٰ سیدہ اُسماء رضی اللہ عنہا اور اس کے بیٹے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے راضی ہوا اور انھیں جنت میں عزت واحترام سے جگہ دی۔ الٰہی ہمیں بھی سدا بہار جنت میں انبیاء علیہم السلام صدیقین، شہداء اور صالحین کا ساتھ عطا کرنا۔ (آمین یا رب العالمین)

(10) سیدہ اُسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا:

سیدہ اسماء بنت عمیس بن معد بن تمیم بن الحارث بن کعب بن مالک بن قحافہ الخثعمیة رضی اللہ عنہا کی کنیت ام عبداللہ تھی۔ یہ جلیل القدر صحابیہ رضی اللہ عنہا تھی۔

اس نے بڑے عظیم کارنامے سرانجام دیے۔ اس نے پہلے مرحلے میں اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی اور اسے دو ہجرتیں کرنے کا بھی شرف حاصل ہوا۔

سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے دوسری ہجرت مدینہ منورہ کی طرف کی۔ یہ سفر ہجرت بھی اس کے فضائل ومناقب میں ہے اور اس کے عظیم کارناموں میں سے ایک ہے۔ ❷

---

❶ سير أعلام النبلاء : 295/2.

❷ صحيح مسلم، رقم : 2503.

ایک دفعہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ملاقات کے لیے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں اس نے پہلے مہاجرین کے ہمراہ نجاشی کے ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور سیدہ اُسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسماء رضی اللہ عنہا کو دیکھتے ہی پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اس نے کہا اسماء بنت عمیس (رضی اللہ عنہا)۔سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ حبشیہ، مجریہ اُسماء ہے۔سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا ہاں!

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہم تمھاری نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ حق دار ہیں تو اسماء رضی اللہ عنہا کو یہ سن کر غصہ آ گیا اس نے کہا اے عمر تم خلاف واقعہ بات کر رہے ہو۔ اللہ کی قسم! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ وہ تمھارے بھوکے کو کھانا کھلاتے، تمھارے جاہل کو نصیحت کرتے، ہم دور دراز سرزمین حبشہ میں تھے اور ہم نے یہ سفر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لیے اختیار کیا۔ اللہ کی قسم! میں اس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گی اور نہ پانی پیوں گی جب تک تمھاری کہی ہوئی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیان نہ کردوں۔ ہمیں تکالیف اور دشمن کے خوف کا اندیشہ لاحق رہا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ بات بیان کر کے پوچھوں گی۔ اللہ کی قسم! میں تمھاری کہی ہوئی بات میں کوئی کمی بیشی نہیں کروں گی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ! عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ یہ باتیں کی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَيْسَ بِأَحَقَّ لِيْ مِنْكُمْ، وَلَهٗ وَ لِلأَصْحَابِهٖ هِجْرَةٌ وَاحِدَةٌ

وَلَكُمْ أَنْتُم أَهْلَ السَّفِيْنَةِ هِجْرَتَان .))

''مجھ پر ان کا تم سے زیادہ حق نہیں اس نے اور اس کے ساتھیوں نے ایک ہجرت کی اور تم نے دو ہجرتیں کیں۔''

سیدہ اُسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میرے پاس لوگ یہ حدیث سننے کے لیے جتھوں کی صورت میں آئے۔ حبشہ اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرتیں کرنے والوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ان کے حق میں نکلنے والے کلمات از حد خوشی کا باعث تھے وہ اپنے اس اعزاز پر پھولے نہ سماتے تھے۔

ابو بردہ کہتے ہیں، کہ ابوموسیٰ مجھ سے بار بار اس حدیث کو سننے کا تقاضا کرتے۔ [1]

سیدہ اسماء بنت عمیس اور اس کی بہنوں رضی اللہ عنہن نے رسول اللہ ﷺ سے ایمان کا تمغہ حاصل کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا:

((الأَخَوَاتُ مُؤْمِنَاتٌ مَيْمُوْنَةٌ ، وَ أُمُّ الْفَضْلِ وأَسْمَاء .)) [2]

''سب بہنیں مومن ہیں، میمونہ، ام الفضل اور اسماء رضی اللہ عنہن۔''

سیدہ اُسماء رضی اللہ عنہا ان خواتین میں سے ہیں جنھوں نے سب سے پہلے ہجرت کرنے کی سعادت حاصل کی۔

سیدہ اُسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے دارِ ارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام قبول کرلیا تھا۔

سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس کے خاوند سیدنا جعفر بن ابی طالب الطیار رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حبشہ میں ان کے ہاں عبداللہ، محمد اور عون نے

---

[1] صحيح البخاری، رقم: 4230، صحيح مسلم، رقم: 2503.

[2] صحيح الجامع الصغير، رقم: 2763.

جنم لیا۔

پھر سیدہ اُسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند جعفر الطیار کے ساتھ سات 7 ہجری میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی پھر سیدنا جعفر الطیار رضی اللہ عنہ نے جنگ مؤتہ میں جام شہادت نوش کرلیا۔ اس کے ساتھ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شادی کی اور بیٹا محمد پیدا ہوا۔

سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے حجۃ الوداع میں شرکت کرنے کا بھی اعزاز حاصل کیا۔ جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے انھیں غسل دیا۔ عدت پوری ہونے کے بعد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی۔ [1]

جب لشکر اسلام نے رومیوں سے لڑنے کے لیے سرزمین شام کا رخ کیا تو سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس کے تین امیروں میں سے ایک تھے۔ وہاں میدان جنگ میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت کا درجہ حاصل کیا۔

سیدہ اُسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی وفات پر بہت زیادہ غم کیا۔ جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کو اپنے پاس بلایا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان بچوں کے پیار بھرے انداز میں منہ چوم رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! کیا جعفر رضی اللہ عنہ کی کوئی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ آج شہید ہوگیا ہے۔ ہم یہ خبر سن کر رونے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور

[1] سير أعلام النبلاء: 283/2.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:

((اِصْنَعُوْا لِأَهْلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَإِنَّهُ قَدْ جَاءَ هُمْ مَايَشْغَلُهُمْ .)) ❶

''آلِ جعفر کے لیے کھانا بناؤ ان پر ایسا وقت آیا جس نے ان کو مشغول کر دیا ہے۔''

سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند کی شہادت پر اجر وثواب کی نیت سے صبر کیا بلکہ اس کے دل میں بھی یہ تمنا پیدا ہوئی کہ وہ بھی اپنے خاوند کے ساتھ ہوتی اور اسے بھی شہادت نصیب ہو جاتی اور خاص طور پر یہ تمنا اس کے دل میں اور زیادہ پیدا ہوئی جب اس نے بنومرّہ بن عوف کے ایک شخص کی زبان سے یہ سنا وہ کہتا ہے کہ میں اس جنگ میں موجود تھا۔ میں نے جعفر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ میدان جنگ میں اپنی گھوڑی سے اترا اور اس کی ٹانگیں کاٹ دیں پھر وہ دشمن سے لڑنے لگا یہاں تک کہ وہ شہید ہو گیا۔ لڑتے وقت وہ جوش وجذبے سے یہ شعر پڑھ رہا تھا:

يَا حَبَّذَا الْجَنَّةِ وَاقْتَرَا بِهَا
طيبة و بَارِدًا شَرَابَهَا
وَالرُّوْم رُوْم قد دَنَا عَذَابِها
كَافِرَة بَعِيْدَة انسَا بِهَا
عَلَيَّ اِذْ لَا قِيْتَهَا ضَرَابُهَا

''واہ واہ جنت اور اس کا قرب عمدہ اور ٹھنڈا ہے اس کا مشروب۔ رومیوں کے لیے عذاب قریب آ گیا۔ رومی کافر ہیں اور ان کے خاندان پر لعنت اور

❶ سنن ترمذی، رقم: 998، سنن ابن ماجه، رقم: 1610.

دوری ہو۔ مجھ پر یہ واجب ہے کہ جب ان سے ملوں تو ان پر تلوار کا وار کروں۔''

پھر سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑا تو اسے کاٹ دیا گیا پھر اس نے جھنڈا اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا تو اسے بھی کاٹ دیا گیا۔ پھر اس نے جھنڈا اپنے دونوں بازوؤں میں جکڑ لیا اس کے بعد اسے شہید کر دیا گیا۔ [1]

((عَـنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما عَـنْ رَسُـوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّـهُ قَالَ: دَخَـلْـتُ الْـجَـنَّةَ الْبَارِحَة فَنَظَرْتُ فِيْهَا فَإِذَا جَعْفَرٌ يَطِيْرُ مَعَ الْمَلَائِكَة ، وَ اِذَا حَمْزَةُ مَتَّكِئٌ عَلَى سَرِيْرٍ .)) [2]

''سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں گزشتہ رات جنت میں داخل ہوا۔ تو اس میں جعفر (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا کہ وہ فرشتوں کے ساتھ پرواز کر رہے ہیں اور حمزہ بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہ) پلنگ پر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((رَأَيْـتُ جَـعْـفَـرَبْـنَ اَبِـىْ طَالِبٍ مَلَكًا يَطِيْرُ فِى الْجَنَّةِ مَعَ الْمَلَائِكَةِ .)) [3]

''میں نے جعفر بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کو فرشتے کے روپ میں دیکھا کہ وہ فرشتوں کے ساتھ پرواز کر رہا ہے۔''

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام : 20/4 .

[2] صحيح الجامع الصغير ، رقم : 3363 .

[3] صحيح الجامع الصغير ، رقم : 3465 .

جب سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو یہ پتہ چلا کہ کہ اس کے بیٹے محمد بن ابی بکر کو مصر میں قتل کر دیا گیا ہے تو اس کا اسے بہت زیادہ صدمہ ہوا وہ اپنے گھر کی مسجد میں نماز پڑھنے لگی اس نے اپنے غصے کو پی لیا لیکن اس پر یہ اثر پڑا۔

بالآخر اس سال کے اختتام پر اس کی طبیعت بوجھل ہونے لگی اور اس نے یہ محسوس کیا کہ دن بدن کمزوری جسم میں سرایت کر رہی ہے۔ بالآخر وہ موت کی وادی میں اُتر گئی اور زندگی کو خیر باد کہہ دیا۔ [1]

''......اللہ تعالیٰ اس سے راضی اور وہ اپنے اللہ تعالیٰ سے راضی ......''

---

[1] الإصابة : 490/7.

باب 15

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سبّ وشتم کی حرمت

اہل سنت والجماعت کے دل اور زبانیں رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے بارے میں محفوظ ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضوان حاصل کرلی۔ ہم نے اپنے قلوب اور جوارح کے ساتھ ان کی معیت میں مختصر سا سفر کیا ہے جن کے متعلق اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾ ﴾ (الاحزاب: 23)

''مومنوں میں سے کچھ مرد ایسے ہیں جنھوں نے وہ بات سچ کر دکھائی جس پر انھوں نے اللہ سے عہد کیا، پھر ان میں سے کوئی تو وہ ہے جو اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وہ ہے جو انتظار کر رہا ہے اور انھوں نے نہیں بدلا، کچھ بھی بدلنا۔''

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠﴾ ﴾ (الحشر: 10)

''اور وہ لوگ جو صحابہ کرام کے بعد آئے وہ دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے ان بھائیوں کے گناہ معاف فرما جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان داروں کے بارے میں کینہ

نہ ڈال اے ہمارے پروردگار! بے شک تو شفقت کرنے والا مہربان ہے۔''

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَاتَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَابَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهُ.)) [1]

''میرے صحابہ کو کوئی گالی نہ دو اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو (ثواب میں) صحابہ (رضی اللہ عنہم) میں سے کسی کے مُد (بک) کو اور نہ ہی نصف مد (خرچ کیے ہوئے) کو پہنچ سکتا ہے۔''

اس حدیث کا مطلب ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایک مٹھی کے برابر یا آدھی مٹھی کے برابر اناج اللہ کی راہ میں خرچ کریں اور ان کے بعد والے احد پہاڑ جتنا سونا صرف کریں، یہ اجر وثواب میں اس مٹھی کے برابر نہیں ہوسکتا، وجہ یہ ہے کہ جو صدق و اخلاص صحابۂ کرام میں پیدا ہو چکا تھا، بعد والے اس کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے۔

اس کے علاوہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی افضلیت کی ایک اور بھی وجہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کرنے اور لڑائی کرنے کی شدید ضرورت تھی، فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کی کثرت تھی اور لوگ دین اسلام میں فوج در فوج داخل ہو رہے تھے، بعد میں طاقت تھی جبکہ اس سے پہلے کمزوری تھی، بعد والے اس وقت جانفشانی کرنے والوں کے مقام تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔ [2]

اس کے ساتھ ساتھ اہل سنت والجماعت کا گروہ اس بات کا بھی قائل ہے کہ

---

[1] صحيح البخاری، كتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب قول النبی ﷺ: ((لوكنت متخذا خليلا......))، رقم: 3673.

[2] فتح الباری: 34/7.

کتاب وسنت اور اجماع امت کی صورت میں صحابہ کرام کے جو فضائل اور مراتب بیان کیے گئے ہیں، انہیں تسلیم کیا جائے، لیکن ان صحابہ کرام کو جنہوں نے فتح مکہ یعنی صلح حدیبیہ سے پہلے اسلام کی سربلندی کے لیے مال و دولت خرچ کیا اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا ان پر فضیلت عطا کی جائے، جنہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد مال و دولت خرچ کیا اور جہاد کیا، نیز مہاجرین اولین صحابہ کرام کو انصار صحابہ کرام پر مقدم کیا جائے، نیز اہل سنت اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں شریک صحابہ کرام، جن کی تعداد تین سو سے کچھ زیادہ تھی کے بارے میں فرمایا۔ اب تم جو چاہو عمل کرو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے، نیز وہ اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ دوزخ میں ان صحابہ کرام میں سے کوئی داخل نہیں ہوگا۔ جنہوں نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی، جیسا کہ ان کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے مطلع فرمایا ہے، بلکہ اللہ نے ان سے اپنی رضا مندی کا جنت میں وعدہ فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ وہ بھی اللہ سے راضی ہیں، نیز اہل سنت ان لوگوں کے بارے میں جنت کی گواہی دیتے ہیں، جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے جنت کی گواہی دی ہے، ان سے عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ثابت بن قیس بن شماس اور دیگر صحابہ کرام مراد ہیں۔

وہ اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں، جو امیر المؤمنین علی بن ابی طالب سے اور دیگر صحابہ کرام سے تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ اس امت کے پیغمبر محمد ﷺ کے بعد امت محمدیہ میں سب سے بہتر شخص ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے بعد دوسرے نمبر پر عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور تیسرے نمبر پر عثمان رضی اللہ عنہ جبکہ چوتھے نمبر علی رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ آثار اس پر دلالت کرتے ہیں۔

اس لیے کہ اہل سنت کا اسی بات پر ایمان ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد خلیفہ

بلا فصل ابوبکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم ہیں، اور جو لوگ ان چاروں میں سے کسی کی خلافت کے بارے میں طعن کرتے ہیں وہ بدترین اور گمراہ لوگ ہیں۔

مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوشش یہ کرنی چاہیے کہ ان کو اس اختلاف میں معذور سمجھا جائے۔ تاکہ دونوں گروہ ہی گناہ سے بری ہو جائیں اور ان پر کسی قسم کا عیب نہ آنے پائے۔

محمد نصر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایک دفعہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے سامنے لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا:

"اَمْرٌ أَخْرَجَ اللّٰهُ أَيْدِيكُمْ مِنْهُ مَا تَعْلَمُوْنَ أَلْسِنَتَكُمْ فِيْهِ." [1]

''یہ وہ معاملہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں کو دور رکھا تو تم اپنی زبانوں کو اس معاملہ میں کیوں داخل کرتے ہو۔''

یہی وجہ ہے کہ علمائے اہلسنّت نے ہمیشہ ''مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے سلسلے میں سکوت اختیار کیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن کی ممانعت احادیث کی روشنی میں:

تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم وتکریم کریں، ان کی اس طرح تعریف بیان کریں جس طرح اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔ درجہ میں کسی چھوٹے صحابی رضی اللہ عنہ پر بھی طعن وتشنیع کرنے سے باز رہیں کیوں کہ ان برگزیدہ ہستیوں کے اسلام پر بے حد وحساب احسانات ہیں۔ اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن وتشنیع کرنا گویا براہِ راست اسلام پر طعن کرنا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 382/5.

''میرے صحابۂ کرام کے بارے میں اللہ سے ڈرنا، میرے بعد انہیں طعن وتشنیع نہ کرنا، جو ان سے محبت کرے گا، وہ میرے پیاروں سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا اسے مجھ سے بغض ہوگا، جس نے انہیں اذیت دی، اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی، اللہ تعالیٰ عن قریب اسے گرفت میں لیں گے۔'' ❶

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے چن لیا اور میرے لیے میرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو چنا، انہیں میرے وزیر ومعاون بنایا، اور میرے داماد وسسرال بنائے، جو انہیں گالی دے، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اس سے روزِ قیامت نہ تو فرض قبول ہوگا نہ ہی نفل قبول ہوگا۔'' ❷

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے:

((لَاتَسُبُّوْا اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ فَلَمَقَامُ اَحَدِهِمْ سَاعَةً خَيْرٌ مِنْ عَمَلِ اَحَدِكُمْ عُمْرِهٖ.)) ❸

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو بُرا نہ کہو، اس لیے کہ ان کا ایک گھڑی کا قیام (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ) تمھاری ساری عمر کے عمل سے بہتر ہے۔''

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

❶ مسند احمد: 47/4، سنن ترمذی، رقم: 3862۔ شیخ حمزہ زین نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

❷ مستدرك حاكم: 632/3۔ حاکم نے اسے ''صحیح'' کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

❸ سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضل اهل بدر، رقم: 162۔ علامہ بوصیری نے اس کی سند کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

((لَا تَسُبُّوا اَصْحَابِیْ ، لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ .))❶

''میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو گالی نہ دو اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اس شخص پر جو میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو گالی دیتا ہے۔''

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ فَعَلَیْهِ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ .))❷

''جس شخص نے میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو گالی دی تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔''

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

((اِنَّ الْخَیْرَ خَیْرُ الْاٰخِرَةِ۔ اَوْ قَالَ: اَللّٰهُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْآخِرَهْ۔ فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ .))❸

''بھلائی تو آخرت کی ہی بھلائی ہے۔ یا یوں فرمایا: اے اللہ! بھلائی نہیں ہے مگر آخرت کی بھلائی پس تو انصاریوں اور مہاجروں کو بخش دے۔''

حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ثوبان اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِذَا ذُكِرَ اَصْحَابِیْ فَأَمْسِكُوْا وَإِذَا ذُكِرَ النُّجُوْمُ ،

---

❶ مجمع الزوائد: 747/9، رقم: 16429۔ علامہ ہیثمی نے کہا کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے علی بن سہل کے اور وہ بھی ثقہ ہے۔

❷ صحيح الجامع الصغير، رقم: 6282.

❸ سلسلة الاحاديث الصحيحة، رقم 3198.

فَأَمْسِكُوْا ، وَإِذَا ذُكِرَ الْقَدَرُ فَأَمْسِكُوْا .)) ❶

''جب میرے صحابہ کا تذکرہ ہونے لگے تو خاموش رہنا، جب ستاروں کا ذکر ہونے لگے تو خاموش رہنا اور جب تقدیر کے مسئلے کا ذکر ہونے لگے تو خاموش رہنا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بُرا کہنا، ان پر طعن وملامت کرنا حرام ہے اور انھیں گالیاں دینا لعنت کا باعث ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ اس قدر قرآنی آیات اور صحیح احادیث پس پشت ڈال کر شیطان کو خوش کرنے کے لیے موضوع اور من گھڑت روایات کو بنیاد بنا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تبرا بازی کی جاتی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن اور علماء اہل سنت:

سطور ذیل میں اب علماء اہل سنت کے اقوال پیش خدمتِ قارئین ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لعن وطعن اور سب وشتم کی حرمت کا ذکر ہے:

① امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا عقیدہ:

امام احمد بن جعفر بن یعقوب نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اہل سنت کے عقیدے کی جو تفصیلات بیان کی ہیں ان میں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق وہ فرماتے ہیں:

"فمن سب اصحاب رسول الله ﷺ أو أحدا أو تنقصه أو طعن عليهم أو عرض بعيبهم أو عاب أحدا منهم فهو مبتدع رافضى خبيث مخالف لايقبل الله منه صرفا ولا عدلا ، بل حبهم سنة ، والدعاء لهم قربة ، والاقتداء بهم وسيلة ، والاخذ باثارهم فضيلة ، وخير الامة بعد النبى

❶ سلسلة الاحاديث الصحيحة ، رقم 34 .

ﷺ أبـوبكر ، و عمر بعد أبي بكر ، وعثمان بعد عمر ، و عـلـى بـعد عثمان . ووقف قوم على عثمان وهم خلفاء راشـدون مهـديـون ، ثـم أصـحاب رسول الله ﷺ بعد هـولاء الاربـعة خير الناس ، لايجوز لا حد أن يذكر شيئًا مـن مسـاويهـم ، ولا يـطعن على احد منهم بعيب ، ولا ينقص ، فمن فعل ذلك فقد وجب على السلطان تأديبه ، وعقوبته ، ليس له ان يعفوعنه بل يعاقبه ، وليستتيبه ، فان تـاب قبـل مـنه وان ثبت عاد عليه بالعقوبة وخلد الحبس حتى يموت اويرجع . "[1]

''جو کوئی رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا ان میں سے کسی ایک کو گالیاں دے یا ان کے مقام و مرتبے میں کمی کرے یا ان پر طعن کرے، یا (لوگوں کے سامنے) ان کے عیب بیان کرے یا ان میں سے کسی ایک کو عیب لگائے تو وہ شخص خبیث، رافضی، بدعتی اور (اسلام کی) مخالفت کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض قبول کرے گا اور نہ ہی نفل۔ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا سنت ہے اور ان کے لیے دعا کرنا قربت الٰہی کا ذریعہ ہے، ان کی اقتداء کرنا (نجات کے لیے) وسیلہ ہے اور ان کے آثار کی اتباع میں بڑا درجہ ہے۔ نبی ﷺ کے بعد ساری اُمت میں بہترین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابو بکر کے بعد عمر، عمر کے بعد عثمان اور عثمان کے بعد علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ کچھ لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ (کی فضیلت) تک ہی توقف

[1] طبقات الحنابلة : 1/63-64 .

کیا ہے (جو درست نہیں) یہ سب خلفائے راشدین (رضی اللہ عنہم) ہیں۔ پھر ان چاروں خلفائے راشدین (رضی اللہ عنہم) کے بعد لوگوں میں سب سے بہترین دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ ان کی کمزوریوں کو بیان کرے۔ ان کے کسی عیب کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک پر بھی نہ تو طعن کیا جائے اور نہ ہی ان کے مقام و مرتبے میں کمی سمجھی جائے جس کسی نے ایسا کیا (طعن و ملامت کی) تو سلطان پر واجب ہے کہ اس کو تادیبی طور پر کوئی سزا دے (سلطان کے لیے) اسے معاف کرنا جائز نہیں۔ بلکہ وہ اسے سزا دے اور اس سے توبہ کروائے پھر اگر وہ توبہ کر لے تو ٹھیک ورنہ پھر اسے سزا دے اور اسے (اس فعل شنیع سے) رجوع کرنے تک یا مرجانے تک قید میں ڈالے رکھے۔''

② امام طحاوی رحمہ اللہ کے تاثرات:

امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتے ہیں، کسی کی محبت میں غلو نہیں کرتے۔ نیز ہم ان سے دشمنی رکھتے ہیں جو ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے دشمنی رکھے اور انھیں اچھے الفاظ سے یاد نہ کرے۔ اسی طرح ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر خیر ہی کرتے ہیں، ان سے محبت کرنا دین، ایمان اور احسان ہے اور ان سے دشمنی رکھنا کفر، نفاق اور سرکشی ہے۔''[1]

③ تابعی میمون بن مہران:

معروف تابعی میمون بن مہران رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'ثلاث ارفضو هن: سب أصحاب محمد ﷺ، والنظر

[1] اسلامی عقائد شرح عقیدہ طحاویہ، ص: 598-599.

فی النجوم، والنظر فی القدر .“ ❶

”تین چیزوں کو (ہمیشہ کے لیے) چھوڑ دو۔ محمد ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بُرا کہنا، نجومیوں کی تصدیق کرنا اور تقدیر کا انکار کرنا۔“

④ ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ کا قول:

امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اذا رایت الرجل ینتقص احدا من اصحاب رسول اللّٰہ ﷺ فاعلم انه زندیق .“ ❷

”جب آپ کسی آدمی کو اصحاب رسول ﷺ میں سے کسی ایک کے مقام و مرتبہ میں کمی کرتا ہوا دیکھیں تو جان لیجیے کہ وہ پکا زندیق ہے۔“

⑤ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا عقیدہ:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((ومن أصول أهل السنة والجماعة سلامة قلوبهم وألسنتهم لاصحاب رسول اللّٰہ ﷺ كما وصفهم اللّٰہ به فی قوله تعالی: ﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (الحشر: 10) وطاعة النبی ﷺ فی قوله: ((لا تسبوا اصحابی فوالذی

---

❶ فضائل الصحابة للامام احمد بن حنبل: 60/1، رقم: 19.

❷ الكفاية فی علم الرواية، ص: 49، الاصابه: 10/1.

نفسی بیدہ لو ان احدکم انفق مثل احد ذهبا مابلغ ما احدهم ولا نصیفه)) ویقبلون ما جاء به الکتاب والسنة والاجماع من فضائلهم ومراتبهم.))❶

''اہل سنت کے عقیدے کا یہ بھی اصول ہے کہ اپنے دلوں اور زبانوں کو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے (ہر قسم کی بدگمانی اور طعن و تشنیع سے) محفوظ رکھا جائے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ان کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''اور ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو ان کے بعد آئے (اور وہ) یہ دعا کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کوئی بغض نہ رہنے دے۔ اے ہمارے رب! تو بڑا مہربان ہے، بے حد رحم کرنے والا ہے۔''

اور (اہل سنت) رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی اطاعت بھی کرتے ہیں: ''میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو گالی مت دو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی بھی اُحد پہاڑ کے برابر سونا (اللہ تعالیٰ کے راستے میں) خرچ کر دے تو (ثواب میں) صحابہ (رضی اللہ عنہم) میں سے کسی ایک کے مد (ہتھیلی) بلکہ نصف مد (خرچ کیے ہوئے) کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔''

کتاب و سنت اور اجماع سے جو کچھ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مراتب کے متعلق ثابت و منقول ہے اہل سنت اسے تہ دل سے تسلیم کرتے ہیں۔''

❶ شرح القعیدة الواسطیه، ص: 166-167.

⑥ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ کا نظریہ:

امام ابن قدامہ المقدسی اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”لمعة الاعتقاد“ میں لکھتے ہیں:

”ومن السنة تولي أصحاب رسول اللّٰه ﷺ، ومحبتهم وذكر محاسنهم، والترحم، والاستغفار لهم، والكف عن ذكر مساوئهم، وما شجر بينهم، واعتقاد فضلهم ومعرضة سابقتهم.“[1]

”اور یہ بات بھی دین میں سے ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عقیدت و محبت رکھی جائے، ان کے محاسن ذکر کیے جائیں، ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت و بخشش کی دعا کی جائے، ان کی بشری کوتاہیوں کے ذکر سے اجتناب کیا جائے، اور ان کے درمیان جو اختلاف ہوئے ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے، ان کی اُمت پر فضیلت اور اسلام قبول کرنے میں سبقت کو تسلیم کیا جائے۔“

⑦ امام بربہاری رحمہ اللہ کا عقیدہ:

امام ابو محمد الحسن بن علی بن خلف البربھاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”خير هذه الأمة بعد وفاة نبيها أبوبكر، وعمر، و عثمان، هكذا روى لنا عن ابن عمر قال: كنا نقول و رسول اللّٰه ﷺ بين أظهرنا أن خير الناس بعد رسول اللّٰه ﷺ ابوبكر و عمر و عثمان، ويسمع النبى ﷺ بذلك فلا ينكره، ثم أفضل بعد هولاء على وطلحة

[1] عقائد سلف صالحین، ص: 196.

والـــزبيـــر وسـعـد بـن أبـى وقـاص وسـعيـد بـن زيـد وعبـدالـرحـمٰـن بـن عوف وأبو عبيدة بن الجراح كلهم يـصـلـح للخلافة ، ثم أفضل الناس بعد هؤلاء أصحاب رسـول الـلّٰــه ﷺ الـقــرن الأول الـذى بـعـث فيهم الـمهــاجـرون الأولـون ، والأنـصـــار ، وهم من صلى الـقبلتين ، ثم أفضل الناس بعد هؤلاء من صحب رسول الـلّٰه ﷺ يـومًـا ، أو شهرًا ، و سنة ، أو أقل من ذلك أو اكثـر ، تـرحـم عليه ، تذكر فضله ، وتكف عن زلته ، ولا نـذكر أحدًا منهم الا بخير لقول رسول اللّٰه ﷺ: إذا ذكر أصـحـابـى فامسكوا ، وقال سفيان بن عيينه: من نطق فى أصـحـــاب رسـول الـلّٰـه ﷺ بـكـلـمة فهـو صـاحـب هوى .)) [1]

''نبی کریم ﷺ کے بعد اس اُمت میں سب سے بہتر سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر، اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم ہیں۔ اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل ابو بکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم ہیں آپ ﷺ ہماری یہ بات سنتے مگر کوئی انکار نہ فرماتے تھے۔ پھر ان کے بعد سب سے افضل علی، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم ہیں اور یہ سب خلافت کے

[1] شرح السنة ، ص: 68-69 .

اہل تھے۔ پھر ان کے بعد وہ صحابہ رضی اللہ عنہم افضل ہیں جو قرنِ اوّل میں تھے جن میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبعوث فرمایا اور وہ مہاجرین اوّلین اور انصار ہیں جنھوں نے قبلتین (بیت المقدس اور بیت اللہ) کی طرف منہ کرکے نمازیں پڑھیں۔ پھر ان کے بعد وہ صحابہ رضی اللہ عنہم افضل ہیں جو ایک سال یا ایک ماہ یا ایک دن یا اس سے بھی کم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے۔ ان سب پر رحم وکرم کی دعا کرو، ان کے فضل ومرتبہ کو بیان کرو اور ان کی کمزوری سے خاموشی اختیار کرو، اور کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوائے کلمہ خیر کے اور کچھ نہ کہو، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کا ذکر آئے تو رُک جاؤ۔ جناب سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ایک حرف زبان درازی کرتا ہے وہ بدعتی ہے۔''

⑧ امام ابوبکر آجری کا عقیدہ:

امام ابوبکر محمد بن الحسین الاجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لقد خاب وخسر من سب اصحاب رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم لانه خالف اللّٰه ورسوله، ولحقته اللعنة من اللّٰه عزوجل، ومن رسوله، ومن الملائكة، ومن جميع المؤمنين، ولا يقبل اللّٰه منه صرفا ولا عدلا، لا فريضة ولا تطوعا، وهو ذليل فى الدنيا، وضيع القدر، كثر اللّٰه بهم القبور وأُخلى منهم الدور." [1]

[1] الشريعة: 550/3.

''جس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دی یقین کرلو کہ اس نے گھاٹے کا سودا کیا کیوں کہ اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی ہے اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ، فرشتوں اور تمام مومنوں کی لعنت پڑ چکی ہے اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض قبول کرے گا اور نہ ہی نفل۔ اور وہ دنیا میں ذلیل اور بدقسمت ہے اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو (آگ سے) بھر دے اور ان کے گھروں کو برباد کر دے۔''

⑨ امام نووی رحمہ اللہ کا قول:

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینا فحش قسم کا حرام کام ہے، خواہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے مشاجرات (آپس میں اختلافات) میں بھی کوئی ملوث رہے ہوں، یا نہ رہے ہوں، کیونکہ وہ مجتہد تھے اور تاویل واجتہاد کے ساتھ قائم تھے، ان پر کوئی فتویٰ لگانا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔[1]

⑩ قاضی عیاض رحمہ اللہ کا عقیدہ:

قاضی عیاض کہتے ہیں: ''صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو گالی دینا کبیرہ گناہ ہے، ایسے شخص کو تعزیر لگائی جائے اور صحابہ کو گالی دینے والا کافر ہے، کیونکہ وہ نبی ﷺ کی بات بھی نہیں مانتا، نبی رضی اللہ عنہم نے ان کے ایمان دار اور جنتی ہونے کی بشارت دی ہے اور یہ سب وشتم والا اس کی تکذیب کرتا ہے، اس لیے یہ کافر ہے۔''[2]

⑪ امام ذہبی رحمہ اللہ کا زریں قول:

امام ذہبی رحمہ اللہ کیا خوب فرماتے ہیں:

''اگر کوئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے احوال، سیرت وکردار اور ان کی حیات

[1] شرح مسلم: 400/5. [2] فتح الباری: 36/7.

تابدار کے روشن آثار جو انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں سرانجام دیئے، ان پر غور و فکر کرے اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی ان کی داستانِ حیات کو گہری نظر سے دیکھے، تو اسے ان کے فضائل کا معترف ہونا پڑے گا۔''

ایمان میں سبقت، کفار کے مقابلہ میں جہاد، دین کی نشر و اشاعت، شعائرِ اسلام کا حد درجہ احترام، کلمۃ اللہ کی سربلندی، فرائض دین کی تعلیم دینے میں کمر بستہ ہونا، یہ کارنامے ان کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہیں، ہم تک ہمارا دین ان کی بدولت ہی پہنچا ہے، دین کے فرائض اور سنتیں اور احادیث مبارکہ انہی کے ذریعہ ہم تک آئی ہیں، اگر یہ نہ ہوتے تو نہ دین پہنچتا اور نہ ہی احادیث ہم تک پہنچتیں۔

جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں طعن و تشنیع کرتا، یا سب و شتم کرتا ہے، وہ دین سے خارج ہے اور مسلمانوں کی ملت سے باہر ہے، طعن و تشنیع تب ہی ہوتی ہے، جب کوئی ان کے متعلق برا اعتقاد رکھے اور اس نے ان کے بارے میں دل میں کینہ چھپایا ہو، تو اس نے اس چیز کا انکار کیا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں ان کی ثناء میں کہی ہے، ان کے مناقب و فضائل بیان کیے ہیں، ان سے اظہارِ محبت کیا ہے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دین میں وسائل اور وسائط ہیں، واسطوں اور وسیلوں پر طعن کریں، تو اصل پر بھی طعن ہوتی ہے، کیونکہ قرآن ہی ان کے فضائل بیان کرتا ہے، اگر ان پر تنقید کریں یا تنقیص کریں، تو پھر یہ قرآن کی بھی تنقیص ہے، صحابہ کی تحقیر کرنے سے قرآن کی تحقیر لازم آتی ہے، اس پر جو بھی تدبر کرے گا، وہ صاف اور ظاہر طور پر اسے تسلیم کرے گا، بشرطیکہ وہ نفاق، زندیقی اور عقیدہ کی بے دینی سے پاک ہو، اگر یہ بیماریاں

ہوں گی تو پھر کبھی کوئی دلیل کارگر نہیں ہوسکتی۔ ❶

⑫ شیخ محمد صالح عثیمین کا قول:

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بُرا بھلا کہنا تین طرح کا ہے:

❶:......ایسی گالی دی جائے جو ان کے کفر پر دلالت کرے یا ان کی اکثریت کے فاسق وفاجر ہونے کو مقتضی ہو تو ایسی گالی کفر ہے کیوں کہ اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب لازم آتی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف کی ہے اور ان سے اپنی رضا مندی کا اظہار کیا ہے بلکہ ایسے شخص کے کفر میں شک کرنے والا بھی پکا کافر ہے اس لیے کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کتاب وسنت کے ناقلین کافر یا فاسق تھے۔

❷:......لعنت اور قبیح ہونے کی گالی دینا، ایسی گالی دینے والے کے حکم میں دو قول ہیں (کفر، عدم کفر) عدم کفر کے حکم کی صورت میں اسے کوڑے مارنا اور محبوس رکھنا تاکہ اس کی موت واقع ہو یا پھر اپنی بات سے رجوع کرے (تو پھر آزاد کر دیا جائے گا۔)

❸:......ایسی گالی جو ان کے دین میں قدح کا باعث نہ ہو مثلاً بزدلی، بخیلی ایسے شخص پر کفر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا لیکن ایسی سزا ضروری ہے جس سے وہ ایسی باتوں سے باز آجائے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الصارم المسلول" میں یہی بات لکھی ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے:

"کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان کی لغزشیں بیان کرتا پھرے اور نہ ہی انھیں کسی عیب ونقص کی وجہ سے مطعون کرے اگر کوئی شخص ایسی بات

❶ الکبائر: 276.

کرتا ہے تو اسے سخت تنبیہ کی جائے پھر بھی باز نہ آئے تو اسے محبوس کر کے کوڑے مارے جائیں یا تو اس قید میں مرجائے یا پھر اپنے موقف سے رجوع کر لے۔'' (1)

علمائے اہل سنت کی مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھنا جزوِ ایمان ہے اور ان میں نقص وعیب تلاش کرنا اور ان سے بغض رکھنا بربادی اعمال کا باعث ہے۔ اہل سنت کے نزدیک ایسا شخص جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن کرے وہ سخت گمراہ، رافضی اور خبیث بدعتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا احترام ومحبت اور اُن سے عقیدت ہمارے دل ودماغ کا سکون بنائے اور اُن سے بغض وعداوت اور حسد ومنافقت سے ہم سب کو محفوظ رکھے، نیز جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر سب وشتم یا تنقید کرتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ صحیح راستہ اختیار کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین یارب العالمین۔

یہ تو تھے آباء تمہارے مگر تم کیا ہو
ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو

وصلى الله تعالٰى على خير خلقه محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

---

(1) عقائد سلف صالحین، ص: 199-200.